آسماں را حق بُود گر خوں ببارد بر زمیں
خُون کے آنسُو
مصنف:
حکیم مشرق علامہ مشتاق احمد صاحب نظامی
ایڈیٹر "پاسبان" الہ آباد
مکتبۂ سُلطانیہ
لیاقت بازار میانوالی

نام کتاب ——— خون کے آنسو

مصنف ——— علامہ مشتاق احمد نظامی

کمپوزنگ ——— ورڈ میکرز بیڈن روڈ لاہور

طابع ——— اشتیاق اے مشتاق پرنٹرز لاہور

ناشر ——— شبیر برادرز اردو بازار لاہور

تعداد ——— 1100

قیمت ——— 90 روپے

ملنے کا پتہ

شبیر برادرز

40-بی اُردو بازار لاہور

جلد اوّل

موضوعات ومضامین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

پیش لفظ

اڑتی پھرتی تھیں ہزاروں بلبلیں گلزار میں
جی میں کیا آیا کہ پابند نشیمن ہو گئیں

میرے حاشیہ خیال میں بھی یہ بات نہ تھی کہ اب سے پہلے جو کتابیں میرے مطالعہ سے گزر گئی ہیں ان کی بعض خط کشیدہ عبارتیں ترتیب پاکر کسی کتاب کی شکل اختیار کرلیں گی۔

بچ جانئے ابھی ۱۹۵۷ء کی بات ہے۔ میں حسب معمول ملک کے مختلف حصوں میں تقریری پروگرام پر گیا اور معمولاً اخبار و رسائل میری نظر سے گزرتے رہے لیکن ان دنوں اخبارات میں بعض ایسے کالم دیکھے جن میں اسماعیلی تحریک کو نئے رنگ و روغن سے پیش کیا جا رہا تھا جس کے پس پردہ جمعیۃ العلماء ہند کی تنظیمی سازش کام کر رہی تھی مجھے ویسے بھی اخبار بینی سے اک گونہ تعلق ہے مگر ان دنوں اخبارات سے یوں بھی دلچسپی بڑھ گئی کہ شاید آزادی ہند کے تاجدار اوّل حضرت علامہ فضل حق خیر آبادی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی کارنامہ حیات پیش کیا جائے مگر افسوس کہ دعوت سہ روزہ (دہلی) کے علاوہ کسی بھی اخبار نے اس میں مرد مجاہد کا کہیں نام تک نہ لیا جس کا نام فضل حق ہے جو صحیح معنوں ۱۸۵۷ء کی ہوشربا جنگ کا کفن بردوش رہنما ہے جس نے انگریزی سامراجیت کو کچلنے کے لئے سر دھڑ کی بازی لگائی اور انگریزوں کے ظلم و تعدی کا نشانہ بن کر جزیرہ انڈمان کی زہریلی فضاؤں میں ہمیشہ کے لئے میٹھی نیند سو گیا جس کی قبر پر آج بھی رحمتوں کے پھول برس رہے ہیں ؎

آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزۂ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

کہنے کے لئے تو اس مرد مجاہد کی قبر جزیرہ انڈمان میں ہے مگر حضرت علامہ کی

سرفروشی اور راستبازی آج بھی اہل عشق محبت سے یہ کہہ رہی ہے۔

بعد از وفات تربت ما در زمین مجو

در سینہ ہائے مردمِ عارف مزار ما

سوچیے تو سہی یہ تاریخ کا کیسا دلدوز سانحہ ہے کہ آزادی ہند کے ہیرو کو گمنامی کے پردے میں چھپایا جارہا ہے اور انگریز بہادر کے زرخرید غلاموں کی پیشانی پر شہید وطن و سپہ سالار اعظم کا لیبل چسپاں کیا جارہا ہے۔

عدل وانصاف کے گلے پر چھری چلتے دیکھ کر میرے جسم کی ایک ایک رگ کانپ اٹھی دل ودماغ کی غیر متحرک دنیا میں ایک تلاطم سا پیدا ہوا۔ یہاں تک کہ اصل واقعات ذہن و دماغ کے جھروکوں کی سرگوشی کرنے لگے۔ اب مجھے بھی فکر و خیال کی دنیا سے باہر نکل کر عزم محکم کی جگہ لینی پڑی۔ چنانچہ اس ارادہ سے قلم اٹھایا کہ اسماعیلی تحریک اور حضرت علامہ فضل حق کی تحریک جہاد کا موازنہ کیا جائے تاکہ حقیقت بے نقاب ہو کر سامنے آجائے۔

کچھ برس پہلے حضرت علامہ کے حالات زندگی کا مطالعہ کر چکا تھا۔ جو باتیں ذہن کے مختلف حصوں میں منتشر تھیں۔ اب وہ یکے بعد دیگر سطح ذہن پر ابھرتی گئیں ایسا محسوس ہوا کہ ذہن نے آج ہی کے لئے انہیں خاموشی سے سلادیا تھا اور اب ذہن کی ایک حرکت پر تمام واقعات اٹھ کھڑے ہوئے گویا مدتوں کے تھکے ہوئے مسافر جذبہ مسابقت کی رو میں شعر گنگناتے ہوئے تلاش منزل کے لئے اپنی اپنی راہ لگ گئے۔

یہ بزم مے ہے یاں کوتاہ دستی میں ہے محرومی

جو بڑھ کر خود اٹھالے ہاتھ میں مینا اسی کا ہے

اب دماغ میں وہ پہلا سا سکون نہ رہا بلکہ ذہن واقعات وحالات کی آمد و رفت کی آماجگاہ بن گیا مدتوں کے سوئے ہوئے پرند بیدار ہو چکے تھے۔ اندیشہ تھا کہ کہیں قفس کی تیلیوں سے باہر ہوئے تو ان کی گرفت دشوار ہو جائے گی اس لئے ذہن کہتا گیا اور باتیں نوک قلم پر آتی گئیں اور جہاں کہیں بھی اشتباہ پیدا ہوا کتابوں کی مدد سے ان مقامات کی صحت کرلی گئی اور ساتھ ہی ساتھ حوالہ بھی درج کردیا گیا تاکہ کتاب اپنا وزن باقی رکھ سکے۔

میں نے زیر نظر کتاب میں اسی امر کا اہتمام والتزام کیا ہے کہ سنی مکتبہ فکر کی کوئی بھی

کتاب حوالہ میں نہ پیش کی جائے تاکہ کسی عبارت کو یہ کہہ کر مجروح نہ کردیا جائے یہ تو سنی حضرات کا ہم پر بہتان وافتراء ہے چونکہ علماء اہلسنت کی کتابوں کے ساتھ عمومی طور پر یہی معاندانہ اور غیر سنجیدہ روش اختیار کی جاتی ہے اس لئے چاروناچار مجھے نئی راہ اختیار کرنا پڑی۔ گویا یہ ایک ایسا آئینہ ہے جس میں دیوبندیت وہابیت کے صحیح خدوخال نظر آئیں گے اس لئے میں یہ کہنے میں حق بجانب ہوں کہ

انہیں کی محفل سنوارتا ہوں چراغ میرا ہے رات ان کی
انہیں کے مطلب کی کہہ رہا ہوں زباں میری ہے بات ان کی

خون کے آنسو اپنی نوعت کی پہلی کتاب ہو گی جس کی کسی عبارت پر حضرات دیوبندیہ کہہ کر دامن کشاں نہ گزر سکیں گے کہ یہ تو غیروں کے گھر کی بات ہے اس میں جو کچھ ہے انہیں کے گھر کا ہے یا پھر ایسے حضرات کی کتابیں محل اشتہاد میں لائی گئی ہیں جو ان سے قریب تر ہیں یا خال خال ان حضرات کا نام لیا گیا ہے جو سنی دیوبندی اختلاف سے کسی حد تک دور رہے مثلاً میں نے کسی موقع پر ڈاکٹر اقبال کا یہ شعر پیش کیا ہے۔

عجم ہنوز نہ داند رموز دیں ورنہ
ز دیوبند حسین احمد ایں چہ بوالعجبی ست

مولوی حسین احمد کے بارے میں ڈاکٹر اقبال کی رائے پر یہ جرح وتنقید نہیں کی جاسکتی کہ ڈاکٹر اقبال بریلوی تھے۔ یہ ایک غیر جانبدار کی رائے ہے۔ ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ حضرات دیوبند بزعم خویش ڈاکٹر اقبال کو جاہل مطلق کہہ کر اس شعر کو لغو بے معنی قرار دیں جیسا کہ علمائے دیوبند کا آبائی دستور ہے۔ یہ بحث تفصیلی طور پر اگلے صفحات پر آئے گی اس مقام پر مقصود نگارش اس کے سوا کچھ بھی نہیں کہ زیر نظر کتاب علماء دیوبند کے لٹریچر کا ایسا خلاصہ اور نچوڑ ہے جس سے حضرات دیوبندوں کے اجالے ہی میں نہیں بلکہ رات کی تاریکی میں پہچانے جاسکیں گے۔

اب بعض ان کتابوں کی مختصر فہرست ملاحظہ فرمایئے جو کتابیں یا اخبار ورسائل خون کے آنسو کے ماخذ ہیں۔

(۱) حیات طیبہ (۲) تواریخ عجیبہ (۳) سیرت سرسید احمد (۴) حیات ولی (۵) حیات

قاسم (۶) اشرف السوانح (۷) حکیم الامت (۸) جامع المجددین (۹) حسن العزیز (۱۰) الامداد (۱۱) حفظ الایمان (۱۲) بسط البنان (۱۳) تغیر العنوان (۱۴) الشہاب الثاقب (۱۵) اشد العذاب (۱۶) سیف یمانی (۱۷) مختصر سیرت نبویہ (۱۸) تقویۃ الایمان (۱۹) المہند (۲۰) صراط مستقیم (۲۱) تحذیر الناس (۲۲) نقش حیات (۲۳) مکتوبات شیخ (۲۴) فتویٰ دیوبند کا تحقیقی جائزہ (۲۵) مسئلہ قومیت (۲۶) الجرح علیٰ ابی حنیفہ (۲۷) باغی ہندوستان (۲۸) ہندوستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم وتربیت (۲۹) ملفوظات اشرف العلوم (۳۰) نذر عقیدت (۳۱) مکمل کارروائی جمعیۃ علماء ہند (۳۲) تذکرۃ الرشید (۳۳) فتاویٰ رشیدیہ (۳۴) مقالات اکابر دار العلوم دیوبند (۳۵) ارواح ثلاثہ (۳۶) نصرت آسمانی (۳۷) مفتی صاحب دیوبند اور غریب پیشہ ور اقوام (۳۸) تفسیر حقانی (۳۹) آئینہ صداقت (۴۰) مکالمۃ الصدرین (۴۱) فیصلہ ہفت مسئلہ (۴۲) نشر الطیب (۴۳) اخبار الجمعیۃ (۴۴) تجلی دیوبند (۴۵) زندگی رامپور (۴۶) فاران کراچی (۴۷) دعوت دہلی (۴۸) شیخ الاسلام نمبر (۴۹) الفرقان لکھنو (۵۰) برہان دہلی (۵۱) الانصاف دہلی (۵۲) ترجمان لاہور۔

ان کے علاوہ بھی بعض دوسری کتابوں سے مواد فراہم کیا گیا ہے جن کا ذکر تفصیل عبث کے سوا کچھ بھی نہیں اس لئے ان کے تذکرے سے صرف نظر کرتا ہوں۔

اس مقام پر بڑی حق ناشناسی ہوگی اگر اپنے ان بزرگوں اور دوستوں کا شکریہ ادانہ کروں جنہوں نے فراہمی کتب میں میرا ہاتھ بٹایا۔

(۱) استاد محترم مجاہد ملت حضرت مولانا الحاج محمد حبیب الرحمان صاحب قبلہ صدر آل انڈیا تبلیغ سیرت وبانی دا العلوم جامعہ حبیبیہ الہ آباد (۲) حضرت مولانا سید عبدالحق صاحب خطیب دھوراجی (۳) حضرت مولانا سراج الہدیٰ صاحب گیاوی (۴) حضرت مولانا قاضی سید غلام مصطفیٰ میاں صاحب قادری کلکتہ (۵) حضرت مولانا ابوالوفاء صاحب فصیحی غازی پوری (۶) حضرت مولانا ارشد قادری (۷) حضرت مولانا عبدالوحید صاحب بنارس (۸) حضرت مولانا باقر علی خان صاحب (۹) عالی جناب ڈاکٹر علیم الدین صاحب رئیس کلکتہ (۱۰) حضرت مولانا الحاج نعیم اللہ خاں صاحب (۱۱) عالی جناب محمد عبدالقیوم صاحب رئیس ہوڑہ (۱۲) مخلص بہن کنیز فاطمہ مہر النساء میں ان تمام ہی حضرات کا ممنون

کرم وسپاس گزار ہوں۔

جیسا کہ میں نے اب سے پہلے عرض کیا کہ اسماعیلی نام نہاد تحریک اور حضرت علامہ فضل حق کی تحریک جہاد کے موازنہ کے لئے قلم اٹھایا تھا خیال تھا کہ چند صفحات پر یہ عنوان ختم ہو جائے گا مگر

خط لکھتے لکھتے شوق نے دفتر کئے رواں
افراط اشتیاق نے آخر بڑھائی بات

کے مطابق بات بڑھ گئی یہاں تک کہ کئی سو صفحے کی ایک ضخیم کتاب ہو گئی۔ کتاب کے حجم کی موزونیت بھی منظور خاطر تھی اس لئے حضرت علامہ کی سوانح حیات کا تفصیلی مضمون اپنی زیر تالیف کتاب "دو مجاہد" سے منسلک کر دیا، جس میں حضرت علامہ اور مجاہد ملت محمد حبیب الرحمان صاحب قبلہ کی مکمل سوانح حیات ہو گی۔

اور شاتمان رسول کی کئی سو کتابوں کی زہر آلود عبارتیں پیش نظر کتاب کے دامن پر اس طرح سمیٹ دی گئیں جیسے کسی بے گناہ کے دامن پر خون کی چھینٹیں قاتل کی سفاکیوں کا پتہ دے رہی ہیں۔

حوالہ جات میں صحت کا پورا پورا خیال رکھا گیا ہے اور عبارات کا وہی مفہوم لیا گیا ہے جو سیاق وسباق سے کسی عبارت کا مفہوم متعین کیا جا سکتا ہے۔ یہ کتاب حضرات دیوبند کے حق میں لمحہ فکریہ کی حیثیت رکھتی ہے اور اپنوں کے لئے مشعل راہ نشان میل کا کام دے گی۔ زیر نظر کتاب نہ تو افسانہ ہے نہ ناول اور نہ ہی اسکا مولف افسانہ نویس ہے نہ ناول نگار۔ اس کتاب میں نہ تو زبان کا چٹخارہ ہے نہ اردو ادب کا سیل رواں۔ اظہار خیال میں نہ تو شوخی تحریر کی سحر طرازی حاصل ہو سکی اور نہ ہی جدت طراز قلم کی فسوں کاری۔ یہ محفل عیش ونشاط نہیں بلکہ یہ مجلس آہ و بکا ہے۔ گانے والے کی نظر کے اتار چڑھاؤ اور الفاظ کے نشست و برخاست پر ہوتی ہے مگر ایک دل جلے کی پکار تو منت کش الفاظ بھی نہیں ہوتی چہ جائیکہ وہ لفظوں کے ہیر پھیر میں الجھے۔ وہ روتا ہے اور دھاڑیں مار مار کر روتا ہے۔ رونے والا اظہار مدعی میں نمائشی لفظوں سے کام نہیں لیتا بلکہ کبھی دامن پر ٹپکتے ہوئے آنسو ترجمان دل ہوتے ہیں کبھی اس کی آہ و بکا اس کے قلب وجگر کی ٹیس کا پتہ دیتے ہیں۔

میں از خود نہیں رویا رلایا گیا ہوں' میں از خود نہیں تڑپا تڑپایا گیا ہوں۔ میں ایک مظلوم ستم رسیدہ ہوں۔ مجھے نہیں میرے پیارے محبوب کو گالیاں دی گئی ہیں۔ مرے حضور نہیں محبوب کردگار کی بارگاہ بیکس پناہ میں دریدہ دہنی و گستاخی کی گئی ہے۔ ایک دو نہیں متعدد رسوائے زمانہ کتابیں لکھی گئیں۔ وہ بھی ایسا محبوب جبرائیل جس کے در کے پہرہ دار ہوں' جو نبوت ورسالت کی مسند رفیع پر فائز ہو' جس کے صدقے انبیاء ورسل کو نبوت ورسالت ملی ہو' جس کے وسیلے کائنات عالم وجود میں آتی ہو' قرآن جس کو یٰسین وطٰہٰ' مزمل ومدثر کے خطاب سے نوازے' اسی ذات ستودہ صفات کو چمار سے زیادہ ذلیل اور ذرہ ناچیز سے کمتر کہا گیا۔ ایسی غارت گر ایمان عبارتوں پر چشم مومن خون کے آنسو نہ روئے تو کیا کرے حفظ الایمان' بہشتی زیور' تقویۃ الایمان' تحذیر الناس' الشہاب الثاقب' صراط مستقیم جیسی کفری گندہ پھوہڑ کتابیں دیکھ کر ایمان کا تقاضا ہے کہ اس پر نفرین وملامت کی جائے۔

مگر اس چیرہ دستی و دیدہ دلیری کا کیا علاج کہ ان کی کفری کتابوں پر صدا احتجاج بلند کرنے والوں کو فسادی و کافر گر کہا جاتا ہے ۔

ہم آہ بھی کرتے ہیں تو ہو جاتے ہیں بدنام
وہ قتل بھی کرتے ہیں تو چرچا نہیں ہوتا

اپنوں کے بھیس میں کچھ بیگانوں نے زہر آلود تیر برسائے ہیں جس پر علماء اہل سنت کا کلیجہ چھلنی ہو گیا اور ان کی ایمانی روح تڑپ رہی ہے۔ ہم اپنے نبی کے ایک وفادار غلام ہیں۔ ان عبارتوں پر مطلع ہونے کے باوجود اگر خاموش رہ جاتے تو ہمارے ایمان کی کمزوری ہوتی اور ہم اس احکم الحاکمین کی بارگاہ عدالت میں اس کے سوال کا کیا جواب دیتے کہ تم نے میرے محبوب کے دشمنوں کے ساتھ کیا کچھ کیا؟

باغی نبوت اور شاتم رسول کی ناپاک و گندہ عبارات پر حرف گیر ہونا عیب نہیں بلکہ اس پر خاموش رہ جانا توہین محبت کا مجرم قرار دے گی۔

عمرانیات واقتصادیات' سیاسیات ولسانیات پر تو آج کے بہت سے اہل قلم اظہار خیال کر رہے ہیں مگر بتاؤ اس خاکدان گیتی میں وہ کون سی جماعت ہے جس کو دیوانہ رسول کہا جاتا ہو اور جس جماعت کی تقریر اور تحریر کا مطمح نظر عظمت رسالت اور وقار نبوت کی پرچم کشائی

کے سوا کچھ نہ ہو' بحمد اللہ وہ اہل سنت و جماعت ہیں جو پوری اعتدال پسندی سے ملت اسلامیہ کو توحید و رسالت کا درس دے رہے ہیں جن کی تقریر و تحریر افراط و تفریط سے یکسر خالی ہے۔ محبت میں نہ تو اس قدر غالی ہیں کہ رسالت کا ڈانڈا توحید سے ملا دیں اور نہ ہی بارگاہ نبوت کے بے ادب و گستاخ ہیں کہ نبی محترم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنے جیسا بشر یا بڑے بھائی کا مرتبہ دیں یا العیاذ باللہ آقائے دوجہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو چمار سے زیادہ ذلیل اور ذرہ ناچیز سے کمتر قرار دیں جیسا کہ علماء دیوبند کی رسوائے زمانہ کتابوں میں موجود ہے۔

علماء اہل سنت کی ایک معتدل پالیسی ہے نہ تو وہ خالق کو مخلوق کا مرتبہ دیتے ہیں اور نہ ہی کسی مخلوق کو خالق کا ہمسر سمجھتے ہیں کوئی مخلوق فضل و کمال میں کتنی ہی اعلیٰ سطح پر کیوں نہ ہو بہر حال وہ بندہ ہے مخلوق ہے' وہ معبود نہیں اور خالق نہیں۔

علماء اہلسنت کے مشن میں آوارگی اور کجروی نہیں ان کی محبت کا ایک محور ہے' اور وہ سرکار ابد قرار کی ذات ستودہ صفات ہے جن کی ذات اللہ تعالیٰ کے بعد سب سے زیادہ بزرگ و برتر ہے۔ ہم ان کے وفادار غلام ہیں انہی کے وسیلہ سے کھاتے اور انہی کا گاتے ہیں۔ اس لئے ہمارا کہنا یہ ہے۔

ماقصۂ سکندر و دارا خواندہ ایم
از ما بجز حکایت مہر و وفا مپرس

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی حَبِیْبِہِ الَّذِی اصْطَفٰی

علماءدیوبند کی انگریز دوستی

یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔

ہوتی آئی ہے کہ اچھوں کو برا کہتے ہیں

کے مطابق تقریباً ہر صدی و ہر دور میں علماء حق پر علماء سوء اور دوسرے فرقہ ہائے باطلہ نے کیچڑ اچھالنے کی کوشش کی اور نت نئے طریقوں سے انہیں بدنام کرنے کے درپے ہے مگر حق و صداقت کے حاملین شرپسندی و اشتعال انگیزی کی بجائے خاموشی سے یہی کہتے رہے۔

ادھر آؤ پیارے ہنر آزمائیں
تو تیر آزما ہم جگر آزمائیں

چنانچہ بھارت کی زمین بھی اسی تاریخ کو دہراتی رہی۔ ۱۸۵۷ء کے "غدر" نے نہ صرف بساط سیاست کو پلٹ دیا بلکہ سلطنت مغلیہ کے زوال اور انگریزی سامراجیت کو استقلال واستحکام کی حد تک پہنچا دیا۔ انگریز ہندوستان میں افیون کی گولی کھا کر نہ آئے تھے بلکہ عقل و دانش کی عینک ان کی آنکھوں پر لگی تھی۔ ایک پردیسی اور سات سمندر پار قوم کو ہندوستانی باشندوں پر راج کرنا تھا اس لئے فن کارانہ چابک دستیوں سے کام لیتے ہوئے اس نے بھارت کی مسلم سیاست پر اپنی نگاہ جمائی۔ چونکہ تخت و تاج مسلمانوں ہی سے لیا گیا تھا اس لئے سفید چمڑے والوں کو مسلم سیاست ہی سے اندیشہ تھا چنانچہ انگریز اس ٹوہ میں پڑ گئے کہ ہندوستانی مسلمانوں کی باگ ڈور کس کے ہاتھ میں ہے اور اس سراغ رسانی میں اپنی انتہائی حسن تدبیر سے وہ اس منزل پر پہنچ گئے کہ گئے گزرے زمانہ میں بھی یہاں کی مسلم اکثریت علماء اور صوفیاء کی

عقیدت کیش ہے اب یہ بات ناگزیر تھی کہ بھارت کے طبقہ علماء و مشائخ کی چھان بین کی جائے اور امیر کارواں کے کاندھے پر بندوق رکھ کر گولی چلائے۔

انگریز خود سامنے آتے ہوئے گھبراتے تھے چونکہ ابھی ابھی مسلمانوں کے خون سے ہولی کھیل چکے تھے۔ ابھی تو ان کی ہاتھوں کی لالی اور دامن کی سرخی بھی نہ گئی تھی۔ یہ کیسے ممکن تھا کہ وہ بے نقاب سامنے آجاتے اس لئے اب انہیں اسلامی سیاست کے خلاف جو کچھ کرنا تھا وہ جبہ و دستار کی شکل میں کرنا تھا (شکار تو کرنا تھا مگر ٹٹی کی آڑ سے) گویا ایسے صیاد کی تلاش تھی جو اس راہ کا آزمودہ کار ہو۔ چنانچہ اب انگریز کو بندوق رکھنے کے لئے کاندھے کی ضرورت تھی۔

یہاں تک کہ یہ بات بھی بے نقاب ہو کر رہی کہ اس وقت علمی فضل و کمال کے دو ادارے ہیں جن کا سکہ ہندوستان میں چل رہا ہے ایک ان میں ولی اللّٰھی خاندان ہے جو منقولات میں اہل علم و ادب سے خراج عقیدت حاصل کر چکا ہے اور دوسرا خاندان حضرت علامہ فضل حق خیر آبادی اور ان کے متبعین یا ان کے ہم خیال معاصرین کا ہے جو معقولات میں اپنے فضل و کمال کے باعث ہندوستان کی زمین پر بادل بن کر چھایا ہے گویا یہ طبقہ دینیات کو منطق و فلسفہ کی بھی عینک لگا کر دیکھنے کا عادی تھا یعنی۔

"در کفے جام شریعت در کفے سندان عشق"

کا حامل تھا۔

مگر ان دونوں خاندانوں میں ایک نمایاں فرق یہ تھا کہ ولی اللّٰھی خاندان اس وقت چراغ سحری کی طرح ٹمٹما رہا تھا گویا عہد رفتہ کی ایک یادگار تھا۔ اب ان میں پہلے جیسا کوئی صاحب فضل و کمال نہ تھا اور جو ذی علم و ذی وجاہت تھے تو وہ بھی انگریزوں کے ہاتھ کٹھ پتلی نہ بن سکے تھے۔ اس لئے لے دے کر مولوی اسماعیل دہلوی پر انگریزوں کی نگاہ پڑی جو بڑے خاندان کی اولاد ہونے کی وجہ سے پوجے جا رہے تھے اور دوسری طرف علامہ فضل حق اور ان کے متبعین آسمان علم و ادب پر کہکشاں بن کر چمک رہے تھے۔

انگریز حضرت علامہ فضل حق خیر آبادی کی پیشانی پر اپنا مستقبل پڑھ رہے تھے کہ یہی وہ نڈر و بیباک مرد مجاہد تھے جس کے فتوے سے ہندوستان کی زمین پر زلزلہ آئے گا اور انگریزی

حکومت یک لخت کانپ اٹھے گی۔" جس کی پاداش میں اسے قید و بند کی سختیاں بھی جھیلنی پڑیں گی اور جزیرہ انڈمان کی مسموم فضاؤں میں جھلسنا بھی ہوگا مگر غیرت و خودداری کا یہ پتلا اپنا فتویٰ واپس لینے پر آمادہ نہ ہوگا چنانچہ اہل علم پر یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہے کہ جزیرہ انڈمان میں جس وقت حضرت علامہ فضل حق اپنے بستر موت پر تھے اٹھنے بیٹھنے کروٹ بدلنے سے مجبور تھے بغیر کسی سہارے کے بیٹھ نہ سکتے تھے۔ زندگی کا آخری وقت تھا۔ موت قدم چومتی ہوئی آرہی تھی اور حیات بلائیں لے کر رخصت ہو رہی تھی۔ زندگی کے ایسے نازک مرحلہ پر آپ کی غیرت ایمانی کا ایسا سنگین امتحان لیا گیا جس کی مثال شاذ و نادر ہی کہیں مل سکے گی۔ چنانچہ اسی کرب و اضطراب کی حالت میں ایک انگریز افسر آیا اور اس نے حضرت علامہ سے کہا اگر آپ محض اتنا فرمادیں کہ مجھے اپنے اس فتوے پر افسوس ہے جو میں نے انگریزوں کے خلاف جہاد کا فتویٰ دیا ہے تو میں ابھی ابھی آپ کو رہا کر دیتا ہوں اور اپنے زیر انتظام آپ کے بال بچوں میں آپ کو پہنچائے دیتا ہوں۔

بستر مرگ کا وہ نحیف و ناتواں جو بیٹھ کر دو اپنے سے معذور تھا اتنا سنتے ہی گرجدار آواز کے ساتھ اٹھ کر بیٹھ گیا اور انگریز افسر سے فرمایا کہ مجھے ایسی ایک نہیں ہزار زندگی دی جائے تو فضل حق یہی کہے گا کہ انگریزوں سے جہاد فرض ہے۔

ٹیپو سلطان نے کتنی عمدہ بات کہی کہ "لومڑی کی صد سالہ زندگی سے شیر کی ایک دن کی زندگی بہتر ہے" پروردگار عالم حضرت علامہ کی قبر کو رحمتوں کے پھولوں سے بھر دے جس نے آنے والی نسل کے لئے موت و زندگی کی ایک کشادہ راہ پیش کر دی اس لئے انگریزوں کے لئے یہ راہ تو مایوس کن تھی کہ وہ حضرت علامہ یا ان کے شہزادوں کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھاتے یا قومی غداری کے لئے ایسے بیدار مغز با غیرت سے رسم و راہ کی پیش کش کرتے لہٰذا اب انگریزوں کے سامنے صرف ایک ہی دروازہ تھا وہ مولوی اسماعیل دہلوی کا ایوان جدال تھا۔

(۲) دوسری وجہ یہ تھی کہ انگریز مولوی اسماعیل کے ڈھول کا پول بھی جانتے تھے اس لئے انہیں اور بھی جرات ہوئی کہ دنیا طلب و اقتدار پسند کو بہلانا پھسلانا کچھ دشوار نہیں جیسا کہ میں پہلے عرض کر چکا ہوں کہ مولوی اسماعیل کے علم کا لوہا مسلم نہ تھا بلکہ ان کی تہی دستی وبے

مایگی پر اہل علم مطلع تھے محض بڑے باپ کے اولاد ہونے کی لاج رکھی جا رہی تھی۔

جیسا کہ میں آگے چل کر اس حقیقت کو بے نقاب کروں گا کہ خود علماء دیوبند نے مولوی اسماعیل کو جاہل، ملحد، زندیق اور دین سے بے بہرہ ہونے کا فتویٰ دیا ہے۔

(۳) انگریز کو اس ارادے پر اکسانے کے لئے تیسری وجہ یہ تھی کہ حضرت علامہ اور مولوی اسماعیل دہلوی کے درمیان مسئلہ امتناع نظیر پر جھڑپ بھی ہو چکی تھی جس پر مولوی اسماعیل دہلوی کو جامع مسجد دہلی کی بھری محفل میں خفت و ندامت اٹھانی پڑی تھی اس لئے مولوی اسماعیل اور ان کے کنبہ پرور متبعین کے دل میں حضرت علامہ اور ان کے مخلص متبعین کی طرف سے انتقام کی آگ بھڑک رہی تھی۔ یہ لوگ کسی ایسے موقع کے منتظر تھے جس میں دل کی بھڑاس نکالی جا سکے۔ گویا انگریز اور مولوی اسماعیل کے درمیان یہ بات قدرے مشترک تھی کہ حضرت علامہ فضل حق کو بیخ و بن سے اکھاڑ کے پھینک دیا جائے۔

دونوں طرف تھی آگ برابر لگی ہوئی

یہی وہ متعدد وجوہ ہیں جن کی بنا پر مولوی اسماعیل دہلوی اور انگریز بہادر کے درمیان دوستانہ معاہدہ ہوا اور اس جماعت نے اپنے کاندھے کو بندوق رکھنے کے لئے پیش کر دیا۔

اب مسلمانوں کا دین و ایمان لوٹنے کے لئے انگریز بہادر کو چور دروازہ مل چکا تھا چنانچہ اب وہ مسلمانوں کے سامنے کوٹ، پتلون، ٹائی اور ہیٹ لگا کر نہ آتا بلکہ انہیں نام نہاد علماء کے جبہ و دستار میں چھپ کر آتا۔ اب ہندوستان کی زمین ایک نئی آفت کا گہوارہ بن چکی تھی زبان علماء کی بلتی نظر آتی مگر بول سات سمندر پار ہوتی۔ غریب مسلمان کیا جانتا تھا کہ یہ جبہ و دستار والے ہمیں دن دہاڑے انگریزوں کے ہاتھ بیچ ڈالیں گے مگر وائے حسرت و ناکامی یہ تو انگریز سے پہلے ہی سودا کر چکے تھے۔

علماء اہل سنت سے جلن اور ان سے بغض و حسد کے باعث علماء دیوبند کے سرکردہ افراد گراموفون کا ریکارڈ بن چکے تھے۔ انگریز جو سکھا پڑھا دیتے تھے یہ لوگ وہی باتیں مسلمانوں کے سامنے اگل دیتے جیسا کہ آج کل ہوتا چلا آ رہا ہے۔

للہ سوچئے اور انصاف و دیانت داری سے کام لیجئے کہ ہندی مسلمانوں پر کس قدر ابتلاء و آزمائش کا دور تھا مسلمان اپنے ہی ہاتھ اپنا گھر پھونک رہا تھا۔

اے چشم شعلہ بار ذرا دیکھ تو سہی!
یہ گھر جو جل رہا ہے کہیں تیرا گھر نہ ہو

مندرجہ بالا تمہیدی خاکہ کے بعد نتیجہ کے طور پر یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ طبقہ علماء میں ایک گروہ علماء اہل سنت کا تھا جن کی پیشانی پر انگریزی دشمنی کا ٹیکہ لگا تھا اور دوسرا گروپ علماء دیوبند کے امام و مقتداء مولوی اسماعیل دہلوی کا تھا جن کے ماتھے پر انگریز دوستی کا لیبل تھا۔ مولوی اسماعیل کو انگریز دوستی پر اس قدر غرور و گھمنڈ تھا کہ جس وقت انگریزوں کے اشارے پر میدان جنگ میں جارہے تھے تو لکھنو سے گزرتے وقت صوفی عبدالرحمان صاحب لکھنوی رحمتہ اللہ علیہ وجودی المسلک رکھتے تھے اور اپنے وقت کے خدا رسیدہ بزرگ اور ولی کامل تھے۔ ان سے مولوی اسماعیل نے کہا جنگ سے واپس آکر میں تمہاری خبر لوں گا۔

صوفی عبدالرحمان صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے کشف کے ذریعہ فرمایا یہ تو اس وقت ممکن ہے جبکہ جنگ سے تمہاری واپسی بھی ہو سکے۔ ناظرین سمجھ سکتے ہیں کہ اس جنگ زرگری میں کونسا جذبہ کار فرما تھا ایک عام اور سطحی انسان بھی یہ نتیجہ نکال سکتا ہے کہ مولوی اسماعیل اس جنگ کے بہانے انگریز کی خوشنودی حاصل کر کے علماء اہل سنت سے انتقام لینا چاہتے تھے۔ اس مقام پر پہنچ کر اب مناسب یہ ہے کہ اس رائے پر تاریخی شہادت کی ایک نہ مٹنے والی مہر لگادی جائے بلکہ یہ معاملہ تاریخ ہی کے سپرد کر دیا جائے اور بات بہت ہی مستند ہو جائے گی کہ تاریخی شہادت کے دوش بدوش علماء دیوبند کے بزرگوں کی تحریر سند اور حوالہ میں پیش کردی جائے تاکہ مجال انکار نہ رہ جائے۔

(۱) حوالہ تذکرۃ الرشید حصہ اول صفحہ نمبر ۷۳ کی ایک عبارت ملاحظہ فرمایئے اور اندازہ کیجئے کہ علماء دیوبند کے بزرگوں کا انگریز افسر سے کیسا گہرا تعلق تھا۔

"بعض کے سروں پر موت کھیل رہی تھی۔ انہوں نے کمپنی (انگریزی حکومت) کے امن و عافیت کا زمانہ قدر کی نگاہ سے نہ دیکھا اور اپنی رحم دل گورنمنٹ کے سامنے بغاوت کا علم قائم کیا۔"

فرمایئے کیا اب بھی علماء دیوبند کو انگریز دوستی سے انکار ہو سکتا ہے؟ مولوی رشید احمد

ے "تذکرۃ الرحمٰن تصویر ایمان" سیر تجلی دوم "عنوان امر حق" مطبع نولکشور لکھنو

گنگوہی علماء دیو بند کے مسلم مقتدا و پیشوا ہیں۔

وہ کمپنی راج کو رحم دل گورنمنٹ سے تعبیر کرتے ہیں وہ انگریز جو مسلمانوں کے خون سے ہولی کھیل چکا ہو جس نے مسلمانوں کو نعش کو درختوں پر لٹکا کر چیل کوؤں سے نچوایا ہو وہی انگریز جس نے مساجد کو گھوڑوں کی لید سے نجس کیا ہو' ہاں ہاں وہی انگریز جس نے شاہ ظفر کے ناشتے میں ان کے لڑکوں کا سر بھیجا ہو۔ وہی مولوی رشید احمد گنگوہی کی نظر میں رحم دل ہے اور اس کا زمانہ امن و عافیت کا زمانہ مذکورہ بالا تحریر کا یہ ٹکڑا بھی قابل توجہ ہے کہ (بعض کے سروں پر موت کھیل رہی تھی) اس میں اشارہ ہے حضرت علامہ فضل حق اور ان کے دوسروں رفقاء کار کی طرف جن لوگوں نے انگریزی راج کے خلاف علم بغاوت بلند کیا تھا یعنی اس وقت دو گروپ تھے ایک مولوی رشید احمد گنگوہی کا جو انگریزی راج کا خطبہ پڑھ رہا تھا اور ان کے قدم جمانے کے لئے مسلمانوں کو بہلاوے دے رہا تھا اور دوسرا گروپ حضرت علامہ کا تھا جو انگریزی سامراجیت کے خلاف نعرہ جہاد بلند کر رہا تھا۔

سچ جانیے تذکرۃ الرشید کی یہ عبارت دیکھ کر مجھ پر سکتہ طاری ہو گیا اور میں ایک گہری فکر میں ڈوب گیا کہ یا اللہ! ایک طرف مسلمانوں کا خون پانی کی طرح بہہ رہا تھا اور دوسری جانب ایسے نام نہاد مولوی تھے جو انگریز بہادر کو رحم دل اور اس کے ظلم و ستم کو امن و عافیت کا نام دے کر مسلمانوں کی عزت و آبرو کا جنازہ نکال رہے تھے۔

قیامت کیوں نہیں آتی الٰہی ماجرا کیا ہے

کیا ملت اسلامیہ کی تاریخ میں اس سے بھی زیادہ گھناؤنا اور قومی غداری کا باب مل سکتا ہے؟ یہ ہیں علماء دیو بند کے وہ امیر کارواں جو انگریز بہادر کے ہاتھ کٹھ پتلی بن چکے تھے ابھی کیا ہے۔

آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا؟

تذکرۃ الرشید حصہ اول صفحہ ۸۰ کی دوسری عبارت ملاحظہ فرمایئے جو سراسر انگریز دوستی میں ڈوبی ہوئی ہے۔

"جب میں حقیقت میں سرکار (برٹش) کا فرماں بردار ہوں ان جھوٹے سے میرا بال بھی بیکانہ ہو گا اور اگر مارا بھی گیا تو سرکار مالک ہے اسے اختیار ہے جو چاہے کرے۔"

انگریز بہادر کے حضور فرماں برداری ہو تو ایسی ہو۔ کہاں خودسری و مطلق العنانی کا یہ عالم کہ جس کا نام محمد یا علی ہے وہ کسی چیز کا مختار نہیں اور انگریز کے قدم پر سر بسجود ہوئے تو اس بری طرح کہ آپ ہی "ان داتا" ہیں سرکار ہی مالک و مختار ہیں جو چاہیں سو کریں۔ یہ ہے رسول دشمنی اور انگریز دوستی کا جیتا جاگتا مظاہرہ یہ اللہ تعالیٰ کی لعنت و پھٹکار ہے کہ میرے مصطفیٰ کی بارگاہ سے سرتابی کرنے والا انگریز کو اپنا مالک و خود مختار بنائے اور انگریز کے دامن میں اپنی زندگی کی پناہ ڈھونڈے۔

یہ وہ مقام ہے جہاں مولوی رشید احمد گنگوہی درس توحید بھول بیٹھے ہیں اللہ تعالیٰ کی ذات سے اعتماد و توکل جاتا رہا۔ حالانکہ ایسے موقع پر ایک مرد مومن کی بول یہ ہوتی ہے کہ انگریز اگر دشمن ہے تو ہوا کرے۔ میں اپنے پروردگار عالم کا مطیع و فرمانبردار ہوں۔ مرضی مولیٰ از ہمہ اولیٰ' جو میرے رب کو منظور ہو گا وہی ہو گا۔ میرا سر نیاز رضا الٰہی پر خم ہے۔ اس کی بارگاہ احدیت سے سرتابی کی مجال نہیں مگر جناب گنگوہی صاحب فرماتے ہیں جی نہیں' میں تو برٹش گورنمنٹ کا فرماں بردار ہوں اور انگریز بہادر ہی میرے مالک و مختار ہیں اب میری موت و زندگی انہیں کے ہاتھ ہے۔

اللہ تعالیٰ کی بارگاہ بیکس پناہ کو چھوڑ کر انگریز کے دروازے پر زندگی کی بھیک مانگی جارہی ہے غلامی ہو تو ایسی ہو' وفاداری ہو تو ایسی ہو۔

ذرا اور آگے بڑھیے ؎

محبت کے آگے مقام اور بھی ہیں

اب انگریز دوستی کی تیسری بھاری بھرکم شہادت ملاحظہ فرمایئے۔

(۳) حوالہ مکالمۃ الصدرین مرتبہ طاہر احمد قاسمی مطبوعہ رحمانی پریس محلہ گڑھیا' دہلی ص ۸۔

"مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی ناظم اعلیٰ جمعیۃ العلماء ہند دہلی نے کہا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تبلیغی تحریک کو ابتداءً حکومت کی جانب سے بذریعہ حاجی رشید احمد صاحب کچھ روپیہ ملتا تھا' پھر بند ہو گیا۔"

اب بات ڈھکی چھپی نہ رہ گئی کہ انگریز بہادر سے علماء دیوبند کا کس قدر مضبوط ساتھ

گانٹھ تھا اسی کو کہتے ہیں "اقراری ڈگری"۔۔۔۔ سیاں بھیئے کوتوال اب ڈر کا ہے کا؟ جب کہ الیاسی (تبلیغی) جماعت پر گورنمنٹ کا دست کرم ہے اور گورنمنٹ کے سہارے یہ پھل پھول رہی ہے تو پھر تبلیغی جماعت والوں کو ملک کے طول و عرض میں چنا اور ستو لے کر کلمہ اور نماز کی دعوت دینے میں روپے پیسے کی فکر کیونکر لاحق ہو سکتی ہے۔ منی آرڈر تو گھر پہنچتا ہی جارہا ہے مگر قوم کو دکھانے اور بہلاوا دینے کے لئے ستو کی گٹھری بغل میں دبی ہے۔ ہاتھ کے دانت دکھانے کے اور ہوتے ہیں اور کھانے کے اور۔

کسی ایرے غیرے کا نہیں بلکہ مولوی حفظ الرحمان ناظم جمعیۃ العلماء ہند جیسے ذمہ دار کا اقرار ہے کہ "مولانا الیاس کو تبلیغی تحریک کے لئے گورنمنٹ کی جانب سے روپیہ ملتا تھا۔"

اب تو ناظرین تبلیغی جماعت کی حقیقت سمجھ چکے ہوں گے کہ اس تگ و دو اور دوڑ دھوپ میں کس کی روح کارفرما ہے بھلا بتایئے تو سہی انگریز جیسے اسلام اور مسلمان دشمن کو محمدی کلمہ اور نماز کی نشر و اشاعت سے کیا تعلق؟

؎ کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے

کلمہ اور نماز کے نام پر جو گلی گلی میں خاک چھانی جارہی ہے اس میں گورنمنٹ کی رضاجوئی اور خوشنودی حاصل کرنی ہے۔

کسی نہ کسی معاملہ پر طرفین میں معاہدہ ہو چکا ہے گورنمنٹ اس لئے روپیہ دیتی ہے کہ کلمہ اور نماز کی دعوت پر تم مسلمانوں کی رہنمائی اور پیشوائی کرو جب مسلمان تمہیں اپنا رہنما اور پیشوامان لے گا تو کل ہمارے الیکشن میں تمہارا ایک اشارہ کافی ہو گا جدھر تمہارا ووٹ ہو گا اسی طرف تبلیغی جماعت کا جھکاؤ ہو گا۔ مسلمانوں میں تمہارا ڈکٹیٹر قائم رہے اور تمہارے واسطے سے مسلمانوں کا ووٹ ہمیں ملتا رہے اور معاہدہ کی دوسری وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ تم مجھ سے روپیہ لے کر مسلمانوں کی قیادت اپنے ہاتھ میں لے لو اور جب ان پر قابو پا جاؤ تو اپنے تقدس و اتباع شریعت کا سہارا لے کر مسلمانوں میں نئے نئے عقیدے پھیلاؤ۔ اولیاء اللہ کی قبر پر جانے والوں کو بدعتی کہنا یارسول اللہ کہنے والوں کو مشرک کہنا، میلاد و قیام کرنے والوں پر پھبتی کسنا، عرس و فاتحہ کرنے والوں کا منہ چڑھانا، تو مسلمانوں میں خود ہی پھوٹ پڑ جائے گی۔ اس طرح سے ہم تم دونوں کا مقصد حاصل ہو جائے گا تم ایک ٹولی کے قائد ہو جاؤ گے اور

مسلمانوں کا افتراق وانتشار دیکھ کر ہم بھی چین وسکون کی بانسری بجائیں گے۔ یہ ہے تبلیغی جماعت کا پس منظر اور اس کی دھوڑ دھوپ کا نتیجہ۔

اب دو قدم اور بھی میرے ساتھ آگے بڑھئے اور دیکھئے تو سہی۔

پہنچا کہاں سے ہے کہاں سلسلہ دراز عشق

چلئے ذرا تھانہ بھون کی سیر کریں اور مولانا اشرف علی تھانوی کی انگریز دوستی کے سربستہ راز معلوم کریں۔

(۴) علماء دیوبند کی انگریز دوستی پر چوتھی شہادت

حوالہ مکالمۃ الصدرین ص ۱۰'۱۱ کی عبارت ملاحظہ فرمائیے اور مولانا تھانوی کے انگریز بہادر سے ہی تعلقات پر صد آفرین کہیے۔

"مولوی شبیر احمد صاحب دیوبندی صدر جمعیۃ الاسلام کلکتہ نے مولوی حفظ الرحمان صاحب کے جواب میں کہا کہ دیکھئے مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ ہمارے اور آپ کے مسلم بزرگ وپیشوا تھے ان کے متعلق بعض لوگوں کو کہتے ہوئے سنا گیا کہ ان (یعنی مولانا تھانوی) کو چھ سو روپے ماہوار حکومت کی جانب سے دیئے جاتے تھے"

ایں ہمہ خانہ آفتاب است

علماء دیوبند ہیں جس کو دیکھئے اس کا دامن انگریز بہادر کے دامن سے وابستہ ہے کیا اب بھی دماغ کے کس حاشیہ میں شک وشبہ کی گنجائش باقی رہ گئی کہ علماء دیوبند انگریز کے زر خرید غلام نہ تھے انگریز اپنا حق ادا کر رہا تھا اور یہ جبہ ودستار والے اپنا عہد وپیمان پورا کر رہے تھے آخر ش یہ چھ سو روپے ماہانہ کسی نہ کسی مقصد ہی کے پیش نظر دیئے جاتے تھے۔ اب کون انکار کر سکتا ہے کہ تقویۃ الایمان 'حفظ الایمان' بہشتی زیور 'تحذیر الناس' فتاوی رشیدیہ 'صراط مستقیم جیسی شر انگیز' کفر آمیز کتابیں انگریزی حکومت کے ایماء واشارے پر لکھی گئی ہیں۔ یہی وہ گندہ وپھوہڑ کتابیں ہیں جن سے ہندی مسلمانوں کا شیرازہ منتشر ہوا اور مسلمانوں کے گھر کی اینٹ سے اینٹ بج گئی۔ باپ سنی ہے تو بیٹا وہابی 'بیوی مردوں کا فاتحہ دلانا چاہتی ہے تو شوہر طلاق دینے پر آمادہ' اور شوہر محفل میلاد شریف کرنا چاہتا ہے تو بیوی نکاح فسخ کرانے کے

لئے تیار۔ شبرات کے حلوے اور عید کی سویوں پر خانہ جنگی یہی انگریز کی پالیسی تھی جس میں وہ سولہ آنے کامیاب ہوا۔ انگریز اپنے ہاتھوں یہ کام انجام نہ دے سکتا تھا اگر بہشتی زیور' حفظ الایمان اور تقویۃ الایمان پر کسی عیسائی پادری کا نام ہوتا تو مسلمان ایسی کتاب کو در خور اعتنا بھی نہ سمجھتا اسے دیکھنا تو در کنار اپنے ہاتھ میں لینا بھی گوارا نہ کرتا مگر جس کتاب کے سرورق شہید وطن' شیخ الہند' مربی خلائق' حکیم الامت حجتہ الاسلام' شیخ الاسلام جیسے فوق البھڑک خطابات والقاب ہوں تو خواہی نخواہی ایک بار مسلمان اس کی طرف متوجہ ہو ہی جاتا ہے۔

چنانچہ انگریز کی فتنہ پرور پالیسی مسلمانوں کے گھر اسی چور دروازے سے داخل ہوئی اور آج تک مسلمانوں کے بدن میں ناسور بن کر رس رہی ہے۔

حضرات علماء دیو بند کی یہی وہ کتابیں ہیں جن سے مسلمانوں کے گھر اختلافات کے سوتے پھوٹ پڑے اور نہ جانے اختلافات کی کتنی ندیاں اور نالے بہہ گئے ذرا کوئی خیال تو کرے کس قدر حیرت کی بات ہے کہ آج شادی میں دولھا کو سہرا باندھ دیا جائے تو دیو بندی مولوی شرک کا فتویٰ لئے حاضر "ارے ارے! یہ کیا غضب ہو گیا۔"

کوئی بتائے تو سہی کہ آخر ش سہرا اور شرک میں کون سا جوڑ ہے۔ آپ یہ نہ سمجھئے یہ حضرات شرک وبدعت کی تعریف نہیں جانتے۔ جانتے ہیں مگر مشکل یہ آن پڑی کہ انگریز دوستی میں انہیں کی عبارتیں انہیں کے حق میں "سانپ کے منہ میں چھچھوندر بن گئی ہیں" جو نہ نگلتے بنتا اگلتے بنے۔

انگریزوں کو خوش کرنے کے لئے کہیں یہ لکھ مارا کہ "عبد النبی" "غلام دستگیر" "پیر بخش" نام رکھنا شرک ہے حالانکہ مولوی رشید احمد گنگوہی کے پدری و مادری دونوں نسب ناموں میں یہ مشرکانہ نام موجود ہیں کبھی شوق چرایا تو یہ لکھ دیا کہ میلاد تو ایسے ہی ہے "کنہیا کا جنم حالانکہ حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی نے "فیصلہ ہفت مسئلہ" میں تحریر فرمایا ہے کہ میں سال بہ سال محفل میلاد شریف منعقد کرتا ہوں اور کھڑے ہو کر صلوٰۃ و سلام پڑھنے میں لذت محسوس کرتا ہوں۔ علماء دیو بند انگریز دوستی میں مسلمانوں کے ہر فعل پر شرک کی چھاپ لگاتے گئے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ آج کوئی دیو بندی مولوی شرک کی صحیح تعریف کر ہی نہیں سکتا اور اگر کوئی دیو بندی مولوی شرک کی ایسی تعریف کر سکتا ہے جس سے اس کے اکابر

اس تعریف کی زد میں نہ آئیں تو آج بھی میرا چیلنج ہے کہ کوئی بھی شرک کی جامع ومانع تعریف کر کے مجھ سے پانچ سو روپے کا انعام حاصل کرے۔

ایسی ضد کا کیا ٹھکانا دین حق پہچان کر
ہم ہوئے مسلم تو وہ مسلم ہی کافر ہو گیا

علماء دیوبند کی انگریز دوستی' کے زیر عنوان میں نے جتنی بھی شہادتیں پیش کی ہیں ان سب میں حضرات دیوبند ہی کا قلم کار فرما ہے جس سے وہ ایک لمحہ کے لئے بھی انکار نہیں کر سکتے بایں ہمہ علماء دیوبند کی دیدہ دلیری ملاحظہ فرمایئے کہ مولوی رشید احمد گنگوہی برٹش عہد کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے اور اس کو امن و عافیت کا زمانہ قرار دیتے۔ انگریز بہادر کو اپنا مالک و مختار سمجھتے۔ جناب تھانوی صاحب کی جیب چھ سو روپیہ ماہانہ سے گرم ہوتی رہی اور مولوی الیاس صاحب کو کلمہ اور نماز کی تحریک چلانے کے لئے گورنمنٹ سے امداد ملتی رہی۔ ان حضرات کو مجاہد وطن اور سپہ سالار اعظم کہا جائے اور مسلمانوں کو آبرو مندانہ زندگی دینے اور ان کی عزت و آبرو محفوظ رکھنے کے لئے وہ فضل حق جس نے دریائے شور کی مصیبتیں جھیلی ہوں اس کو انگریز کا پٹھو اور نہ جانے کیا کیا کہا جائے۔

آخر ش کب تک اس قوم کو علماء دیوبند تھپکیاں دے کر سلاتے رہیں گے۔

حضرت علامہ فضل حق خیر آبادی کے ساتھ علماء دیوبند نے جو زیادتی برتی ہے اس پر میری آنکھ ہی اشکبار نہیں بلکہ بعض ان کے بھی اس ناروا زیادتی کو برداشت نہ کر سکے۔

چنانچہ مولوی عبدالشاہد خاں صاحب شیروانی ناظم جمعیۃ العلماء علی گڑھ "باغی ہندوستان" میں رقم طراز ہیں۔

مقدمہ "باغی ہندوستان" ص ۱۲

"مجاہد جلیل مولانا اسماعیل شہید کی سوانح حیات لکھنے والوں نے علامہ (فضل حق) کے ساتھ بڑا ظلم روا رکھا۔ رنگ آمیزی و بہتان طرازی سے بھی دریغ نہ کیا۔"

یہ ہے علماء دیوبند کی وہ فرقہ وارانہ ذہنیت جس پر اپنے و بیگانے دونوں ہی نکتہ سنج اور نکتہ چیں ہیں اب مناسب یہ ہے کہ اسی ضمن میں اسماعیلی نام نہاد تحریک کی ایک جھلک پیش کر دی جائے۔

سید احمد بریلوی اور اسماعیل دہلوی کا یاغستانی مسلمانوں پر حملہ

تمہیں کالی گھٹا کا بھی نہیں پہچاننا آیا
نشیمن سے دھواں اٹھتا ہے تم کہتے ہو ساون ہے

آج کے موجودہ حالات میں پوری دنیائے وہابیت و دیوبندیت اسماعیلی تحریک کو اپنے لئے باعث فخر و مباہات سمجھتی ہے اور ان حضرات کو جہاں کہیں بھی اپنی خدمات کے سراہنے کا موقع ملتا ہے وہاں اسماعیلی تحریک پر شعلہ بار تقریریں کر کے اپنے مجاہدین کی صف اول میں شمار کرانے کی کوشش کرتے ہیں اخبار و پریس کا پروپیگنڈہ بھی انہیں حاصل ہے اس لئے گاہے گاہے اخبارات میں بھی ایسے مضامین آتے رہتے ہیں جس سے ان کی کارگزاری کی یاددہانی ہوتی رہے اور اتنے ہی پر بس نہیں جہاں اپنی نام نہاد تحریک پر تقریریں کرتے ہیں وہیں علماء اہل سنت پر یہ بہتان تراشی تھی کہ یہ حلوے مانڈے والی جماعت ہے۔

میری عقل حیران ہے آیا علماء دیوبند کی تحریر و تقریر کا کوئی آئین وضابطہ بھی ہے یا زبان و قلم کو اتنی آزادی ہے کہ جو من میں آئے بلا روک ٹوک اسے کہہ دیا جائے اور جو کچھ زبان پر آئے بے محابا اسے بول دیا جائے۔ میں ان کے متعلق یہ بدگمانی کیوں کر قائم کر سکتا ہوں کہ تاریخ ان کے سامنے نہیں۔ ہے اور یقیناً ہے مگر تاریخ انہیں اپنے دامن میں پناہ نہیں دے رہی ہے۔ ایک مورخ بھی ان کی آزادانہ روش پر خون کے آنسو روتا ہوگا

آ عندلیب مل کے کریں آہ و زاریاں
تو ہائے گل پکار میں چلاؤں ہائے دل

بہر کیف علماء دیوبند مدتوں سے ریت کی دیوار کا محل اٹھار ہے ہیں جس پر نقش و نگار کی گلکاریاں تو نظر و فریب ہو سکتی ہیں مگر وقت کے کسی حادثے کا ایک جھٹکا بھی اپنے کاندھے پر نہ اٹھا سکے گا۔

دانشمندی تو یہ تھی کہ بنیادیں مضبوط ہوتیں خواہ دیواروں پر بیل بوٹے ہوتے یا نہ ہوتے مگر اس جماعت نے اپنی پوری کوشش دھول کی رسی بٹنے اور ریت کی دیوار اٹھانے میں ختم کر دی۔

اب آیئے تاریخ کی روشنی میں اس دعوے کی شہادتیں بھی فراہم کی جائیں مگر تاریخی شہادت سے پہلے یہ سمجھ لینا ضروری ہے کہ حضرات دیوبند کا دعویٰ کیا ہے۔

(۱) علماء دیوبند کا یہ کہنا ہے کہ سید احمد بریلوی اور مولوی اسماعیل دہلوی نے اعلاء کلمۃ اللہ کی خاطر جہاد کیا۔ لیکن تاریخ کو اس سے انکار ہے۔ تاریخ کا کہنا ہے کہ یہ جہاد نہ تھا بلکہ یہ جماعت انگریزوں کے ہاتھ کٹھ پتلی بن کر ناچ رہی تھی۔ وغیرہ وغیرہ

(۲) علماء دیوبند کا یہ کہنا ہے کہ حضرت علامہ فضل حق خیر آبادی انگریزوں کے پٹھو تھے اور اسماعیل دہلوی ایک مجاہد تھے۔ مگر تاریخ کو اس سے بھی انکار ہے۔

(۳) علماء دیوبند کا کہنا یہ ہے کہ مولوی اسماعیل دہلوی نے صرف سکھوں سے جہاد کیا مگر تاریخ کا کہنا ہے کہ ان کی پہلی جنگ افغانستانی مسلمانوں سے ہوئی۔

(۴) علماء دیوبند کا یہ کہنا ہے کہ سید احمد بریلوی اور مولوی اسماعیل دہلوی اس لڑائی میں شہید کر دیئے گئے۔ مگر تاریخ کے قرائن یہ بتاتے ہیں کہ سکھوں کے ہاتھ نہیں بلکہ ان کی بد عقیدگی کی بناء پر افغانی پٹھانوں نے انہیں قتل کر دیا (گویا ایک شاتم رسول کی جو سزا ہونی چاہیے تھی اس کو پٹھانوں نے کیفر کردار تک پہنچادیا)

علماء دیوبند کو اپنے اکابر کی انگریز دوستی سے انکار ہے۔ مگر تاریخ نے ان کی انگریز دوستی پر مہر ثبت کر دی ہے۔

اب ضرورت ہے کہ ہر ایک دعوے کو تاریخ کی کسوٹی پر جانچ پرکھ لیا جائے اور فیصلہ تاریخ کے سپرد کر دیا جائے تاکہ بات ادعائے محض کی منزل پر نہ رہ جائے اس سلسلہ کا پہلا سوال ملاحظہ فرمائیے۔ (تذکرۃ الرشید حصہ دوم ص ۲۷۰)

(۱) "حضرت مولوی رشید احمد گنگوہی" نے اس سلسلہ میں فرمایا کہ حافظ جانی ساکن انبیٹھ نے مجھ سے بیان کیا تھا کہ ہم قافلہ میں ہمراہ تھے بہت سی کرامتیں وقتاً فوقتاً حضرت سید صاحب سے دیکھیں مولوی عبد الحئی صاحب لکھنوی اور مولوی اسماعیل دہلوی اور مولوی محمد حسین صاحب رام پوری بھی ہمراہ تھے اور یہ سب حضرت سید صاحب کے ہمراہ جہاد میں شریک تھے۔ سید صاحب نے پہلا جہاد مسمی یار محمد خان حاکم یاغستان سے کیا تھا۔"

اب میں ناظرین کا انصاف چاہتا ہوں کہ یار محمد خاں یہ کسی مسلمان کا نام نہیں ہے؟ یا کسی سکھ (سردارجی) کا؟ اور ملک یاغستان یہ اسلامی مملکت کا زیر نگیں ملک ہے یا سکھستان کا؟

انگریزوں نے مولوی اسماعیل کو سکھوں سے لڑنے کے لئے بھیجا تھا یا غریب افغانی پٹھانوں سے جنگ و جدال کے لئے' یہ بات واضح ہے کہ مولوی رشید احمد گنگوہی علماء دیوبند کے مسلم رہنما و بزرگ ہیں جن کے مرنے پر مولوی محمود الحسن صاحب صدر مدرس دیوبند نے مرثیہ لکھ کر اپنی عقیدت مندی کا ثبوت دیا ہے جس کا صرف ایک شعر یہاں سن لیجئے ۔

خدا ان کا مربی وہ مربی تھے خلائق کے
میرے مولیٰ میرے ہادی تھے بیشک شیخ ربانی

مولوی رشید احمد صاحب تمام مخلوقات کے مربی تھے۔ علماء دیوبند کے "مولا" "ہادی" اور "شیخ ربانی" ہیں۔ بھلا مربی خلائق کی تحریر سے کس طرح علماء دیوبند کو انکار ہو سکتا ہے۔

غور فرمایئے کہ اسماعیلی جہاد سکھوں کے ساتھ تھا یا حاکم یاغستانی یار محمد خاں کے ساتھ تھا۔ اس پر طرفہ تماشہ یہ کہ مولوی اسماعیل دہلوی انگریزوں کے پٹھو نہ تھے اب اس دعوے کی دوسری شہادت ملاحظہ فرمایئے۔

سیرت سید احمد حصہ اول ص ۱۹۰ مرتبہ مولوی ابوالحسن صاحب ندوی

(۲) "اتنے میں کیا دیکھتے ہیں کہ انگریز گھوڑے پر سوار چند پالکیوں میں کھانا رکھے کشتی کے قریب آیا اور پوچھا کہ پادری صاحب کہاں ہیں؟ حضرت نے کشتی پر سے جواب دیا کہ میں یہاں موجود ہوں۔ انگریز گھوڑے پر سے اترا اور ٹوپی ہاتھ میں لئے کشتی پر پہنچا اور مزاج پرسی کے بعد کہا کہ تین روز سے میں نے اپنے ملازم کو یہاں کھڑا کر دیا تھا کہ آپ کی اطلاع کریں۔ آج انہوں نے اطلاع دی کہ اغلب یہ ہے کہ حضرت قافلہ کے ساتھ تمہارے مکان کے سامنے پہنچیں۔ یہ اطلاع پاکر غروب آفتاب تک میں کھانے کی تیاری میں مشغول رہا۔ سید صاحب نے حکم دیا کہ کھانا اپنے برتنوں میں منتقل کر لیا جائے۔ کھانا لے کر قافلے میں تقسیم کر دیا گیا اور انگریز دو تین گھنٹہ ٹھہر کر چلا گیا۔"

مندرجہ بالا عبارت نے اسماعیلی نام نہاد تحریک جہاد کو اس قدر عریاں و بے نقاب کر دیا کہ اب اس جنگ زرگری کی کوئی بھی کڑی محل خفا میں نہ رہ گئی۔ بار بار اس عبارت کو پڑھئے اور اندازہ کیجئے کہ سید صاحب اور اسماعیل صاحب انگریزوں کے اشارے کیسا دلفریب ڈرامہ کھیل رہے تھے۔

مجاہدین تو لڑنے کے لئے جا رہے تھے مگر انگریز ہر منزل پر کھانا ناشتہ لئے حاضر ہے اور گھنٹہ دو گھنٹہ نہیں مسلسل تین روز تک سید صاحب کی آمد کا انتظار ہوتا رہا۔ ادب و احترام کا یہ عالم کہ انگریز ٹوپی ہاتھ میں لے کر حاضر ہوا۔ (انگریزوں کے یہاں ادب کا یہی طریقہ ہے)

کھانا تھوڑا سا نہیں بلکہ چند پالکیوں میں لے کر حاضر ہوا جو پورے قافلہ پر تقسیم کر دیا گیا سید صاحب انگریز سے اس قدر گھل مل گئے ہیں کہ اب مولانا صاحب نہیں بلکہ پادری صاحب ہو گئے۔

انگریز نے پوچھا کہ پادری صاحب کہاں ہیں؟ تو سید صاحب نے بلا تامل جواب دیا کہ میں یہاں موجود ہوں۔ خیال فرمائیے اس سوال و جواب میں کوئی اجنبیت و بیگانگت نہیں محسوس ہو رہی بلکہ سوال و جواب کسی پرانی رسم و راہ کی روشن دلیل ہیں۔ انگریز کے علم میں یہ بات ہے کہ آج ہمارے زر خرید غلاموں کا قافلہ ادھر سے گزرے گا اور پادری صاحب (سید صاحب) کو یہ معلوم ہے کہ ہمارے ان داتا (انگریز) ہماری خاطر و تواضع کے لئے حاضر باش ہوتے رہیں گے۔

یہ الٹی منطق سمجھ میں نہ آئی کہ جہاد کے لئے تو سید صاحب اور مولوی اسماعیل صاحب جا رہے ہیں مگر راشن کا انتظام انگریز بہادر کے ہاتھ ہے۔ انگریز دس پانچ منٹ نہیں بلکہ مسلسل تین گھنٹے تک امیر کارواں (سید صاحب) کی خدمت میں حاضر رہا۔ بڑا غضب کیا مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے جنہوں نے اس گفتگو کا تذکرہ نہ کیا۔ غالباً یہ بات ان کے بھی علم میں نہ ہو گی کہ انگریز اور پادری صاحب کے درمیان کیا گفتگو رہی۔ شاید یہی وہ مقام ہے جس کے لئے کسی شاعر نے کہا۔

یہ وہ نازک حقیقت ہے جو سمجھائی نہیں جاتی

مگر مولانا ابوالحسن علی ندوی کو اتنی تو صراحت کر دینی تھی کہ انگریز کس قسم کا کھانا لایا

تھا انگریز کے یہاں تو خنزیر اور جھٹکے کا گوشت دونوں ہی درست ہیں۔ نہیں معلوم وہ کیا لایا تھا اور سید صاحب اور ان کے ہمراہی حلال و حرام کی تمیز کئے بغیر صفاچٹ کر گئے۔

اب ناظرین انصاف فرمائیں کہ وہ فضل حق جس نے اسلام و مسلمانوں کی خاطر قید و بند کی مشقتیں جھیلیں گھر سے بے گھر ہوا۔ جزیرہ انڈمان کی زہر آلود فضاؤں میں کرب و اضطراب کی زندگی گزار کر اپنے نام کو زندگی جاوید دے گیا وہ انگریزوں کا پٹھو تھا یا سید صاحب و مولوی اسماعیل صاحب جو انگریزوں کے ہاتھ حلوہ پر اٹھا اڑا رہے تھے۔

خرد کا نام جنوں پڑ گیا جنوں کا خرد
جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

مندرجہ بالا عنوان کی تائید میں اب تیسرا حوالہ ملاحظہ فرمایئے۔

حیات طیبہ ص ۲۹۶ مرتبہ مرزا حیرت دہلوی مطبوعہ فاروقی دہلی

(۳) کلکتہ میں جب مولانا اسماعیل نے جہاد کا وعظ فرمانا شروع کیا ہے اور سکھوں کے مظالم کی کیفیت پیش کی ہے تو ایک شخص نے دریافت کیا آپ انگریزوں پر جہاد کا فتویٰ کیوں نہیں دیتے؟ آپ نے جواب دیا ان پر جہاد کرنا کسی طرح واجب نہیں ایک تو ان کی رعیت ہیں دوسرے ہمارے مذہبی ارکان کے ادا کرنے میں وہ ذرا بھی دست اندازی نہیں کرتے۔ ہمیں ان کی حکومت میں ہر طرح آزادی ہے۔ بلکہ ان پر کوئی حملہ آور ہو تو مسلمانوں پر فرض ہے کہ وہ اس سے لڑیں اور اپنی گورنمنٹ پر آنچ نہ آنے دیں۔"

نوٹ:- حیات طیبہ کے علاوہ یہی واقع تواریخ عجیبہ ص ۷۳ مرتبہ محمد جعفر تھانیسری مطبوعہ فاروقی دہلی میں درج ہے۔

اکابر علماء دیوبند کی انگریز دوستی کے لئے کیا اس سے بھی زیادہ کوئی کھلی ہوئی شہادت ہو سکتی ہے؟ سینکڑوں میل کی مسافت پر سکھوں سے جہاد کرنا تو واجب ہے مگر وہ ظالم انگریز جس نے شاہ ظفر کے لڑکوں کا سر باپ کے ناشتہ میں بھیجا ہو۔ بڑے بڑے علماء پھانسی کے تختے پر لٹکا دیئے گئے ہوں۔ مساجد اور خانقاہوں کی بے حرمتی کی گئی تھی اس سے جہاد واجب نہیں بلکہ ایسے ظالم و سفاک پر اگر کوئی حملہ آور ہو تو مسلمانوں کو اس سے لڑنا فرض ہے تا کہ

انگریز کے دامن پر کوئی آنچ نہ آسکے۔

تالی ایک ہاتھ سے نہیں بجتی دونوں ہاتھ سے بجتی ہے۔ایک طرف سے روپے کی تھیلی ہے اور دوسری طرف سے حلف وفاداری۔

مسلمانوں کا خون پانی کی طرح بہہ جائے تو کوئی غم نہیں مگر انگریز بہادر کے بدن پر سورج کی دھوپ نہ پڑ سکے۔

مجھے دعویٰ نہیں تنہا نباہی دوستی ہم نے
محبت کو سنبھالا ہے کبھی تم نے کبھی ہم نے

اب اس سلسلہ کی چوتھی شہادت ملاحظہ فرمائیے۔

ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں

تواریخ عجیبہ ص ۱۰۲

(۴) "اس سوانح اور مکتوبات منسلکہ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ سید صاحب کا سرکار انگریز سے جہاد کرنے کا ارادہ ہرگز نہ تھا۔ وہ اس آزاد عملداری کو اپنی ہی عملداری سمجھتے تھے اس میں شک نہیں کہ اگر سرکار انگریزی اس وقت سید صاحب کے خلاف ہوتی تو ہندوستان سے سید صاحب کو کچھ مدد نہ پہنچتی مگر سرکار انگریزی اس وقت دل سے چاہتی تھی کہ سکھوں کا زور کم ہو۔"

اور اسی تاریخ عجیبہ ص ۹۱ پر سید احمد صاحب بریلوی کا یہ مقولہ بھی درج ہے۔

"سرکار انگریز پر کس سبب سے جہاد کریں اور خلاف اصول مذہب طرفین کا خون بلا سبب گرادیں۔"

کیا خوب کہی !! انگریز بہادر سے جہاد کرنا تو خلاف اصول مذہب ہے۔ لیکن یار محمد خاں حاکم یاغستان اور افغانی پٹھانوں سے جہاد کرنا عین اسلام ہے۔اس ضمن میں ناظرین نے یہ بات بھی سمجھ لی ہوگی کہ سید احمد صاحب بریلوی انگریز کی آزاد عملداری کو اپنی ہی عملداری سمجھتے تھے۔

سچ ہے ! سمجھنا بھی چاہیے تھا جب کہ ہندی مسلمان انہیں کے ہاتھوں انگریزوں کی بارگاہ میں قربانی کا مینڈھا بن چکا تھا جس کے خون کی کوئی قدر و قیمت نہ تھی انگریز کی چاپلوسی اور

خوشامد میں ہزارہا مسلمانوں کا خون بے دردی سے بہادیا گیا۔ اس سے بھی بڑھ کر وفاداری کا کوئی ثبوت ہو سکتا تھا۔

خیال فرمایئے مولوی اسماعیل صاحب دہلوی اور سید احمد صاحب بریلوی کی اس آزاد عملداری میں فضل حق جیسے بیباک وندر مجاہد کو کیوں کر پناہ مل سکتی تھی۔

اب حیات طیبہ ص ۳۰۲ کی ایک عبارت ملاحظہ فرمایئے۔

(۵) "سید صاحب کے پاس مجاہدین جمع ہونے لگے تو سید صاحب نے مولانا اسماعیل کے مشورے سے شیخ غلام علی رئیس الہ آباد کی معرفت لیفٹیننٹ گورنر ممالک مغربی پاکستان کی خدمت میں اطلاع دی کہ ہم لوگ سکھوں پر جہاد کرنے کی تیاری کرنے کو ہیں سرکار کو تو اس میں کچھ اعتراض نہیں ہے۔ لیفٹیننٹ گورنر صاحب نے صاف لکھ دیا کہ ہماری عملداری میں اور امن میں خلل نہ پڑے تو ہمیں کچھ سروکار نہیں۔"

اس مقام پر یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ اسماعیلی جہاد قرآن و حدیث کی روشنی یا اسلامی تقاضے کی بنیاد پر نہ تھا بلکہ انگریز بہادر کے ایماء و اشارے اور ان کی اجازت پر موقوف تھا۔ گویا ایک مطیع و فرماں بردار اپنے آقا کی بارگاہ میں حاضر ہو کر یوں عرض کر رہا ہے کہ سرکار اگر اجازت مرحمت فرمائیں تو جہاد کرنے کی تیاری کی جائے ورنہ دیکھیے قرآن کو جزدان میں اور احادیث کو الماری میں بند کئے دیتے ہیں اور حضور ہی کی بخشی ہوئی تلوار میان کے اندر کئے لیتے ہیں۔

"کہاں وہ شورئی شوری اور کہاں یہ بے نمکی" میں یہ دریافت کرتا ہوں کہ "عہد نبوت" و "عہد صدیقی" و "عہد فاروقی" میں بھی متعدد جہاد ہوئے۔ آخرش وہ جہاد دنیا کی کس حکومت کے اشارے پر ہوئے تھے اور یہ بات بھی دریافت کرنی ہے کہ مسلمانوں کا جہاد اسلامی تقاضے کی بنیاد پر مبنی ہے یا انگریز بہادر کی اجازت پر؟

روح جہاد سے نابلد و آشنا تو اسے جہاد کہہ سکتا ہے مگر جس کے سامنے ملت اسلامیہ کی درخشاں تاریخ اور اسلاف و اکابر کے زریں کارنامہ حیات ہوں وہ اس تحریک کو اس کے سوا کچھ نہیں کہہ سکتا کہ بعض نام نہاد مولویوں نے زر طلبی و اقتدار پسندی کی خاطر بے گناہ

مسلمانوں کا خون بہا کر دنیا کو آخرت پر ترجیح دی ہے اور اپنے پیٹ پوجا اور دنیاوی وجاہت کے پیش نظر لاکھوں مسلمانوں کو گھر سے بے گھر کیا۔ تاریخ کے مذکورہ بالا حوالہ جات کو دیکھنے کے بعد اسماعیلی تحریک کے بارے میں اس کے سوا اور کیا کہا جائے کہ۔

ہم شیخ کی سنتے تھے مریدوں سے بزرگی
تحریر سے دیکھا تو عمامے کے سوا ہیچ

حیرت ہے علماء دیوبند کی اس دیدہ دلیری پر کہ جنگ زرگری اور تحریک زراندوزی کو جہاد کا نام دے کر اپنے کو مجاہدین میں شمار کراتے ہیں اور آج قوم کے سامنے گلے پھاڑ پھاڑ کر تقریریں کی جاتی ہیں کہ آزادی وطن کے لئے ہم نے بھی پاپڑ بیلے ہیں۔

جی ہاں! یہ آپ کے وہی مجاہدین وطن ہیں جن کا ہر قدم انگریزوں کے اشارے پر اٹھتا تھا اگر انگریز بہادر کی اجازت ہے تب تو جہاد فرض ہے ورنہ قرآن و حدیث سب بالائے طاق! اگر یہ جہاد مظلوم مسلمانوں سے جذبہ ہمدردی اور مساجد و اذان کی حرمت برقرار رکھنے کے لئے تھا تو انگریز کے ہاتھ کٹھ پتلی بننے کی کیا ضرورت تھی بالفرض اگر انگریز اجازت نہ بھی دیتا تو سب سے پہلے ہندی مسلمانوں کی طاقت انگریزوں سے لڑنے کے لئے اکٹھا کی جاتی پہلے راستے کا یہ کانٹا دور کر لیا جاتا تب دوسری جنگ رنجیت سنگھ سے لڑی جاتی۔ جیسا کہ کلکتہ کے مسلمانوں نے مولوی اسماعیل دہلوی سے کہا تھا کہ آپ انگریزوں سے جہاد کا حکم کیوں نہیں دیتے؟

یہ نہ سمجھئے کہ کوئی ہلکا پھلکا سوال ہے بلکہ اس سوال میں ہندی مسلمانوں کا ضمیر بول رہا ہے اور اسی سوال سے ان کے جذبہ حریت اور انگریزوں کے خلاف جذبہ جہاد کا پتہ چلتا ہے۔ گویا ہندوستان کی زمین یہ چاہ رہی تھی کہ ظالم و سفاک انگریزوں کا قلع قمع کر دیا جائے اور ہندی مسلمان دل و جان سے یہ چاہتا تھا کہ یہ سفید چڑے والے جن کا دل توے کی کالکھ سے زیادہ کالا ہے انہیں چن چن کر سات سمندر پار کر دیا جائے اور ان کے منحوس اور ناپاک قدم سے ہندوستان جنت نشان کو پاک و صاف کر کے آبرومندانہ زندگی گزاری جائے جب کہ قوم خود انگریز سے لڑنے کے لئے جذبہ جہاد رکھتی ہو تو ہمنایان وطن کے لئے یہ کس قدر آسان تھا کہ معمولی سی جدوجہد میں انگریزوں کے خلاف کروڑوں مسلمانوں کو ایک جھنڈے

تلے جمع کر لیتے اور ایسی گھمسان کی لڑائی لڑتے کہ انگریزوں کے قدم اکھڑ جاتے انہیں صدیوں کے بعد پھر ایک نیا تجربہ ہو جاتا کہ آج بھی مسلمانوں کی رگوں میں وہی گرم گرم خون اور اس میں روح ایمانی ہے جو کبھی بدر و حنین کی معرکہ آرائیوں میں کام کر چکی ہے۔ سرور کائنات حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جان نثار غلاموں سے تخت و تاج لینا اور ان پر حکمرانی کرنا کچھ آسان نہیں۔ یہ وہی مجاہدین اسلام ہیں جن کی تاریخ کے سرورق پر آج بھی یہ لکھا ہوا ہے کہ ؎

دشت تو دشت ہیں دریا بھی نہ چھوڑے ہم نے
بحر ظلمات میں دوڑا دیئے گھوڑے ہم نے

چاہیے تو یہ تھا کہ سید احمد صاحب بریلوی اور مولوی اسماعیل دہلوی ہندی مسلمانوں کے جذبہ حریت کا پاس و لحاظ کرتے ہوئے اسلامی تقاضے کی بنیاد پر انگریزوں کے خلاف علم بغاوت بلند کرتے جیسا کہ علامہ فضل حق خیر آبادی، مفتی عنایت اللہ صاحب کاکوروی، مفتی صدر الدین دہلوی وغیرہم نے انگریزوں کے خلاف جنگ آزادی کی مردانہ وار جد و جہد کی مگر افسوس صد افسوس کہ سید احمد صاحب بریلوی اور مولوی اسماعیل دہلوی تو انگریزوں کے ہاتھ بک چکے تھے۔ انگریز کے گردش ابرو پر رقص کرنے والے کب میدان جنگ میں ٹک سکتے تھے چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ ہزاروں مسلمانوں کو قربانی کا بکرا بنا کر میدان جنگ میں چھوڑ کر خود سید احمد صاحب بریلوی پہاڑ کی گھاٹیوں میں چھپ گئے جیسا کہ ابھی ابھی اگلے صفحات پر ارواح ثلاثہ کے حوالہ سے اس حقیقت کو بے نقاب کروں گا۔

بر سر تواریخ عجیبہ ص ۸۹ کی ایک اور عبارت ملاحظہ فرمایئے۔

(۲) "سید صاحب جہاد میں معروف تھے اس وقت ایک ہنڈی سات ہزار روپے کی جو بذریعہ ساہو کاران دہلی مرسلہ محمد اسحاق صاحب بنام سید صاحب روانہ ہوئی تھی ملک پنجاب میں وصول نہ ہونے پر اس سات ہزار کی واپسی کا دعویٰ عدالت دیوان میں دائر ہو کر ڈگری ہوا اور پھر بہنگام اپیل عدالت عالیہ دیوان ہائی کوٹ آگرہ میں بھی حکم ڈگری بحکم مدعی بحال رہا۔"

اب تک تو آپ حضرات نے یہی پڑھا کہ انگریز چند پالکیوں میں کھانا لے کر حاضر ہوا

تھا مگر مندرجہ بالا عبارت نے اس حقیقت کو بھی بے نقاب کر دیا کہ زر خرید غلاموں کو تنخواہ بھیجی جاتی تھی اور روپیہ کی عدم وصولیابی پر انگریز بہادر ہی مقدمہ کی پیروی کرتے۔

روپے کی تھیلیوں کے سہارے جو جنگ لڑی گئی اس پر جہاد کا لیبل لگا کر علماء دیوبند مونچھوں پر تاؤ دیتے پھرتے ہیں کہ ہم بھی جنگ آزادی میں حصہ لے چکے ہیں۔

علماء دیوبند آج تک اسی خواب خرگوش میں ہیں کہ ہم اپنے پریس کی طاقت اور اخباری پروپیگنڈے کے بل بوتے تاریخ کی سطروں پر ایسی غلاف ڈال دیں گے جہاں تک کسی کی نظر نہ پہنچ سکے گی۔ کاش وہ اپنی وسعت نظر سے کام لیتے اور سوچتے کہ یہ تاریخ ہے کسی جماعت و جمعیۃ کا دفتر نہیں "تاریخ اپنی گرفت سے کسی کو نہیں چھوڑ سکتی" قصر تاریخ کے صدر گیٹ پر آج بھی جلی حروف سے یہ کندہ ہے کہ

سنبھل کر پاؤں رکھنا میکدے میں شیخ جی صاحب
یہاں پگڑی اچھلتی ہے اسے میخانہ کہتے ہیں

تاریخ ایک تلوار ہے جس کی دھار دوست و دشمن میں امتیاز نہیں کرتی جو بھی تلوار کی دھار پر اپنی گردن رکھے گا اس کا کٹ جانا یقینی ہے۔

حضرات! سید احمد بریلوی اور مولوی اسماعیل دہلوی کی نام نہاد تحریک جہاد کا یہ ایک اجمالی خاکہ ہے جس کی تفصیل کے لئے تو مستقلاً ایک کتاب چاہیے۔ بایں ہمہ مذکورہ بالا حوالہ جات اس یقین دہانی کے لئے کافی ہیں کہ یہ جہاد نہ تھا بلکہ برٹش گورنمنٹ کے قدم جما کر ان کی خوشنودی حاصل کرنی تھی انگریز دوستی کے نام پر یا افغانی پٹھانوں سے جہاد کے اعلان پر مسلم طاقت اکٹھا نہ ہو سکتی۔ اس لئے مسلم جذبات کو سکھوں کے ظلم و ستم کے نام پر مشتعل کیا گیا اور نہ معلوم کتنے غریب مسلمانوں کی گردن انگریز کی سودا بازی میں بیچ کھائے۔

کون بتا سکتا ہے کہ کتنے بچے یتیم ہوئے، کتنی عورتوں کا سہاگ لٹ گیا، کتنی مائیں بن اولاد ہوئیں اور کتنے خانماں برباد ہو گئے آخر ش مسلمانوں کی خانہ بربادی کس کے ہاتھ ہوئی اور بے گناہ مسلمانوں کا قافلہ دن دہاڑے کس طرح لوٹا گیا۔

نہ ادھر ادھر کی تو بات کر یہ بتا کہ قافلہ کیوں لٹا
مجھے رہزنوں سے غرض نہیں تری رہبری کا سوال ہے

افسوس صد افسوس! سر دھننے کا مقام ہے کہ وہ انگریز جس کی اسلام و مسلمان دشمنی آفتاب سے زیادہ روشن ہے اس سے تو اکابر علماء دیوبند نے حلف وفاداری اٹھایا اور ملک یاغستان میں یار محمد خاں سے لڑائی مول لینے کے لئے مسلم فوج اکٹھا کی گئی چنانچہ معتبر واقعہ یہی ہے کہ۔

"سید احمد اور مولوی اسماعیل دہلوی جب مقام پنجتار پہنچے تو وہاں کے رئیس فتح خان نامی نے شروع میں ان لوگوں کی خاطر تواضع کی اور یہ لوگ چند دنوں وہاں رہے لیکن ان دونوں نے وہاں کے لوگوں پر ظلم و ستم شروع کیا۔ ان کو بد عقیدہ بدمذہب ٹھہرلیا۔ بات بڑھ گئی تو ان پٹھانوں نے ان کو وہیں ختم کر دیا۔ یہ لوگ اپنے ظلم و ستم کی وجہ سے پٹھانوں کے ہاتھوں مارے گئے۔"

جو اپنے ظلم و ستم کے باعث صحیح العقیدہ پٹھانوں کے ہاتھوں مارا گیا اور جس کے دامن پر نہ جانے کتنے بے گناہ مسلمانوں کے خون کی چھینٹیں آہ و فغاں کر رہی ہیں۔ اسی ظالم' بد عقیدہ' مذبوح کو آج شہید کا لقب دیا جا رہا ہے اور لاکھوں غریب مسلمانوں کی بیکسی و بربادی کی خونی داستان کو یک لخت دریا برد کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے مگر یہ واضح رہے۔

رنگ جب محشر میں لائے گی تو اڑ جائے گا رنگ
یوں نہ کہیے سرخی خون قتیلاں کچھ نہیں

جس قدر بھی بے گناہ مسلمانوں کا خون انگریز دوستی کے پردے میں بہایا گیا ہے۔ ان سب کا حساب و کتاب اکابر علماء دیوبند کی گردن پر ہے۔ کس قدر شرم و غیرت اور ڈوب مرنے کی جگہ ہے کو مسلمانوں کو میدان کارزار میں اکیلا چھوڑ کر یہ حضرات غائب ہو گئے جس کے حوالہ میں ارواح ثلاثہ ص ۱۴۰ کی عبارت ملاحظہ فرمائیے۔

(۷) "دوسرے شخص نے بیان کیا کہ ہم انہیں دنوں سید صاحب کو ایک پہاڑی میں تلاش کر رہے تھے۔ دفعۃً کچھ فاصلہ پر گزگزاہٹ سنی میں وہاں گیا تو دیکھوں کیا کہ سید صاحب اور ان کے دو ہمراہی بیٹھے ہیں۔ میں نے سلام و مصافحہ کیا اور عرض کیا کہ حضرت کیوں غائب ہو گئے سب لوگ بغیر آپ کے پریشان ہیں' مجبور ہو کر ہم نے فلاں شخص کو خلیفہ بنالیا ہے اور ان سے بیعت کی ہے۔ آپ نے اس پر تحسین کی

اور فرمایا کہ ہم کو غائب رہنے کا حکم ہوا ہے۔ اس لئے ہم نہیں آسکتے۔ اتنا فرما کر قافلہ والوں کی خیر اور حالت پوچھی اور پھر روانہ ہو گئے۔ میں نے بھی ہمراہ ہونے کے لئے عرض کیا تو منع فرمایا اور پھر کوشش کر کے جو میں نے پیچھے چلنا چاہا تو میرے ہاتھ پاؤں وزنی ہو گئے میں تو کھڑا کھڑا رہ گیا۔ حیران اور مایوس تھا کہ یااللہ! کیسے چلوں اور حضرت سید صاحب معہ ہمراہیاں غائب ہو گئے۔

تھک تھک کے ہر مقام پر دو چار رہ گئے
تیرا پتہ نہ پائیں تو ناچار کیا کریں؟

"تیسرے ایک شخص نے بیان کیا کہ سید صاحب کو ڈھونڈتے ڈھونڈتے ہم ایک گاؤں میں ایک جگہ اترے، دریافت کرنے سے معلوم ہوا کہ یہ قبر جو ڈھئی ہوئی تازہ پڑی ہے اس کو سید صاحب ابھی ڈھوا کر گئے ہیں کیونکہ اونچی تھی ادھر ادھر دیکھا تو پتہ نہ لگا۔"

ملت اسلامیہ کی تاریخ کا یہ ایسا دلگداز و عبرت انگیز باب ہے جس کو پڑھ کر مرد مومن کی گردن شرم و غیرت سے جھک جائے گی اور بے پناہ مسلمانوں کی بیچارگی و کس مپرسی پر اس کی آنکھیں آٹھ آٹھ آنسو روئیں گی میری عقل حیران ہے کہ جب یہ تاریخ کسی ہندو، عیسائی، سکھ، پارسی کی نگاہ سے گزرتی ہو گی تو وہ اسلام اور قائدین اسلام کے بارے میں کیا رائے قائم کرتے ہوں گے۔ وہ لوگ تو سید احمد بریلوی اور مولوی اسماعیل دہلوی کی بزدلانہ حرکات اور ان کی مسلم کش پالیسی پر دوسرے قائدین اسلام کو بھی قیاس کرتے ہوں گے اور اسی مکروہ اور گندہ آئینہ میں تمام ہی رہنمایان اسلام کی تصویر دیکھنا چاہتے ہوں گے کاش حضرات دیوبند ان واقعات پر نظر ثانی کرتے اور ٹھنڈے دل سے سوچتے کہ وہ زہر کو تریاق کہہ کر شجر اسلام پر کیسی تیشہ زنی کر رہے ہیں کسی کو مقتدا و پیشوا مان لینے کے یہ معنی نہیں ہیں کہ اس کے جرم و خطا کو بھی ثواب و عبادت کا مرتبہ دیا جائے رات کی تاریکی کو دن کا اجالا اور آگ کے انگارے کو شاداب پھول نہیں کہا جاتا۔ خیال فرمائیے یہ کیسی ناانصافی و بد اخلاقی ہے کہ ہزاروں ناتجربہ کار اور سادہ لوح مسلمانوں کو ایسے میدان میں تلواروں کی جھنکار اور نیزوں کی بارش میں اوسان خطا کر جائیں وہاں ان غریبوں کو اکیلا چھوڑ کر یہ لوگ اپنی جان بچانے کی

خاطر غائب ہو گئے۔ آخرش وغریب مسلمان بے یارو مدد گار کیا کرتے یا تو بن لڑے اپنی جان دیتے یا لڑ کر مر جاتے۔ اب تو انہیں موت کے چنگل میں دے ہی دیا گیا ہے۔ سچ کہا کسی دل جلے شاعر نے۔

دل کے پھپھولے جل گئے سینے کے داغ سے
اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

اس قسم کے مذموم و قبیح الاخلاق حرکات انہیں لوگوں سے سرزد ہو سکتے ہیں جنہیں آخرت کی بازپرس کا خیال جاتا رہا ہو اور اس دنیائے فانی کو عیش دوام کی جگہ سمجھ لی ہو۔ یہ حقیقت آج نہ سہی تو کل میدان حشر میں عریاں و بے نقاب ہو کر رہے گی جب کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ عدالت میں لاکھوں فریادی مسلمانوں کے ہاتھ ایک مجرم کا دامن ہو گا اور سب یک زبان ہو کر اپنے خون کا بدلہ چاہتے ہوں گے۔ گندم نما جو فروش ساہوکارواں کی تجارت و قومی غداری اور اسلام دشمنی کی تصویر آپ نے ملاحظہ فرمالی۔ اب چند سطروں میں تصویر کا دوسرا رخ ملاحظہ فرمائیے جس میں علامہ فضل حق اور ان کے رفقاء کار کے مجاہدانہ کارنامے کی جھلک ہے۔ اس سلسلہ میں دعوت سہ روزہ کا ایک مقالہ ملاحظہ فرمائیے۔

دعوت سہ روزہ دہلی ۲۸ اگست ۵۷ء صفحہ ۲ کالم نمبر ۳ و ۴ و ۵ پھر صفحہ ۵ کالم نمبر ۱ نمبر ۲ زیر عنوان ۱۸۵۷ء میں علماء کا حصہ"

(از شیخ محمد اسماعیل پانی پتی)

"علماء اسلام شروع ہی سے دو گروہوں میں بٹے ہوئے ہیں۔ ان میں ایک گروہ ان علماء کا ہے جو حق و انصاف کی تلقین کو اپنا بنیادی فرض تصور کرتے ہیں اور بنی نوع انسان کی خدمت کو عبادت الٰہی کا جز خیال کرتے ہیں یہی وجہ ہے کہ ہر زمانہ اور ہر عہد میں ان علماء حق نے ظلم و استبداد اور غلامی کے خلاف جہاد کیا اور جابر سے جابر حکمران سے بھی خوف نہ کھایا۔"

انگریزوں کے دور میں بھی ایسے عالموں کی کمی نہ تھی جو نئے حاکموں کو غاصب اور ظالم کہتے تھے اور ان کے خلاف جہاد کرتے تھے اور اپنی جانیں قربان کرتے تھے۔ چنانچہ ۱۸۵۷ء کے ہنگاموں سے بہت مدت پہلے ملک میں علماء اسلام کی رہنمائی میں انگریزوں کی مخالفت شروع ہو چکی تھی۔ علماء حق فوجوں اور چھاؤنیوں میں

شہروں اور قصبوں میں کبھی علانیہ اور کبھی خفیہ طور سے انگریزوں کے خلاف جہاد کی تلقین کرتے تھے جس کسی نے ہنٹر کی کتاب پڑھی ہے اسے علم ہو گا کہ علماء کی یہ تحریک انیسویں صدی کے ابتداء سے بڑے منظم طور سے جاری تھی اور بنگال سے پشاور تک تمام اہم مقامات پر اس تحریک کے مرکز قائم تھے جہاں مجاہدین آزادی کی تعلیم و تربیت ہوتی تھی۔ ۱۸۵۷ء میں جب لاکھوں محبان وطن نے آزادی کا پرچم بلند کیا تو علماء بھی میدان جنگ میں آگئے انہوں نے جگہ جگہ آزادی کے لئے تبلیغ کی اور لوگوں کو اس میں شرکت کرنے کی دعوت دی۔

مولانا پیر علی پٹنہ کے مشاہیر علماء میں سے تھے۔ ان کا کاروبار کتاب فروشی تھا مگر دل میں انگریز سے دشمنی رکھتے تھے۔ ہنگامہ کی خبر نے ان کے دل میں بھی حرکت پیدا کردی۔ کاروبار چھوڑ کر میدان سیاست میں نکل آئے عوام کو ہاتھ میں لے لیا اور مسلمانوں کو جہاد کرنے کے لئے آمادہ کر لیا۔ لوگ جوق در جوق ان کے جھنڈے تلے آجمع ہوئے۔ (تاریخ بغاوت ہند ص ۱۶۷)

دہلی اور میرٹھ کی خبریں جب لکھنو پہنچیں تو وہاں بھی حریت کے شیدائیوں نے آزادی کے لئے جدو جہد شروع کردی مرزا برجیس قدر کی بادشاہت کا اعلان کرانے اور لوگوں کو آزادی وطن کے لئے جہاد میں شامل ہونے کے لئے تبلیغ کرنے والا بھی ایک عالم ہی تھا اور یہ تھا صوفی احمد اللہ شاہ اس کے متعلق سر تھامس اسٹینس نے لکھا ہے کہ صوفی احمد اللہ شاہ عظیم المرتبت بیباک جسارت و عزم محکم کا مالک تھا اور ان تمام میں بہترین سپاہی تھا۔

جنگ آزادی کے دوران میں علماء و فضلاء نے بھی اسی طرح حصہ لیا جس طرح آزادی کے دوسرے متوالوں نے لیا۔ جب دہلی میں جنگ آزادی کا زور تھا اور جنرل بخت خان اس جنگ کا ہیرو تھا تو اس نے سوچا کہ اگر اس وقت علماء سے جہاد کا فتویٰ لے کر اس کی تشہیر کی جائے تو لوگوں میں ایک نیا جوش پیدا ہو سکتا ہے چنانچہ اس نے علماء سے جہاد کا فتویٰ لیا اور اسے دہلی کے گلی کوچوں میں چسپاں کرلیا۔ اس فتوے کا تشہیر پانا تھا کہ لوگوں میں ایک بجلی سی کوند گئی اور وہ پروانوں کی طرح جنگ آزادی

میں کود پڑے۔

مورخ ذکاءاللہ جیسے آدمی نے بھی اعتراف کیا ہے' وہ لکھتے ہیں۔
جب تک دہلی میں بخت خان نہیں آیا' جہاد کے فتوے کا چرچا شہر میں بہت کم تھا' مساجد میں ممبران پر جہاد کا وعظ کمتر ہوتا تھا۔ بخت خاں نے یہ فتویٰ لکھوایا کہ مسلمانوں پر جہاد فرض ہے فتویٰ کا اثر یہ تھا کہ مسلمانوں میں جوش مذہبی زیادہ ہو گیا۔

جب دہلی کے گلی کوچوں میں جنگ آزادی لڑی جا رہی تھی اور بازاروں میں لاشوں کے ڈھیر پڑے تھے اگر اس وقت ایک طرف مخدوم شاہ محمود جیسے عالم اپنے مریدوں سمیت جہاد کے خلاف تھے تو دوسری طرف مولانا فضل حق خیر آبادی' مولانا جعفر تھانیسری' مولانا امام بخش صہبائی' مولوی تبارک علی' مفتی عنایت احمد کاکوروی' مفتی مظہر کریم دریابادی' مولانا احمد اللہ' مولانا یحییٰ علی' مفتی انعام اللہ گوپا' مفتی لطف اللہ علی گڑھی' مولانا فضل رسول بدیوانی' مولانا فضل امام خیر آبادی وغیرہ جیسے سینکڑوں عالم فاضل ایسے تھے جو جنگ آزادی میں برابر کے شریک تھے اور جب مغلیہ خاندان کا آخری چراغ بجھ گیا' تاج و تخت چھن گئے اور وطن کے جاں نثاروں کو چن چن کر گولیوں کا نشانہ بنایا جانے لگا تو اس میں علماء بھی شامل تھے جو اس وقت دوسرے لوگوں کو پیش آئے۔ جن علماء و فضلاء نے فتویٰ جہاد پر دستخط کئے تھے ان کو طرح طرح کی اذیتیں پہنچائی گئیں مولانا فضل حق خیر آبادی رحمتہ اللہ علیہ کو جزیرہ انڈمان بھیجا گیا۔

اب اس کے بعد باغی ہندوستان کی ایک عبارت ملاحظہ کیجئے جس سے آپ کو یہ صحیح اندازہ ہو جائے کہ فتویٰ جہاد میں پیش قدمی کرنے والا کون تھا۔

باغی ہندوستان ص ۱۵۶

"علامہ (فضل حق خیر آبادی) سے جنرل بخت خاں ملنے پہنچے' مشورہ کے بعد علامہ نے آخری تیر ترکش سے نکالا' بعد نماز جمعہ جامع مسجد میں علماء کے سامنے تقریر کی۔ استفتاء پیش کیا۔"

"مفتی صدر الدین خاں آزردہ صدر الصدور دہلی' مولوی عبد القادر' قاضی فیض اللہ دہلوی' مولانا فیض احمد بدیوانی' ڈاکٹر مولوی وزیر خاں اکبر آبادی' سید مبارک شاہ رامپوری نے دستخط کر دیئے اس فتوے کے شائع ہوتے ہی ملک میں عام شورش بڑھ گئی دہلی میں نوے ہزار سپاہ جمع ہو گئی تھی۔"

تاریخ ذکاء اللہ

آزادی وطن کے مجاہد جلیل حضرت علامہ فضل حق خیر آبادی کی انگریز دشمنی کے ساتھ مولوی سید احمد بریلوی کی انگریز دوستی کی ایک شہادت اور ملاحظہ کیجئے اور اندازہ فرمایئے کہ ان دونوں میں کس قدر بعد المشرقین تھا۔

مولوی عبد الحق جو فضلاء دیوبند میں شمار کئے جاتے ہیں وہ اپنی تفسیر حقانی صفحہ ۱۱۲ تفسیر سورۂ بقر میں نیچری کے زیر عنوان لکھتے ہیں۔

"اس کنبے سے ایک شخص سید احمد خاں بہادر بھی پیدا ہوئے۔ یہ شخص ابتداء میں مولوی مخصوص اللہ نبیرہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی خدمت میں آکر کسی قدر صرف ونحو سے آشنا ہوئے۔ اور تعویذ گنڈے بھی سیکھے لیکن جب یہ نسخہ نہ چلا تو گورنمنٹ برٹش کی طرف رجوع کیا اور اپنی لیاقت خداداد سے کوئی اچھا عہدہ بھی پایا پھر تو پکے وہابی تبع مولوی اسماعیل صاحب کے ہو گئے۔

مولوی عبد الحق صاحب فاضل دیوبند کی مذکورہ بالا عبارت نے یہ واضح کر دیا کہ جناب سید صاحب کوئی مولوی یا عالم نہ تھے محض عربی گرامر سے تھوڑا بہت آشنا ہوئے مگر جب گاڑی نہ چل سکی تو تعویذ گنڈے کے پیچھے پڑ گئے اور جب یہ نسخہ بھی کامیاب نہ ہوا تو برٹش گورنمنٹ کے دامن میں پناہ لی۔

اب یہیں پر مولوی اشرف علی صاحب تھانوی کے بھائی مظہر علی کے بارے میں مولوی حسین احمد صاحب کی رائے سن لیجئے کسی سائل نے مولوی حسین احمد ٹانڈوی سے چند سوالات کئے تھے جس میں ایک سوال یہ بھی تھا کہ یہ بات سننے میں آئی ہے کہ آپ اور مولوی محمود الحسن صاحب کی گرفتاری میں مولوی اشرف علی تھانوی کا ہاتھ ہے۔ کیا یہ صحیح ہے؟ مولوی حسین احمد ٹانڈوی کا حسب ذیل جواب ملاحظہ فرمایئے۔

مکتوبات شیخ جلد دوم صفحہ ۲۹۷ تا ۲۹۹

"مولانا مرحوم تھانوی کے بھائی محکمہ سی آئی ڈی میں بڑے عہدیدار اخیر تک رہے ان کا نام مظہر علی ہے۔ انہوں نے جو کچھ کیا ہو مستعبد نہیں۔"

مولانا اشرف علی تھانوی کو گورنمنٹ چھ سو روپیہ ماہوار دیتی تھی مولانا تھانوی کے بھائی مظہر علی سی آئی ڈی کے بڑے عہدے پر فائز رہے۔

مولوی الیاس بانی تبلیغی جماعت کو گورنمنٹ روپیہ دیتی تھی۔ جناب سید احمد صاحب کو برٹش گورنمنٹ نے بڑا عہدہ دیا۔ مولوی رشید احمد گنگوہی نے برٹش کو اپنا مالک و مختار کہا۔ مولوی اسماعیل دہلوی نے کہا برٹش گورنمنٹ پر جہاد واجب نہیں بلکہ اگر انگریزوں پر کوئی حملہ آور ہو تو اس سے مسلمانوں کو جنگ کرنا فرض ہے تاکہ ہماری گورنمنٹ پر آنچ نہ آسکے۔

یہ واقعات کی بکھری ہوئی کڑیاں ہیں ناظرین سے میری منصفانہ گزارش ہے کہ وہ واقعات کی ایک ایک کڑی کو ترتیب دے کر اکابر علماء دیوبند کی انگریز دوستی کا جائزہ لیتے جائیں اور یہ فیصلہ فرمائیں کہ علماء دیوبند نے کس حد تک علامہ فضل حق کے ساتھ زیادتی برتی ہے اور اپنے مولویوں کی تعریف و منقبت میں کہاں تک غلط بیانی اور دروغ گوئی سے کام لیا ہے جس کی شہادت میں باغی ہندوستان کا ایک اور بھی حوالہ ملاحظہ فرمائیے۔

باغی ہندوستان ص ۱۴۰

"مرزا حیرت دہلوی صاحب حیوۃ طیبہ نے تو محو حیرت ہی بنا دیا نہ صرف علامہ بلکہ علامہ کے والد ماجد مولانا فضل امام کو بھی پڑھا لکھا ماننے میں تامل کیا ہے جن کے تلامذہ میں علاوہ علامہ کے مفتی صدر الدین خاں آزردہ صدر الصدور وغیرہ جیسے گرامی قدر فضلاء عہد بھی موجود ہوں جن کے ادنیٰ حلقہ بگوش و شاگرد نواب صدیق حسن خاں قنوجی بھوپالی اور سر سید احمد خاں بانی مسلم یونیورسٹی علی گڑھ جیسے اکابر و مشاہیر نظر آتے ہوں۔ حیرت ہوتی ہے کہ انسان معاندانہ روش اختیار کرتے وقت نابینا کیوں ہو جاتا ہے۔"

اس مقام پر پہنچ کر اب مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علامہ فضل حق خیر آبادی کی جلالت علم اور ان کی پختگی کردار پر ایک اجمالی گفتگو کر لی جائے تاکہ تصویر کے دونوں رخ

دوش بدوش سامنے آجائیں اور ناظرین کو یہ فیصلہ کرنے میں آسانی ہو کہ حضرت علامہ علم و فضل کے کس مقام پر فائز تھے اور آزادی ہند کے لئے اس مرد مجاہد نے کیا پارٹ ادا کیا ہے۔

حضرت علامہ فضل حق خیرآبادی رحمتہ اللہ علیہ

چمن میں پھول کا کھلنا تو کوئی بات نہیں
زہے وہ پھول جو گلشن بنائے صحرا کو

منطق و فلسفہ کے امام مجاہد جلیل حضرت علامہ فضل حق خیر آبادی کی شہرت و ناموری کے جہاں اور علل و اسباب ہیں ان میں سب سے زیادہ اہمیت فلسفہ کے امام ہونے کی حیثیت سے ہے۔ اس لئے علامہ کے حالات زندگی پر قلم اٹھانے سے پہلے مناسب ہے کہ فن منطق و فلسفہ پر تھوڑی سی گفتگو کر لی جائے۔

علم منطق کا باضبطہ اظہار سب سے پہلے حضرت ادریس علیہ السلام سے ہوا۔ مخالفین توحید و رسالت کو عاجز و ساکت کرنے کے لئے انہوں نے بطور معجزہ استعمال کیا۔ پھر ان علوم کو یونانیوں نے اپنایا۔ چنانچہ یونان میں بڑے رتبے کے درج ذیل یہ پانچ فلسفی گزرے ہیں۔

(۱) بند قیس ۵۰۰ قبل مسیح زمانہ داؤد علیہ السلام میں گزرا حضرت لقمان سے علم و حکمت حاصل کرنے کے بعد یونان واپس آگیا۔

(۲) فیثا غورس یہ اصحاب سلیمان علیہ السلام کا شاگرد تھا۔

(۳) سقراط یہ فیثا غورس کا شاگرد تھا بتوں کی پرستش سے مخلوق کو روکتے اور دلائل کے ساتھ خالق باری کی طرف توجہ دلانے پر بادشاہ وقت نے قید کرا کے زہر دلایا۔

(۴) افلاطون یہ بھی فیثا غورس کا شاگرد تھا اور خاندان اہل علم سے تھا۔ سقراط کی موجودگی میں قریب قریب گمنام سا رہا اور اس کے بعد اس نے اپنا نام پیدا کیا۔

(۵) ارسطاطالیس نیقوماخوش کا بیٹا تھا اور صاحب المنطق کے لقب سے مشہور ہوا۔

بعد کے سارے فلاسفہ ارسطاطالیس ہی کے رہین منت اور خوشہ چیں ہیں۔ ان پانچ کے بعد دوسرے درجے پر "تاليس الملطی" صاحب فیثاغورس "ذی مقراطیس" اور "انکساغورس" ہیں اور ارسطو کی کتابوں کے شارح ہونے کی حیثیت سے حسب ذیل تو فلسفی

مشہور ہیں۔

(۱) تاؤ فرسطس (۲) اصطفن (۳) لیس یحیٰی بطریق اسکندریہ (۴) امونیوس (۵) سلیقوس (۶) شباؤن (۷) فرفوریوس (۸) ثامطیوس (۹) افرودیسی۔

یونان میں بعض دوسرے فنون کے بھی بڑے بڑے کاملین گزرے ہیں مثلاً بقراط و جالینوس علم طبیعات و طب میں "اقلیدس" علم ہندسہ میں "ارشمیدس" علم الاذائر میں "بطلیموس" اور "دیو جانس کلبی" "علم المناظر و النجوم میں آپ اپنی نظیر تھے۔

مسلمان بادشاہوں میں سب سے پہلے عباسیہ خاندان کے خلیفہ ثانی ابو جعفر منصور نے علم فقہ کے ساتھ "فلسفہ" "منطق" اور "ہیئت" کو بھی حاصل کیا۔

اس کے کاتب عبداللہ ابن المقفع الخطیب الفارسی مترجم "کلیلہ دمنہ" نے ارسطو کی حسب ذیل تین کتابیں عربی میں ترجمہ کر کے منطقی کے لقب سے شہرت حاصل کی۔

(۱) قاطیغوریاس '(۲) ارمیاس اور (۳) انولوطیقا۔

خاندان عباسی کا ساتواں نامور خلیفہ مامون الرشید ۱۹۸ھ میں جب تخت خلافت پر بیٹھا تو اپنے ذوق کی بنا پر ان فنون کی طرف متوجہ ہوا۔ چنانچہ مامون کے لکھنے پر قیصر روم نے ارسطو کی کتابوں کا ذخیرہ بھیج دیا (وزیر جمال الدین قفطی نے اخبار الحکماء میں اس کی تفصیل درج کی ہے)

پھر چوتھی صدی ہجری میں شاہ منصور ابن نوح سامانی کی درخواست پر حکیم ابو نصر فارابی نے ان کو مرصع و مہذب کر کے معلم ثانی کا لقب حاصل کیا۔

سلطان مسعود نے شیخ الرئیس ابو علی ابن سینا المتوفی ۴۲۷ھ/۱۰۳۷ء کو اپنا وزیر بنا کر تصانیف فارابی سے اقتباس کرا کے کتابیں لکھوائیں۔ سوء اتفاق کہ اس جان کاہی و سر مغزی کے بعد کتب خانہ نذر آتش ہو گیا تو ابن سینا محافظ علوم بن گئے چنانچہ اب جو کچھ ہے اسی کی محنت کا ثمرہ ہے۔

اس کے بعد ابو محمد ابن احمد اندلسی و محمد زکریا بازاری صاحب تصانیف کثیرہ المتوفی ۳۲۰ھ/۹۳۲ء نے بھی چوتھی صدی ہجری میں اس پودے کو پروان چڑھانے میں کسر اٹھانہ رکھی۔

پانچویں صدی ہجری اور اس کے بعد امام ابو حامد محمد ابن غزالی المتوفی ۵۰۵ھ علامہ ابن ارشد المتوفی ۱۱۹۸ء امام فخر الدین ' ابن تیمیہ الحرانی ۶۸ھ/۷ ۱۳۳ء نجم الدین تجوانی ابن سہلان اور افضل الدین خونجی وغیرہم نے ان فنون میں نئی نئی باریکیاں پیدا کیں۔ ابن خلدون نے ان تمام حضرات کا تذکرہ بڑے عمدہ پیرایہ میں کیا ہے۔

اس کے بعد نصیر الدین محقق طوسی قطب الدین رازی صدر الدین شیرازی ملا جلال محقق دوانی ملا محمود جون پوری صاحب شمس بازغہ و فرائد وغیرہم نے اس فن کو چار چاند لگائے۔ یہاں تک کہ سلاطین مغلیہ کے عہد میں عرب و عجم کے اہل فضل و کمال کا ایک جم غفیر تھا۔ حضرت امیر خسرو نے یکے بعد دیگرے سات بادشاہوں سے اعزاز حاصل کیا مختلف انقلابات دیکھے مگر ہندوستان سے منہ نہ موڑا۔

شعراء میں نظیری نیشاپوری ملک قمی عرفی شیرازی ظہوری غزالی مشہدی عالی شیرازی کلیم ہمدانی غنی کشمیری

کتاب میں "شیریں قلم" "زریں قلم" "ہفت قلم"

علماء میں شیخ حسین وصی مولانا فتح اللہ شیرازی المتوفی ۹۹۷ھ مولانا مرزا سمرقندی میر اسلم ہروی المتوفی ۱۰۶۱ھ میر زاہد ہروی المتوفی ۱۱۱۱ھ مولانا میر کلاں معلم جہانگیر المتوفی ۹۸۳ھ مولانا صدر جہاں مولانا غازی خاں بدخشی وغیرہم جیسی علمی شخصیتوں سے ہندوستان جنت نشان بن گیا تھا۔ غرضیکہ ہر چہار طرف علوم ظاہری اور باطنی کے چشمے ابل رہے تھے۔

مسلمان بادشاہوں کی قدردانی و علم دوستی کے صرف دو واقعے بطور شہادت پیش کئے جاتے ہیں جس سے اندازہ ہوگا کہ وہ علم و فنون جو آج صرف المارى کی زینت ہیں یا جن کی درس و تدریس کا سلسلہ مسجد یا خانقاہ کی بوسیدہ چٹائیوں میں پر جاری ہے کسی وقت سلاطین کے دربار میں ان کی کیا قدر و قیمت تھی۔

سلطان محمد ابن تغلق شاہ نے مولانا معین الدین عمرانی دہلوی کو قاضی عضد الدین صاحب مواقف کی خدمت میں شیراز بھیج کر درخواست کی کہ ہر قیمت پر ہندوستان تشریف لا کر متن مواقف کو میرے نام معنون کو دیجئے۔

سلطان ابواسحاق والی شیراز کو پتہ چلا تو دوڑا ہوا علامہ قاضی عضد الدین کی خدمت میں پہنچ کر عرض پرداز ہوا کہ ہر خدمت کے لئے حاضر ہوں۔ تخت سلطنت کی خواہش ہو تو دست بردار ہونے کو تیار ہوں مگر خدا کے لئے شیراز کو یتیم نہ بنائیے۔ قاضی صاحب نے سلطان کی قدر دانی سے متاثر ہو کر ارادہ بدل دیا اور سلطان ہی کے نام پر کتاب معنون کر کے ہمیشہ کے لئے زندہ جاوید بنا دیا۔

دوسرا واقعہ علامہ امیر فتح اللہ شیرازی سے متعلق ہے۔ عادل شاہ بیجاپوری نے ہزاروں خواہشوں کے ساتھ دکن بلا کر اپنا وکیل مطلق بنا دیا اور ۹۸۱ھ میں اکبر بادشاہ نے صدر کل بنا کر ۹۹۳ھ میں امیر الملک اور عضد الدولہ کے خطاب سے نوازا۔

ہندوستان کے مشاہیر علماء ان کے حلقہ درس میں شریک رہے اور انہیں کے زمانے سے علوم عقلیہ کو شاندار فروغ حاصل ہوا۔ ۹۹۷ھ میں ان کے انتقال پر اکبر بادشاہ نے بڑا غم کیا (جس کی تفصیل مآثر الکرام میں موجود ہے) البتہ فیضی کا ایک شعر سن لیجئے۔

شہنشاہ جہاں را در وفاتش سینہ پر نم شد
سکندر اشک حسرت ریخت کافلاطوں ز عالم شد

یہی وہ قدر دانی و عزت افزائی تھی جس کے باعث حضرت علامہ فضل حق کے مورثان اعلیٰ شمس الدین اور بہاء الدین دونوں بھائیوں نے بھی ہندوستان کو رونق بخشی۔

ولادت اور نسب:- علامہ فضل حق خیر آبادی ۱۲۱۲ھ مطابق ۱۷۹۷ء میں اپنے آبائی وطن خیر البلاد خیر آباد میں پیدا ہوئے آپ کے والد ماجد مولانا فضل امام خیر آبادی علماء عصر میں ممتاز اور علوم عقلیہ کے اعلیٰ درجہ پر سرفراز تھے۔ حضرت علامہ کے دادا حضرت مولانا ارشاد ہرگام پور سے خیر آباد تشریف لا کر سکونت پذیر ہوئے تھے۔

شجرۂ نسب:- (۱) مولانا فضل حق (۲) ابن مولانا فضل امام (۳) ابن مولانا شیخ محمد ارشد (۴) ابن حافظ محمد صالح (۵) ابن ملا عبد الواجد (۶) ابن عبد الماجد (۷) ابن قاضی صدر الدین (۸) ابن قاضی اسماعیل ہرگانوی (۹) ابن قاضی بدیوانی (۱۰) ابن شیخ ارزانی (۱۱) ابن شیخ منور (۱۲) ابن شیخ نظیر الملک (۱۳) ابن شیخ سالار شام (۱۴) ابن شیخ وجیہ الملک (۱۵) ابن شیخ بہاء الدین (۱۶) ابن شیر الملک شاہ ایرانی (۱۷) ابن شاہ عطاء الملک (۱۸) ابن ملک

بادشاہ (۱۹) ابن حاکم (۲۰) ابن عادل (۲۱) ابن تاثرون (۲۲) ابن جرجیس (۲۳) ابن احمد نامدار (۲۴) ابن محمد شہریار (۲۵) ابن محمد عثمان (۲۶) ابن دان (۲۷) ابن ہمایوں (۲۸) ابن قریش (۲۹) ابن سلیمان (۳۰) ابن عفان (۳۱) ابن عبداللہ (۳۲) ابن محمد (۳۳) ابن عبداللہ ابن امیر المومنین خلیفۃ المسلمین حضرت عمر فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس طرح ۳۳ واسطوں سے خلیفہ ثانی تک نسب گرامی پہنچتا ہے۔

علامہ کے مورث اعلیٰ شیر الملک ابن شاہ عطاء الملک ایرانی کے مورثان ایک قطعہ ملک ایران پر قابض و حکمران تھے۔ زوال ریاست پر دولت علم کمائی شیر الملک کے دو صاحبزادے بہاء الدین اور شمس الدین ذی علم بزرگ تھے۔ یہ دونوں بھائی ایران ہندوستان وارد ہوئے۔

مولانا شمس الدین نے مسند افتاء رہتک سنبھالی۔ حضرت شاہ ولی اللہ ابن شاہ عبدالرحیم محدث دہلوی انہیں کی اولاد سے تھے اور مولانا بہاء الدین قبۃ الاسلام بدایوں کے مفتی ہوئے ان کی اولاد میں شیخ ارزانی بدایونی نامور بزرگ اور اعلیٰ درجہ کے مفتی ہوئے۔

شیخ عماد الدین ابن شیخ ارزانی تحصیل علم کی خاطر قاضی ہرگام (ضلع سیتاپور اودھ) کی خدمت بابرکت میں پہنچے قاضی صاحب نے تحقیق و شرافت و نجابت کے بعد اپنا داماد بنالیا اور ان سے شیخ اسماعیل پیدا ہوئے جن کی شادی سعدی کاکوروی کی دختر سے ہوئی ان سے قاضی صدر الدین پیدا ہوئے، قاضی صاحب کے دو صاحبزادے ہوئے ایک صاحبزادے ملا عبدالواعظ جو اورنگ زیب عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ کے اتالیق رہے اور فتاویٰ عالمگیر کے مولفین سے ہیں۔

اس کے علاوہ "ہدایہ" "مطول" اور "ملا جلال" پر حاشیے لکھے۔ ان کی شخصیت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ ملا قطب الدین شہید سہالوی (والد استاد الکل ملا نظام الدین سہالوی فرنگی محل ان سے ملاقات کے لئے ہرگام پہنچے تھے "ملا محب اللہ بہاری صاحب سلم" آپ کے درس میں شریک ہونا چاہتے تھے۔ آپ کے پاس وقت نہ تھا اس لئے سہالی جاکر ملا قطب الدین شہید کے شاگرد ہوئے۔

دوسرے صاحبزادے "ملا عبدالماجد ابن ملا عبدالواحد" فاضل جلیل تھے "کافیہ کی

مبسوط شرح" اور "حاشیہ اقلیدس" لکھا اور "تعلیقات متفرقہ ہدایہ" پر لکھی۔ بہادر شاہ اول کے زمانے میں آشفتگی کی وجہ سے تمام کتب خانہ جل گیا۔ ہرگام میں وفات پائی اور وہیں مدفون ہوئے۔

علامہ فضل حق کے دادا شیخ محمد ارشد نے ہرگام کو خیر باد کہہ کر خیر آباد کو آباد کیا۔ موصوف کی دوسری بیوی سے علامہ کے والد ماجد مولانا فضل امام خیر آباد تھے۔

مختصر حالات مولانا فضل امام خیر آبادی

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

علامہ فضل حق کی تاریخ تشنہ تکمیل رہ جائے گی اگر علامہ کے والد محترم مولانا فضل امام خیر آبادی کے حالات زندگی نہ پیش کئے گئے اس لئے ضمناً مولانا کے مختصر حالات درج کئے جاتے ہیں۔

مولانا فضل امام بڑے طباع اور ذہین تھے۔ مولانا سید عبدالماجد کرمانی خیر آبادی کے ارشد تلامذہ سے تھے۔ علوم عقلیہ و نقلیہ انہیں سے حاصل کیا۔ "میر زاہد رسالہ" اور "میر زاہد" ملا جلال پر حواشی لکھے۔ اس کے علاوہ اور بھی بیسیوں مفید اور معرکتہ الآرا کتابیں لکھی ہیں جن کا نام معلوم ہو سکا وہ درج کی جاتی ہیں۔

منطق میں مشہور تصنیف "مرقات" ہے جو تمام مدارس عربیہ میں داخل نصاب ہے حاشیہ افق المبین، تلخیص الشفاء، تنبیہ السر اور آمد نامہ تصنیف کیا۔ ان میں سے بعض کتابیں غیر مطبوعہ ہیں جن میں سے بعض مسلم یونیورسٹی علی گڑھ اور لاہرپور اور بعض عبید اللہ خاں رئیس ٹونک کے کتب خانہ میں موجود ہیں علمی قابلیت کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ ایک جانب شاہ عبدالعزیز صاحب اور شاہ عبدالقادر صاحب کا ڈنکا منقولات میں بج رہا تھا۔ اور دوسری طرف اسی دہلی میں مولانا فضل امام کے معقولات کا سکہ چل رہا تھا ہند و بیرون ہند کے طلباء دونوں دریاؤں سے سیراب ہو رہے تھے۔ سر سید احمد خاں بانی مسلم یونیورسٹی علی گڑھ نے آثار الصنادید میں مولانا فضل امام کا تذکرہ جس عقیدت مندی سے کیا ہے وہ دیکھئے

سے تعلق رکھتا ہے۔ ابتداء ان صفات والقاب سے کی ہے۔

""اکمل افراد نوع السنی مہبط انوار فیوض قدسی سراب سرچشمہ عین الیقین موسس اساس ملت و دین ماحی آثار جہل بادم بنائے اعتساف محی مراسم علم بانی مبانی انصاف قدوہ علماء فحول حاوی معقول و منقول سند اکابر روزگار مرجع اعالی و دانی ہر دیار مزاجدان شخص کمال جامع صفات جلال و جمال مورد فیض ازل و ابد مطرح انظار سعادت سرمد مصداق مفہوم تمام اجزا واسطۃ العقد سلسلہ حکمت اشراقی و مشائی زبدۃ کرام اسوۂ عظام مقتدا رانام مولانا مخدومنا مولوی فضل امام اوعلہ اللہ المقام فی جنۃ النعیم بلطفہ العمیم۔""

مجھے حیرت ہے علماء دیوبند پر جو ""شاہ ولی اللہ صاحب"" کے حالات زندگی پر قلم اٹھاتے ہیں لیکن اپنے ان محسنین کو نہ صرف نظر انداز ہی کر دیتے ہیں بلکہ بعض اوقات انہیں مطعون و متہم بھی قرار دیتے ہیں کاش علماء دیوبند حقیقت پسندی سے کام لیتے اور ٹھنڈے دل سے سوچتے کہ ان کے وہ محسنین جن کی کتابیں آج بھی دارالعلوم دیوبند میں داخل نصاب ہیں ان کے ساتھ ان کا کیا برتاؤ ہے۔ کیا مولانا فضل امام و علامہ فضل حق اسی سب و شتم کے مستحق ہیں جس گھناؤنے انداز میں علماء دیوبند انہیں یاد کرتے ہیں۔

برا ہو اس عصبیت و تنگ نظری کا جس نے اپنے و بیگانے کی بھی تمیز باقی نہ رکھی۔ سچ تو یہ ہے کہ علماء دیوبند گالی دینے میں اپنی فطرت و عادت سے مجبور ہیں جب کہ علماء دیوبند رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دینے میں نہیں چوکتے تو مولانا فضل امام و علامہ فضل حق کس شمار و قطار میں ہیں۔

یہی ہیں وہ علماء دیوبند جنہوں نے اپنی کتابوں میں محبوب کردگار رسول کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو چمار سے زیادہ ذلیل اور ذرہ ناچیز سے کمتر لکھا ہے العیاذ باللہ من ذالک۔

چنانچہ مولوی محمد میاں دیوبندی مراد آبادی مولف علماء ہند کا شاندار ماضی نے مولوی اسماعیل دہلوی کا تذکرہ کرتے ہوئے علامہ فضل حق خیر آبادی کے دامن علم و ادب پر کیچڑ اچھالنے کی سعی ناکام کی ہے۔

ہاں اگر ""علماء ہند کا شاندار ماضی"" کے بجائے ""اکابر جمعیۃ العلماء ہند کی شاندار

ماضی" اس کتاب کا نام ہوتا تو اس نام کے پردے میں مولف کو بہت کچھ کہنے کا اختیار تھا لیکن جب کہ کتاب کا سرورق علماء ہند کے جلی قلم سے آراستہ ہو تو مولف کا کس قدر بخل ہے کہ دوسرے علماء ہند کو نہ صرف ناقابل اعتناہی تصور کیا بلکہ شہرہ آفاق و نامور علماء اہل سنت کو مطعون و متہم قرار دیا بات اپنے موضوع سے دور ہو گئی۔ مجھے ذیلی طور پر مولانا فضل امام رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں ایک اجمالی نقشہ پیش کرنا ہے۔

حضرت مولانا فضل امام علوم ظاہری کے ساتھ روحانیت میں بلند مرتبہ رکھتے تھے۔ آپ کے والد شیخ محمد ارشد مولانا احمد ابن حاجی صفت اللہ محدث خیر آبادی سے بیعت تھے آپ کے ایک صاحبزادے عالم جوانی میں قضا کر گئے باقی باقتضائے نوعمری احکام شرعیہ کے پابند نہ تھے اس لئے مولانا ارشاد صاحب کو تشویش رہتی تھی اور ایک بار عالم اضطراب و بے چینی میں پیر و مرشد کی خدمت میں حاضر ہوئے اور شیخ طریقت سے دعا کی درخواست کی اور مرشد کامل نے دعا فرمائی۔ چنانچہ شب میں سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہوئی کہ سرکار کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کچے باغ میں تشریف لائے اور بیل کے درخت کے نیچے وضو فرمایا اور بعد نماز فرض پیر و مرید دونوں ایک دوسرے کو مبارک باد دینے روانہ ہوئے۔ راستے میں دونوں کی ملاقات ہوئی تو ایک دوسرے کو بشارت کا حال بتایا اور وہیں سے دونوں کچے باغ میں پہنچے تو دیکھا کہ مقام معہود پر وضو کا اثر یعنی پانی کی تری موجود تھی ایک عرصے تک لوگ اس جگہ کی زیارت کرتے رہے۔

چنانچہ شیخ الاسلام حضرت مولانا نقی علی خاں صاحب بریلوی رحمۃ اللہ علیہ مقتداء ملت تاجدار اہل سنت سیدی امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ۱۳۰۹ھ میں ساتھ لے کر بریلی شریف سے خیر آباد اس مقام کی زیارت کے لئے حاضر ہوئے اور مولانا حسن بخش کے یہاں مہمان ہوئے تھے۔ افسوس نہ اب وہ مکان باقی رہا اور نہ ہی اس جگہ کا پتہ چل سکتا ہے۔

مولانا فضل امام کے ہزاروں تلامذہ میں مفتی صدر الدین اور علامہ فضل حق شہرۂ آفاق ہیں مفتی صدر الدین صاحب دہلی میں ۱۲۰۴ھ مطابق ۱۷۹۹ء میں پیدا ہوئے تاریخ ولادت "چراغ" ہے باپ دادا کشمیری تھے۔ شاہ عبد العزیز صاحب شاہ عبد القادر صاحب اور

فضل امام کے شاگرد رشید اور علامہ فضل حق کے ہم سبق تھے۔ ۱۸۵۷ء کے ہنگامے میں بغاوت کے الزام میں قید کر لئے گئے جائیداد ضبط کر لی گئی۔ ۲۴ ربیع الاول شریف ۱۲۵۸ھ مطابق ۱۸۶۸ء میں وفات پائی۔

"چراغ دو جہاں بود" مادۂ تاریخ ہے۔ مرزا غالب بھی جو مفتی صدر الدین صاحب اور علامہ فضل حق کے جلیس و ہم نشین تھے۔ اسی سال راہی ملک عدم ہوئے۔ حضرت فضل امام خیر آبادی نے ۵ ذیقعدہ ۱۲۴۰ھ مطابق ۱۸۲۴ء کو داعی اجل کو لبیک کہا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

مرزا غالب نے حسب ذیل تاریخ وفات لکھی۔

اے دریغا قدوۂ ارباب فضل — کرد سوئے جنت الماویٰ خرام
چوں ارادت از پے کسب شرف — جست سال فوت آں عالی مقام
چہرۂ ہستی خراشیدم نخست — تابنائے تخرجہ گروہ تمام
گفتم اندر سایہ لطف نبی
باد آرامش گہہ فضل امام

۱۲۴۰ھ

حضرت علامہ فضل حق

آ چشم آرزو کی گہرباریاں تو دیکھ
لٹتے ہیں صبح و شام خزانے نئے نئے

علامہ کی تعلیم و تربیت:- مولانا فضل حق نے آنکھ کھولی تو گرد و پیش علم و فضل عمارت و ریاست کو جلوہ گر دیکھا۔ یہی وجہ تھی کہ علامہ صاحبزادے ۱۸۵۷ء کے ہنگامے کے بعد مادی ریاست سے محروم ہو کر بھی مستغنی اور کو وقار رہے ہندوستان کے مشہور مردم خیز قصبات میں خیر آباد کا نام بھی صدیوں سے رہا ہے۔ شاہی زمانہ کا کشنری کا پایہ تخت بھی رہ چکا ہے بڑے بڑے علماء و مشائخ کے مزارات آج بھی زیارت گاہ خلائق ہیں۔ جس وقت علامہ فضل حق خیر آباد سے دہلی پہنچے تو ایک سے ایک بڑھ کر با کمال نظر آئے

مفسرین، محدثین، فقہاء، فلاسفہ، اولیاء، شعراء۔ جس طبقے پر نظر ڈالئے تو سب ہی موجود تھے آپ کے والد ماجد مولانا فضل امام مکان کے علاوہ ہاتھی اور پالکی پر بھی دربار آتے جاتے ساتھ بٹھا کر درس دیتے تھے اور صغر سنی ہی میں معقولات میں اپنا جیسا یگانہ روزگار بنالیا تھا اور منقولات کی تحصیل کے لئے شاہ عبدالقادر محدث رحمۃ اللہ علیہ اور شاہ عبدالعزیز محدث رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی درس گاہ میں پہنچادیا۔

ذکاوت و ذہانت:- چنانچہ حضرت علامہ نے ۱۲۲۵ھ/مطابق ۱۸۰۹ء تیرہ سال کی عمر میں تمام مروجہ علوم و عقلیہ و نقلیہ کی تکمیل کی اور چار ماہ کچھ روزہ میں قرآن شریف حفظ کیا۔

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے جب رد شیعہ میں تحفہ اثنا عشری تحریر فرمائی تو شیعان ہند کی طرح ایران میں بھی ہیجان پیدا ہوا۔ ایران سے میر باقر داماد صاحب افق المبین کے خاندان کا مجتہد فریقین کی کتابیں لے کر شاہ صاحب سے مناظرہ کے لئے دہلی پہنچا۔ خانقاہ میں داخل ہونے پر شاہ صاحب نے فرائض میزبانی ادا فرماتے ہوئے قیام کے لئے مناسب جگہ تجویز فرمادی۔ شام کو مولانا فضل حق حاضر ہوئے تو شاہ صاحب کو مصروف مہمان نوازی دیکھ کر کیفیت معلوم کی اور بعد مغرب مجتہد صاحب کی خدمت میں پہنچے۔ مجتہد صاحب نے پوچھا میاں صاحبزادے کیا پڑھتے ہو؟ عرض کیا "اشارات" "شفاء" اور "افق المبین" وغیرہ دیکھتا ہوں۔ مجتہد صاحب کو بڑی حیرت ہوئی اور "افق المبین" کی کسی عبارت کا مطلب پوچھ لیا علامہ فضل حق نے ایسی مدلل تقریر کی کہ متعدد اعتراضات صاحب افق المبین پر کر گئے۔ معزز مہمان نے اعتراضات کے جواب دہی کی کوشش کی تو ان کو جان چھڑانا اور بھی دوبھر ہو گئی۔ جب خوب عاجز کرلیا تو اپنے شبہات کے ایسے انداز میں جوابات دیئے کہ تمام ہمراہی علماء بھی انگشت بدنداں ہو گئے۔ آخر میں یہ بھی اظہار کر دیا کہ میں شاہ صاحب کا ادنیٰ شاگرد ہوں اور اظہار معذرت کے بعد رخصت ہو گئے علماء ایران نے اندازہ کر لیا کہ جب خانقاہ کے بچوں کے علم و فضل کا یہ عالم ہے تو شیخ خانقاہ کا کیا حال ہوگا۔ چنانچہ صبح کو جب خیریت طلبی مہمان کے لئے شاہ صاحب نے آدمی بھیجا تو پتہ چلا کہ مجتہد صاحب آخری شب میں دہلی سے روانہ ہو چکے ہیں۔

ایک لطیفہ:- دہلی کے کسی پل پر کسی وجہ سے آمد و رفت ممنوع قرار دے دی گئی تھی علامہ کے پاس کچھ لوگ آئے اور ایک بارات لے جانے کی بصد منت و سماجت اجازت چاہی۔ علامہ نے ایک دستخطی پرچے پر لکھ دیا "رو کو مت جانے دو" محافظین نے پرچہ دیکھ کر بارات کو نکل جانے دیا۔ حکومت کی طرف سے جواب طلب کیا گیا۔ علامہ نے اپنی زیر کی و دانائی سے فرمایا "میں نے تو لکھا تھا روکو مت جانے دو" اس سے غریبوں کا بھی کام نکل گیا اور اپنے اوپر الزام بھی نہ آنے دیا۔

سخن فہمی:- عام علماء کی طرح علامہ شعر و سخن کے فن سے بے خبر نہ تھے۔ شعر گوئی کے مانند سخن فہمی میں بھی کمال حاصل تھا۔ وطن مالوف خیر آباد جہاں علماء و صلحاء کا منبع و مسکن چلا آرہا تھا، وہیں لکھنو کے قرب اور اپنی زرخیز سرزمین کی وجہ سے معدن شعراء بھی بنا ہوا تھا۔ علامہ کے دور میں حاجی تراب علی نامی، منشی قدرت حسین قدرت، مولوی مظفر حسین شوخی، منشی محمد جعفر زمہری، منشی بہاری لال خاوری، منشی موہن لال گراہی، مولوی الٰہی بخش نازش، مولوی فضل عظیم عظیم وغیرہم گلستان شاعری کے مختلف رنگ و بو رکھنے والے شگفتہ پھول تھے اور خیر آباد کی یہی وہ علمی و ادبی فضا تھی جس نے آخری دور میں بھی ریاض مضطر، تسیم، کوثر، بسمل، نیر اور اختر جیسے صاحب دیوان و باکمال شعراء پیدا کئے، جنہوں نے لکھنوی اسکول کی شان کو چار چاند لگائے۔

علامہ ریذیڈنٹ کے محکمے کے سر رشتہ دار ہو چکے تھے ولی عہد سے دوستانہ مراسم تھے۔ قلعہ میں آمد و رفت رہتی تھی۔ بڑے بڑے کہنہ مشق شاعر مولوی امام بخش صہبائی، علامہ عبداللہ خاں علوی، حکیم مومن خاں مومن، مفتی صدر الدین خاں آزردہ، مرزا اسد اللہ خاں غالب، نواب ضیاء الدین خاں نیر، شاہ نصیر الدین خاں نصیر، شیخ محمد ابراہیم ذوق، حکیم آغا خاں عیش، حافظ عبدالرحمان خاں احسان، میر حسن تسکین، اور نہ جانے کتنے سخنوران باکمال کا جمگھٹا تھا۔ جب یہ لوگ ایک جگہ جمع ہوتے ہوں گے تو آسمان کو بھی زمین پر رشک آتا ہوگا۔

یہی وجہ تھی کہ مرزا غالب سے علامہ کے پر خلوص اور گہرے تعلقات تھے۔ علامہ نے مرزا کی اکثر غزلوں کو سنا اور دیوان کو دیکھا تو مرزا صاحب کو سمجھایا کہ یہ اشعار عام لوگوں

کی سمجھ میں نہ آئیں گے چنانچہ حالی نے آب حیات صفحہ ۱۵۲ پر تذکرہ کیا ہے کہ مولانا فضل حق کی تحریک سے مرزا نے اپنے اردو کلام میں سے جو اس وقت موجود تھا' وہ ثلث کے قریب نکال ڈالا اور اس کے بعد اس روش پر چلنا بالکل چھوڑ دیا۔ مرزا غالب نے اسی سے متاثر ہو کر یہ رباعی کہی تھی۔

مشکل ہے زبس کلام مرا اے دل
سن سن کے اسے سخنوران کامل
آسان کرنے کی کرتے ہیں فرمائش
گویم مشکل و گر نگویم مشکل

بقول مولانا حالی علامہ کی سخن فہمی کا اندازہ اس واقعہ سے لگایا جا سکتا ہے کہ مرزا کے ایک فارسی قصیدے کی تشبیب کا شعر ہے

ہمچناں در تتق غیب ثبوتے دارند
بوجودے کہ ندارند خارج اعیاں

مذکورہ بالا شعر سے متعلق مرزا غالب نے مولانا حالی سے تذکرہ کیا کہ میں نے ثبوتے کی جگہ "نمودے" لکھا تھا۔ مولوی فضل حق کو جب یہ شعر سنایا تو انہوں نے کہا کہ اعیان ثابتہ کے لئے نمود کا لفظ مناسب ہے اس کی جگہ ثبوت بنا دو چنانچہ طبع ثانی میں بجائے نمود کے ثبوت بنا دیا ہے۔ (یادگار غالب صفحہ ۹۷) اہل علم جانتے ہیں کہ اس اصلاح نے فلسفیانہ اصلاح کے مطابق شعر کو کہاں سے کہاں پہنچا دیا۔

یہی وہ علل و اسباب ہیں جنہوں نے مرزا غالب کو مسئلہ امکان نظیر اور امتناع نظیر پر قلم اٹھانے کے لئے مجبور کیا مولوی اسماعیل دہلوی اور مولوی فضل حق خیر آبادی کے مابین جہاں رفع یدین' آمین۔ بالجہر جیسے مسائل پر اختلاف تھا وہیں سب سے اہم مسئلہ امکان نظیر و امتناع نظیر کا تھا۔

اس مسئلہ میں مولوی اسماعیل کی رائے یہ تھی کہ خاتم النبیین کا مثل ممکن بالذات اور ممتنع بالغیر ہے اور حضرت علامہ ممتنع بالذات مانتے تھے۔ اس مسئلہ پر علامہ کی مستقل کتاب مناظرانہ انداز پر امتناع نظیر کے نام سے ۱۹۰۸ء میں موصوف کے تلمیذ التلمیذ حضرت مولانا

سید سلیمان اشرف بہاری رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ سابق صدر دینیات مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے زیر اہتمام شائع ہو چکی ہے اور حضرت علامہ کے ہاتھ کا لکھا ہوا اصلی مسودہ کتب خانہ حبیب گنج میں موجود ہے اس کتاب میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نظیر کے ممتنع بالذات ہونے پر جو دلائل و براہین قائم کیے ہیں انہیں دیکھ کر بے ساختہ مرحبا و احسنت زبان پر آتا ہے۔ حضرت علامہ نے علمی و فنی حیثیت سے وہ گلکاریاں کی ہیں کہ صفحات کتاب تختہ چمنستان بن گئے ہیں۔ یہ تو پہلے گزر ہی چکا ہے کہ مرزا اسد اللہ خاں غالب سے علامہ کے بڑے گہرے تعلقات تھے۔ علامہ کا رجحان طبع دیکھ کر اسی موضوع پر ایک مثنوی لکھ ڈالی جو کلیات غالب میں مثنویات کے سلسلے میں چھٹی مثنوی ہے۔ غالب کے انداز بیان کا یہ کچھ کم کمال نہیں کہ ایسے مشکل مسئلہ کو ایسی روانی اور خوبی سے سمجھادیا۔ علامہ اور دوسرے اہل فضل و کمال کی صحبت نے غالب کو فی الواقع بنادیا تھا۔

چنانچہ غالب لکھتے ہیں۔

یک جہاں تاہست یک خاتم بس ست — قدرت حق را نہ یک عالم بس ست
خواد از ہر ذرہ آرد عالمے — ہر بود ہر عالمے را خاتمے
ہر کجا ہنگامہ عالم بود — رحمۃ للعالمینے ہم بود
کثرت ابداع عالم خوب تر — یا بیک عالم دو خاتم خوب تر
در یکے عالم دو ما خاتم مجوئے — صد ہزاراں عالم و خاتم بگوئے
غالب ایں اندیشہ پندیرم ہمی — خردہ ہم بر خویش می گیرم ہمی
اے کہ ختم المرسلینش خواندہ — دانم از روئے یقینش خواندۂ
ایں الف لامے کہ استغراق راست — حکم ناطق معنی اطلاق راست
منشاء ایجاد ہر عالم یکے است — گر دو صد عالم بود خاتم یکے است
منفرد اندر کمال ذاتی است — لاجرم "مثلش" محال ذاتی است
زیں عقیدت برنگر دم والسلام
نامہ راوری نوردم والسلام

غالب نے ان اشعار میں ابتدائی پانچ شعروں میں اپنی قابلیت سے ایک حل نکالنے کی

کوشش کی جس میں دونوں کی بات رہ جاتی اور وہ کہ خاتم النبیین اللہ تعالیٰ نے اس عالم کے لئے بنایا ہے اس میں محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نظیر پیدا ہونا محال اور ممتنع بالذات ہے لیکن خدا دوسرا عالم بنا کر آدم سے عیسیٰ علیہ السلام تک اس عالم کے لئے پیغمبر پیدا کرے اور آخر میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین بنا سکتا ہے۔ اس طرح امکان نظیر کی صورت نکل سکتی ہے مگر پھر آخری چھ اشعار میں اس خیال کو رد کرتے ہوئے حضرت علامہ کی رائے سے اتفاق کرنا پڑا ہے اور پھر اسی رائے سے اپنی موافقت ظاہر کرتے ہوئے جس مدلل طریقہ پر اسے ثابت کیا ہے یہ غالب ہی کا حصہ ہے۔ (ثورۃ الہندیہ)

ناظرین نے اس مختصر سی علمی گفتگو کے بعد حضرت علامہ فضل حق کی جلالت علم کا اندازہ کر لیا ہو گا کہ وہ اپنے معاصرین میں کس درجہ ممتاز و بے نظیر تھے سر سید احمد خاں بانی مسلم یونیورسٹی علی گڑھ نے موصوف کے والد ماجد فضل امام کے متعلق جن تاثرات کا اظہار آثار الصنادید میں کیا ہے وہ مولانا کے حالات میں پیچھے گزر چکا ہے علامہ کے متعلق بھی سر سید احمد خاں کی رائے ملاحظہ کرتے چلیں۔

"مجمع کمالات صوری و معنوی، جامع فضائل ظاہری و باطنی، بناء بنا فضل و افضال، بہار آرائے چمنستان کمال، متکی اصابت رائے مسند نشین دیوان افکار رسائے، صاحب خلق محمدی، مور سعادت ازلی و ابدی، حاکم و محاکم مناظرات، فرمانروائے کشور محاکمات، عکس آئینہ صافی ضمیری، ثالث اثنین بدیعی و جریری، المعی وقت و موزعی اوان، فرزدق عہد و لبید دوراں، مبطل باطل و محقق حق، مولانا محمد فضل حق" یہ حضرت خلف الرشید ہیں جناب مستطاب مولانا فضل امام غفر اللہ لہ، المنعام کے اور تحصیل علوم عقلیہ اور نقلیہ کی اپنے والد ماجد کی خدمت بابرکت میں کی ہے زبان قلم نے ان کے کمالات پر نظر کر کے فخر خاندان لکھا اور فکر دقیق نے جب سرکار کو دریافت کیا فخر جہاں پایا۔

جمیع علوم و فنون میں یکتائے روزگار ہیں اور منطق و حکمت کی تو گویا انہیں کی فکر عالی نے بنا ڈالی ہے۔ علماء عصر بل فضلاء دہر کو کیا طاقت ہے کہ اس گروہ اہل کمال کے حضور میں بساط مناظرانہ آراستہ کر سکیں۔ بارہا دیکھا گیا کہ جو لوگ آپ کو یگانہ فن

سمجھتے تھے جب ان کی زبان سے ایک حرف ستاد عوائے کمال کو فراموش کر کے نسبت شاگردی کو اپنا فخر سمجھتے بایں ہمہ کمالات علم وادب میں ایسا علم سرفرازی بلند کیا ہے کہ فصاحت کے واسطے ان کی عبارت شستہ محضر عروج معارج ہے اور بلاغت کے واسطے ان کی طبع رسا دستاویز بلندی معارج ہے۔

سحبان کو ان کی فصاحت سے سرمایہ خوش بیانی اور امراء القیس کو ان کے افکار بلند سے دست گاہ عروج' معانی' الفاظ پاکیزہ' ان کے رشک گوہر خوش آب اور معانی رنگین ان کے غیرت لعل ناب سرو' ان کی سطور عبارت کے آگے پابہ گل اور گل ان کی عبارت رنگین کے سامنے خجل۔"

حضرت علامہ کے متعلق مولوی رحمٰن علی لکھتے ہیں۔

"در علوم منطق و حکمت و فلسفہ و ادب و کلام و اصول و شعر فائق الاقران و استحضارے فوقان البیان داشت۔" (تذکرہ علماء ہند)

حضرت علامہ کے متعلق منشی امیر احمد مینائی "انتخاب یادگار" میں رقم طراز ہیں۔

"افضل الفضلاء' اکمل الکملا' فضائل دستگاہ' فواضل پناہ جناب مولانا مولوی فضل حق صاحب فاروقی برد اللہ مضجعہ' فنون حکمیہ میں مرتبہ اجتہاد بڑے ادیب' بڑے منطقی نہایت ذہین' نہایت ذکی' طلیق و ذلیق' انتہا کے صاحب تدقیق و تحقیق۔"

مفتی انعام اللہ خاں بہادر شہابی گوپاموی سررشتہ دار سرایڈورڈ کوبرک ریذیڈنٹ دہلی لکھتے ہیں۔

"برادرم مولوی فضل حق از فحول علماء زماں و زیگانہ دوراں است۔ خصوصاً در علوم عقلیہ گوئے سبقت ربودہ و بوفور علم و دانش در اطراف عالم بعنایت دریں وقت مشہور است۔" (خزینۃ الاولیاء)

ایک بار مولوی اکرام اللہ شہابی گوپاموی نے شمس العلماء حضرت مولانا عبدالحق خیر آبادی سے پوچھا بھائی صاحب دنیا میں حکیم کا اطلاق کن کن پر ہے؟

مولانا کہنے لگے بھیا ساڑھے تین حکیم دنیا میں ہیں۔

"ایک معلم اول ارسطو، دوسرے معلم ثانی فارابی، تیسرے والد ماجد مولانا فضل حق اور نصف بندہ۔"
(ثورۃ الہندیہ)

وقت کے اکابر معاصرین کی شہادتوں کے بعد مرزا حیات دہلوی اور علماء دیوبند وارا کین جمعیۃ العلماء ہند کی جرات وجسارت پر حیرت ہوتی ہے جو مولوی اسماعیل دہلوی کے تذکرے کے ساتھ حضرت علامہ کا نام لینا بھی گوارا نہیں کرتے اور غور کیجئے تو حیرت کی کوئی بات نہیں۔ وہ علماء دیوبند جو آقائے دوجہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فضائل ومناقب برداشت نہیں کر سکتے اگر وہ فضل حق کے کمالات کے منکر ہو گئے تو حیرت کیوں ہے مردہ قوموں اور بد طینت گروہوں کا خاصا بھی یہی رہا ہے کہ اسلاف پر نکتہ چینی اور بہتان تراشی شعار بنایا گیا ہے غضب کر دیا دیوبندی مکتبہ فکر نے جس نے دعویٰ اسلام کے باوجود پیغمبر اسلام صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تک کو نہ چھوڑا۔ کہیں ذرہ ناچیز سے کمتر اور کہیں چمار سے زیادہ ذلیل کہا۔ علماء دیوبند کے سرکردہ مولوی اسماعیل نے تو اسلام کے لیبل پر نئی توحید اور نئی رسالت کا خاکہ کھینچا جس میں روز بروز حضرات دیوبند رنگ بھرتے جارہے ہیں۔ مثلاً علماء دیوبند کا یہ عقیدہ کہ "خدا کا جھوٹ بولنا ممکن ہے یا یہ کہنا کہ علم غیب اللہ ہی کا خاصہ ہے۔ یہ اللہ صاحب ہی کی شان ہے جب چاہیں غیب معلوم کر لیں" معاذ اللہ وہ گویا جاہل ہے اور غیب سے نابلد ہے جب چاہتا ہے معلوم کر لیتا ہے۔ اسی توحید پر آج علماء دیوبند کو غرور ہے۔ ایسے ہی رسول کے بارے میں علماء دیوبند کا یہ کہنا کہ رسول مر کر مٹی میں مل گئے یا یہ کہنا کہ نماز میں گائے بیل کا خیال لانے سے نماز ہو جائے گی مگر رسول خدا کا خیال لانے سے نماز فاسد ہو جائے گی یا یہ کہنا کہ رسول ایسے ہی ہے جیسے گاؤں کا چودھری وغیرہ وغیرہ۔ ایسے دریدہ دہن و پراگندہ ذہن والے جنہیں تنقیص الوہیت و توہین نبوت میں کوئی اندیشہ نہیں۔ اگر وہ فضل حق اور امام احمد رضا کو گالیاں دیں تو کیا تعجب ہے؟ وہ رسول خدا کو گالیاں دیتے رہیں ہم ان پر راہ ہدایت پیش کرتے رہیں۔ یہ ہوتا آیا ہے اور ہوتا رہے گا۔

سبو اپنا اپنا ہے جام اپنا اپنا
کئے جاؤ میخوارو کام اپنا اپنا

حضرت علامہ کی سیاسی زندگی

رگ و پے میں جب اترے زہر غم تو دیکھیے کیا ہے؟
ابھی تو تلخی کام جگر کی آزمائش ہے

حضرت علامہ کا دور مسلمانوں کے حق میں بڑا ہی پر فتن دور تھا۔ سات سو سال سے ہندوستان پر مسلمانوں کی حکمرانی تھی تین سو سال سے سلاطین مغلیہ کا ڈنکا بج رہا تھا۔ لیکن ۱۷۵۷ء کی جنگ پلاسی کے بعد اسے گھن لگ چکا تھا۔ ۱۷۹۹ء میں جنگ میسور اور سلطان ٹیپو کی موت نے مسلمانوں کا حوصلہ پست کر دیا تھا۔ ۱۸۰۳ء میں فتح دہلی کے موقع پر لارڈ لیک کے معاہدہ سے اس کے خاتمہ کی نوبت آگئی تھی۔ رہی سہی شان و عزت ۱۸۰۶ء میں اکبر شاہ ثانی کی جاتی رہی۔ علماء اور اولیاء اسلام اپنی روحانیت اور علم و عمل کے ذریعہ استحکام سلطنت میں ہمیشہ پیش پیش رہے۔ ہندوستان کی سیاست میں علماء اسلام کا ہمیشہ سب سے بڑا ہاتھ رہا ہے۔ آخر دور میں مجدد الف ثانی سے لے کر مجاہد جلیل علامہ فضل حق خیر آبادی اور دوسرے مجاہدین ملت اور سر فروشان امت پیش پیش رہے اور آج بھی ملک کا باخبر حلقہ دیکھ رہا ہے جب کہ اراکین جمعیۃ علماء ہند اسمبلی و پارلیمنٹ کی کرسیوں پر گورنمنٹ سے تنخواہ لے رہے ہیں فضل حق کے علمی خاندان کا ایک کفن بردوش رہنما جس کا نام (مجاہد ملت) مولانا حبیب الرحمان ہے۔ وہ تحفظ ناموس رسول کی خاطر سلطان پور اور غازی پور کی جیل میں رسی بٹ رہا ہے۔

یہی وہ علماء اہل سنت ہیں جن کا نام تاریخ ہند میں ہمیشہ سنہری حرفوں سے لکھا جائے گا۔

اک خونچکاں کفن میں ہزاروں بناؤ ہیں
پڑتی ہے آنکھ تیرے شہیدوں پہ حور کی

جس وقت علامہ دہلی سے بددل ہو کر جھجھر، الور، ٹونک اور رام پور میں باعزت عہدہ سنبھالتے ہوئے ۱۸۴۸ء میں لکھنو میں حضور تحصیل کے مہتمم و صدور الصدور ہو گئے۔ بالا کوٹ کے حادثے نے قلب و دماغ پر بڑا اثر ڈالا تھا لکھنو پہنچنے کے کچھ دن کے بعد ہی ہنومان گڑھی اجودھیا کا حادثہ فاجعہ پیش آگیا۔ وہاں کے مہنتوں نے مسجد میں اذان دینا روک دیا تھا

کوئی بھولا بھٹکا مسافر اگر مسجد میں جا نکلتا تو مار پیٹ کر نکال دیا جاتا' غرضیکہ جبر و ظلم اپنے شباب پر تھا۔ ۱۳ ذیقعدہ ۱۲۷۱ھ مطابق جولائی ۱۸۵۵ء شاہ غلام حسین اور مولوی محمد صالح اعلاء کلمۃ اللہ کی خاطر جہاد پر آمادہ ہو کر ہنومان گڈھی پہنچے۔ بیراگیوں سے مقابلہ ہوا' قرآن شریف پرزہ پرزہ کے پاؤں سے مسلا گیا۔ جوتے پہن کر داخل مسجد ہو کر سنکھ بجائے گئے۔ دو سو انہتر (۲۶۹) مسلمان شہید ہوئے۔ اس خونی حادثہ پر مولانا شاہ امیر علی رحمۃ اللہ علیہ ساکن امیٹھی سے نہ رہا گیا اور مسلمانوں کو آمادہ جہاد کیا جب کہ پانی سر سے اونچا ہو چکا۔ تب واجد علی شاہ والی لکھنو کو ہوش آیا۔ ان ہی دنوں حضرت علامہ فضل حق خیر آبادی مرد میدان ہو کر جہاد میں شریک ہوئے۔ لیکن حالات بد سے بدتر ہوتے گئے۔ رودولی جاتے ہوئے راہ میں ۲۶ صفر ۱۲۷۲ھ مطابق ۷ نومبر ۱۸۵۵ء بروز چہار شنبہ گوروں کی پلٹن نے گھیر کر مسلمانوں کو نماز ظہر با جماعت ادا کرتے ہوئے توپ کے گولوں سے شہید کر دیا جو بچ رہے تھے ان کا تعاقب راجہ شیر بہادر سنگھ کے آدمیوں نے دس بارہ کوس تک کر کے چھ سو آدمیوں کے سر اڑا دیئے۔ "سر میداں کفن بر دوش دارم" مادہ تاریخ ہے۔

رسولی کے ایک مجذوب نے "وانه علی ذلك لشهيد'' ۱۲۷۲ھ سے تاریخ نکالی ہے اسلامی حکومت میں خاص اسلامی مسئلہ پر مسلمانوں کی اس بیدردی سے خونریزی۔

آسماں را حق بود گر خوں ببارد بر زمیں

آسماں تھرا اٹھا' زمین کو زلزلہ آگیا' خدا کا قہر لارڈ ڈلہوزی کی شکل میں نمودار ہوا۔ دوشنبہ ۴ فروری ۱۸۵۶ء کو جنرل اوٹرم ریذیڈنٹ کپتان ہیز اور جنرل ویلہ گورنر جنرل کا عہد نامہ لے کر بادشاہ اودھ واجد علی شاہ کے پاس آیا اور معزولی کا حکم دیا۔ بادشاہ نے دستخط سے انکار کرتے ہوئے ہزار منت و سماجت کی' لندن تک کوشش کی لیکن بے سود ثابت ہوئی یہاں تک کہ کلکتہ لے جا کر مٹیا برج میں بند کر دیا "لکھنو خراب شد وادیلا" تاریخ نکالی گئی غرضیکہ اس طرح والیان اودھ کی مدت وزارت پچاس سال تین ماہ چوبیس دن اور مدت بادشاہت اکتالیس سال رہی اور والیان اودھ اپنے پیچھے عیش پرستی کی ہزاروں داستانیں چھوڑ گئے۔

سلطنت اودھ کی بربادی میں سب سے بڑا ہاتھ نواب میر علی نقی کا تھا۔ امین الدولہ کی

معزولی کے بعد ۱۹ رجب ۱۲۶۳ھ مطابق ۹ جولائی ۱۸۴۷ء کو یہ وزیر اعظم بنائے گئے۔ اسی کی اندرونی سازش کی بنا پر واجد علی شاہ کو یہ روز بد دیکھنا پڑا۔

جنگ پلاسی ۱۸۵۷ء کے بعد میر جعفر نے شاہ عالم کے ساتھ بھی ڈرامہ کھیلا تھا اور اس طرح صوبہ بنگال ہاتھ سے نکل گیا دکن میں میر صادق نے ۱۷۶۷ء میں شیر میسور سلطان ٹیپو کو دغا دے کر ہندوستان کی غلامی کا دائمی پٹہ انگریزوں کو لکھ دیا۔

جعفر از بنگال و صادق از دکن
ننگ آدم ننگ دیں ننگ وطن

خدا جانے میر علی نقی کو ڈاکٹر اقبال اس موقع پر کیوں بھول گئے؟

علامہ فضل حق کا بچپن، جوانی اور کہولت دہلی میں گزرے۔ آخر میں لکھنو پہنچے۔ وہاں کی حالت دہلی سے بدتر پائی۔ آخر اللہ کرنے لٹیا ہی ڈبو دی تھی۔ مسجد ہنومان گڈھی شہید ہو گئی مجاہدین اسلام کفار کے ہاتھ خاک و خون میں لتھڑے۔ انہیں واقعات سے متاثر ہو کر علامہ فضل حق لکھنو چھوڑ کر ۱۸۵۶ء میں الور چلے گئے۔ مگر دل بے چین رہا کہ اتنے میں کچھ شورش اٹھتی نظر آئی۔ دربار دہلی سے راجاؤں کے نام خطوط بھی روانہ ہوئے علامہ نے راجہ الور سے بھی گفتگو کی نیز اور راجاؤں سے لیکن وہ سب کے سب ایک مرکز پر اکٹھا نہ ہو سکے۔ اب مذہب عیسوی کی نشر و اشاعت نے فرنگیوں کو بالکل بے نقاب کر دیا تھا کارتوسوں کی چربی سے دل کا غبار آتش فشاں پہاڑ بن کر پھوٹ پڑا۔ اس نے بارود پر فلیتہ کا کام کیا۔ علامہ فضل حق الور سے نشر و اشاعت کرتے ہوئے اگست ۱۸۵۷ء میں دہلی پہنچے۔ میرٹھ اور دوسری چھاؤنیوں میں کارتوسوں کا قضیہ زور پکڑ چکا تھا۔ گائے اور سور کی چربی کی آمیزش کی خبر سے ہندو اور مسلمان دونوں قومیں بگڑ اٹھی تھیں۔ میرٹھ سے دہلی پر باغی فوج نے ۱۱ مئی ۱۸۵۷ء کو حملہ کر دیا قتل و غارت گری کا بازار گرم تھا۔ بادشاہ دہلی سرگرمیوں کے مرکز بنے علامہ فضل حق بھی شریک مشورہ رہے۔ منشی جیون لال کا روزنامچہ ۱۹ اگست ۱۸۵۷ء، ۲ ستمبر ۱۸۵۷ء، ۶، ۷ ستمبر ۱۸۵۷ء دیکھنے سے علامہ فضل حق کی باخبری و انقلابی سرگرمیوں کا اندازہ ہوتا ہے۔

آخر میں علامہ فضل حق نے ترکش سے آخری تیر نکالا۔ بعد نماز جمعہ جامع مسجد میں

علماء کے سامنے تقریر کی اور استفتاء پیش کیا۔ مفتی صدر الدین خاں' مولوی عبد القادر' قاضی فیض اللہ' مولانا فیض احمد بدیوانی' وزیر خاں اکبر آبادی' سید مبارک حسین رام پوری نے دستخط کر دیے۔ اس فتوے کے شائع ہوتے ہی ملک میں عام شورش بڑھ گئی۔ دہلی میں نوے ہزار سپاہ جمع ہو گئی تھی۔ بادشاہ گرفتار کر کے قلعہ میں بند کر دیے گئے تین شاہزادوں کو قلعہ میں داخل ہوتے ہی گولی کا نشانہ بنا دیا گیا اور ان کے سروں کو خوان پوش سے ڈھک کر خوان میں لگا کر بادشاہ کے سامنے بطور تحفہ پیش کیا گیا علامہ دہلی سے ۲۶ ستمبر ۱۸۵۷ء کو روانہ ہو گئے تھے ۱۹ ستمبر ۱۸۵۷ء کے بعد ہندوستانیوں پر مصائب کے جو پہاڑ ٹوٹے اس کی نظیر تاریخ میں مشکل سے ملے گی۔ جن مظالم کو لکھتے ہوئے دل لرزتا ہے۔ سینہ قلم شق اور جگر قرطاس پارہ پارہ ہوتا ہے۔ زندہ مسلمانوں کو سور کی کھال میں سلوا کر کڑھاؤ میں ڈلوانا۔ فتح پوری مسجد سے قلعہ کے دروازے تک درختوں کی شاخوں پر مسلمانوں کی لاشوں کو لٹکانا' مساجد کی بے حرمتی جامع مسجد دہلی کے حجروں میں گھوڑوں کا باندھنا' حوض میں وضو کے پانی کی جگہ گھوڑوں کی لید ڈلوانا' ناقابل معافی و غیر ممکن تلافی جرم ہیں۔ اب قتل و غارت گری کا بازار گرم ہو چکا تھا۔ علامہ فضل حق کو بھی باغی قرار دیا گیا اسیر فرنگ ہو کر بند ہوئے ۱۲۷۵ھ مطابق ۱۸۵۸ء میں لکھنو کی عدالت میں مقدمہ چلا۔ علامہ کے ثبات و استقلال صداقت و حقانیت' بلند ہمتی و شیر دلی کے لئے سیر العلماء وغیرہ کی عبارتیں کافی ہیں۔

۱۸۵۹ء میں فتویٰ جہاد کی پاداش یا جرم بغاوت میں مولانا فضل حق ماخوذ ہو کر سیتاپور سے لکھنو لائے گئے اور مقدمہ چلایا گیا۔ جج بار بار روکتا تھا مولانا آپ کیا کہہ رہے ہیں مگر مولانا کے شان استقلال پر قربان جایئے خدا کا شیر گرج کر کہتا ہے کہ وہ فتویٰ صحیح ہے اور میرا ہی لکھا ہوا ہے اور آج اس وقت بھی میری وہی رائے ہے مولانا کے اقرار و توثیق کے بعد اب گنجائش ہی کیا باقی رہ گئی تھی۔ چنانچہ عدالت نے حبس دوام بعبور دریائے شور (کالا پانی) کا حکم سنایا علامہ نے بکمال مسرت و خندہ پیشانی سے اس سزا کو قبول فرمایا۔

یہی وہ مجاہد جلیل ہے جس نے سرزمین ہند پر آزادی کی داغ بیل ڈالی۔ بالآخر علامہ فضل حق جزیرہ انڈمان روانہ کر دیے گئے اور ادھر مولانا عبد الحق اور مولوی شمس الحق' مفتی انعام اللہ خاں' خواجہ غلام غوث وغیرہ نے میر منشی لیفٹیننٹ مغربی کی معاونت سے اپیل

داخل کردی علامہ کے جزیرہ انڈمان پہنچنے سے پہلے مفتی عنایت احمد کاکوروی "مفتی مظہر کریم اور دوسرے مجاہد علماء وہاں پہنچ چکے تھے۔ ان حضرات نے وہاں بھی تصنیف و تالیف کا سلسلہ جاری رکھا۔ مفتی عنایت احمد نے علم الصیغہ جیسی فن صرف کی مفید کتاب جو آج تک داخل نصاب ہے وہیں لکھی تاریخ حبیب الٰہ بھی جزیرہ انڈمان ہی میں لکھی گئی اور یہی اسکا تاریخی نام ہے علامہ فضل حق نے بھی کئی مفید تصانیف لکھیں۔ علامہ اور ان کے ساتھیوں کو جزیرہ انڈمان میں کیا کیا تکلیفیں جھیلنی پڑیں اور انہیں کیسے ذلت آمیز برتاؤ سے سابقہ رہا۔ ان سب کا تذکرہ علامہ کے رسالہ "الثورۃ الہندیہ" میں موجود ہے۔

مولانا فضل امام کا وہ شاہزادہ جو کبھی ہاتھی اور پالکی پر بیٹھ کر باپ کی آغوش محبت میں درس پاتا تھا۔ آج وہی جزیرہ انڈمان میں اپنے سر پر ٹوکرا اٹھا رہا ہے۔ جس کو دیکھ کر بعض انگریز بھی آنکھوں میں آنسو بھر لائے۔ ادھر علامہ کے صاحبزادے مولوی شمس الحق اور خواجہ غلام غوث وغیرہ رہائی کی سعی میں جان توڑ کوشش کر رہے تھے یہاں تک کہ مولوی شمس الحق صاحب پروانہ رہائی حاصل کر کے جزیرہ انڈمان روانہ ہو گئے۔ وہاں جہاز سے اتر کر شہر گئے تو ایک جنازہ پر نظر پڑی جس کے ساتھ بڑا اژدہام تھا۔

؎ عاشق کا جنازہ ہے ذرا دھوم سے نکلے

دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ کل ۱۲ صفر ۱۳۰۸ھ/۱۸۶۱ء کو علامہ فضل حق کا انتقال ہو گیا اور اب سپرد خاک کرنے جا رہے ہیں۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ *

مولوی شمس الحق بھی بصد حسرت و یاس شریک جنازہ ہوئے اور بے نیل و مرام لوٹے۔

قسمت کی بدنصیبی کہاں ٹوٹی ہے کمند
دو چار ہاتھ جب کہ لب بام رہ گیا

افسوس ہمیشہ کے لئے آفتاب علم و عمل دیار غربت میں غروب ہو گیا۔ اب تک مزار مبارک مرجع انام و زیارت گاہ خاص و عام ہے اور آج بھی قبر مبارک زبان حال سے کہہ رہی ہے

تلك آثارنا تدل علينا

فانظر و ابعدنا ای الآثار

مولانا عبداللہ بلگرامی لکھتے ہیں "فضل ان کے کفن میں مکفون اور علم ان کے ساتھ مدفون ہو گیا۔"

انسانیت مولانا فضل حق کے نام پر جس قدر بھی آنسو بہائے کم ہے۔ ایک طرف مولانا فضل حق کی تاریخ دیکھئے کہ انگریزوں کے جبر و ظلم سے سینہ چھلنی ہو گیا تھا اور دوسری طرف مولوی اسماعیل دہلوی کی تاریخ دیکھئے کہ ان کی جنگ میں شریک ہونے کے لئے مسلم ملازمین کو حکومت کی طرف سے رخصت ملتی تھی۔ علامہ کے ساتھ وہ ظلم و ستم اور مولوی اسماعیل دہلوی کے ساتھ کہاں یہ مروت و رعایت۔ اب اس کا فیصلہ ناظرین کے ہاتھ ہے کہ انگریزوں کا پٹھو کون تھا وہ فضل حق جو انگریزوں کے خلاف فتویٰ جہاد دے کر مسلمانوں کو آبرومندانہ زندگی دینا چاہتا تھا یا وہ مولوی اسماعیل دہلوی جنہوں نے کلکتہ جامع مسجد کی تقریر میں یہ کہا تھا کہ انگریزوں پر اگر کوئی حملہ آور ہوا تو اس سے پہلے ہم جنگ کریں گے تاکہ انگریز سرکار کے دامن پر کوئی آنچ نہ آسکے اور انہیں انگریز بہادر کے لئے مولوی رشید احمد گنگوہی نے کہا تھا کہ "انگریزوں کا زمانہ عافیت کا زمانہ ہے۔"

کاش اب بھی میرے احباب علامہ فضل حق کی تاریخ پر نظر ثانی کرتے اور ان کے اس احسان عظیم کے سامنے اپنی گردنیں جھکا کر تاریخ کا صحیح جائزہ لیتے۔ علماء دیوبند علامہ فضل حق کی تاریخ پر غبار ڈالنے کی ہزار کوشش کریں مگر اس زندہ جاوید ہستی کا نام صفحات تاریخ سے کبھی نہیں مٹ سکتا۔ بالفرض تاریخ کو نذر آتش کر دیا جائے تو انسانی قلوب سے علامہ کی عظمت و عقیدت کو کون چھین سکتا ہے۔ جب تک اس آسمان کے نیچے اور سطح زمین پر انسان کی آبادی ہے اس وقت تک علامہ فضل حق کے فضل و کمال کا پرچم لہراتا رہے گا۔

زندہ ہو جاتے ہیں جو مرتے ہیں حق کے نام پر
اللہ اللہ موت کو کس نے مسیحا کر دیا

مجاہد جلیل حضرت علامہ فضل حق خیر آبادی کی علمی و مجاہدانہ زندگی کی یہ ایک مختصر و ناتمام داستان عبرت ہے جس میں علامہ کے مختلف گوشہ ہائے زندگی کے اجاگر کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ وہ فضل حق جس کی تصانیف درس نظامیہ میں داخل کئے جانے کے قابل

ہیں۔ کتب معقولات پر جس کے شروح و حواشی کو علماء اپنی آنکھوں سے لگائے ہیں۔ ہندوستان کا مانا ہوا شاعر مرزا غالب نے شعر و سخن میں جس کی اصلاح کو قبول کیا ہو۔ سرسید احمد خان بانی مسلم یونیورسٹی علی گڑھ ودیگر فاضل معاصرین نے جس فضل حق کو وقت کا امام و پیشوا سمجھا ہو۔ نواب یوسف علی خاں والی رامپور نے جس سے شرف تلمذ اختیار کیا اور محکمہ نظامت بھی آپ کے سپرد کردیا ہو۔ نواب کلب علی خان نواب رام پور نے جس کی شاگردی پر فخر کیا۔ دلی سے روانگی کے وقت سلطنت مغلیہ کے آخری تاجدار مرزا ابو ظفر بہادر شاہ نے علامہ کو اپنا دوشالہ اوڑھا دیا اور وقت رخصت آبدیدہ ہو کر کہا چونکہ آپ جانے کو تیار ہیں میرے لئے بجز اس کے کوئی چارہ نہیں کہ میں بھی اس کو منظور کرلوں۔ مگر خدا علیم ہے کہ لفظ وداع زبان پر لانا دشوار ہے۔ مرزا غالب نے بھی اپنے خط میں اس المناک درد فراق کا تذکرہ کیا ہے۔

واحسرتا! کہ آج اسی فضل حق کے دامن علم وادب پر علماء دیوبند کیچڑ اچھال رہے ہیں اور صفحات تاریخ سے اس مرد مجاہد کا نام مٹا دینا چاہتے ہیں۔

کہاں حضرت علامہ فضل حق کا علمی رعب و جلال اور کہاں مولوی اسماعیل دہلوی جن پر خود علماء دیوبند نے جاہل، ملحد، زندیق، دین سے بے بہرہ ہونے کا فتویٰ دیا ہے۔ مگر افسوس کہ آج مولوی اسماعیل دہلوی کی تقویۃ الایمان جس کا ہر صفحہ توہین نبوت و تنقیص اولیاء سے بھرپور ہے۔ اس کو توعین اسلام کہا جارہا ہے اور حضرت علامہ کی تصانیف جن کی ہر ہر سطر میں علم و فن کے سینکڑوں نکات ہیں۔ ان سے بے اعتنائی کا یہ عالم کہ صفحہ تاریخ پر مصنف کا نام تک دیکھنا گوارا نہیں اور میدان جہاد کا وہ سپہ سالار اعظم جس کو آزادی ہند کی خاطر گھر سے بے گھر ہونا پڑا۔ انگریز دشمنی میں جس کو جزیرہ انڈمان کی ناقابل برداشت سزائیں بھگتنی پڑیں۔ انگریز جیسے ظالم و سنگدل بھی جس کو دیکھ کر آبدیدہ ہوگئے

بے ساختہ آج ان کے بھی آنسو نکل آئے
دیکھا نہ گیا حال فقیرانہ کسی کا

علماء دیوبند کی نظر میں وہی فضل حق انگریزوں کا پٹھو ہے اور مولوی اسماعیل دہلوی جنھوں نے انگریز دوستی میں لاکھوں مسلمانوں کا خون پانی کی طرح بہادیا جن کے دامن پر نہ

جانے کتنے بے گناہوں کے خون کی چھینٹیں ہیں۔ اسی خون آلود دامن کو علماء دیوبند اپنے پروپیگنڈے اور زور قلم سے پاک و صاف کرنا چاہتے ہیں۔ مگر یہ راز سربستہ اس وقت عیاں ہوگا جب قاتل خود ہی میدان قیامت میں یہ کہتا ہوا اٹھے گا۔

دامن کو لئے ہاتھ میں کہتا تھا یہ قاتل
کب تک اسے دھویا کروں لالی نہیں جاتی

ناظرین کی انصاف پسند نگاہ پر اعتماد و بھروسہ ہے کہ آپ حضرات نے اس مختصر سی تحریر کے بعد اپنے قلب و ضمیر کا فیصلہ حاصل کر لیا ہوگا کہ مولوی اسماعیل دہلوی کی جنگ زرگری کو حضرت علامہ فضل حق کی تحریک جہاد سے کوئی واسطہ اور نسبت نہیں۔ مولوی اسماعیل افغانی پٹھانوں سے جنگ کر رہے تھے اور انگریز بہادر یہاں سے سات ہزار کی ہنڈی بھیج رہے تھے اور حضرت علامہ جیسی بلند پایہ شخصیت جزیرۂ انڈمان میں کسمپرسی کے عالم میں عزم اور استقلال کی ایک تاریخ مرتب کر رہی تھی۔

سچ ہے دونوں اپنے پیچھے ایک تاریخ چھوڑ گئے مگر فرق اتنا ہے کہ مولوی اسماعیل کی تاریخ نے اقوام عالم کے سامنے قوم مسلم کی گردن جھکا دی اور حضرت علامہ کی تاریخ نے ہماری علمی و قومی تاریخ کو سرفرازی بخشی۔

حضرت علامہ کی زندگی کے دو اہم پہلو ہیں۔ آپ کی علمی و ادبی زندگی دیکھ کر بو علی سینا، غزالی، رازی، ابو حنیفہ کی یاد تازہ ہوتی ہے اور آپ کے مجاہدانہ کردار سے حسینؓ ابن علیؓ کی مظلومیت کی خونی داستان آنکھوں کے سامنے آجاتی ہے۔ جیسے حسینؓ کے بچپنے میں پیغمبر خدا، جبریل امینؑ، علی مرتضیٰؓ، سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ناز برداری کی مگر عمر کی آخری ساعت میں نبی کا لال مسافرت اور پردیس میں بے یار و مددگار شہید کیا گیا۔

بنا کردند خوش رسمے بخاک و خون غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

ایسے ہی فضل امام کا شاہزادہ فضل حق جو ہاتھی و پالکی پر چلتا تھا جو والیان ریاست و شہنشاہ وقت کا مخدوم اور پیارا تھا، جو آسمان علم و ادب کا روشن ستارا اور چمنستان علم و حکمت کا شاداب پھول تھا، وہ عمر کی آخری ساعتوں میں آزادی ہند کی خاطر کسمپرسی کے عالم میں شہید کیا گیا۔

ایسے ہی خیال فرمایئے کہ دریائے شور کو میدان کربلا سے کتنی مناسبت ہے۔ وہاں دریائے فرات پر یزیدی پہرے بٹھادیئے گئے تھے اور یہاں فطرت نے خود پہرہ بٹھادیا ہے۔ اور تاریخ کی اس مطابقت پر تو سر دھننے کو جی چاہتا ہے کہ جس طرح مسلم ابن عقیل کی کوفہ میں جس دن شہادت ہوتی ہے اسی دن حسینؓ ابن علیؓ کی مکہ مکرمہ سے کوفہ کے لئے روانگی ہوتی ہے۔

ایسے ہی مولانا شمس الحق جس دن جزیرہ انڈمان میں پروانہ رہائی لے کر پہنچتے ہیں تو سب سے پہلے باپ کے جنازے پر نگاہ پڑتی ہے شاید اسی موقع کے لئے کسی شاعر نے کہا ہے۔

اے مالک تحریر یہ تقدیر ہے کیسی
راہوں میں مری آ کے قضا کھیل رہی ہے

اے پروردگار عالم! جب تک آسمان کے ستاروں میں چمک اور مرغزاروں میں کوئل کی کوک اور پپیہا کی ترنم خیز صدائیں گونج رہی ہوں، اے کائنات کے پالنہار! جب تک سمندر کی روانی اور سطح سمندر پر مچھلیوں کا کھیل کود ہو، اے خالق کائنات! جب تک کائنات کی چہل پہل اور گردش لیل و نہار ہو اے رب کریم! جب تک صحن گلشن میں کلیوں کی مسکراہٹ اور پھولوں کے حسین قہقہے پر بلبلوں کی نوا سنجی ہو، اس وقت تک امام المنطق والفلسفہ مجاہد جلیل حضرت علامہ فضل حق خیر آبادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی قبر مبارک پر ترے رحم و کرم کے پھولوں کی بارش ہو۔ آمین

ابر رحمت ان کے مرقد پر گہر باری کرے
حشر میں شان کریمی ناز برداری کرے

"حفظ الایمان" پر ایک طائرانہ نگاہ

حفظ الایمان مولوی اشرف علی تھانوی کی چند ورقی کتاب ہے، جس کی ایک کفری عبارت پر آئے دن مناظرہ، مباحثہ، مجادلہ ہوتا رہتا ہے۔ علماء دیوبند کو یہ سب کچھ گوارا ہے مگر یہ نہیں ہو سکتا کہ چند سطر کی عبارت میں کوئی ایسی ترمیم کر دی جائے جس سے وہ عبارت اعتراضات کی زد سے باہر ہو جائے یا پھر اس عبارت سے رجوع کر لیا جائے۔ واضح رہے کہ یہ وہی مولانا تھانوی ہیں جن کو برٹش گورنمنٹ چھ سو روپیہ ماہانہ دیتی تھی اور تھانوی صاحب

کے حقیقی بھائی جناب مظہر علی صاحب سی. آئی. ڈی کے بڑے عہدے پر فائز تھے جیسا کہ مولوی حسین ٹانڈوی نے مکتوبات شیخ جلد دوم صفحہ ۲۹۷'۲۹۸'۲۹۹ پر اس کا تذکرہ کیا ہے۔

یہ وہی تھانوی صاحب ہیں جن کو حضرات دیوبند حکیم الامت' حجۃ اللہ فی الارض اور جامع المجددین جیسے خطابات سے یاد کرتے ہیں اور خود تھانوی صاحب بزعم خویش اپنے مرید سے لا الہ الا اللہ اشرف علی رسول اللہ پڑھواتے تھے غرضیکہ یہ دیوبندیوں کے رسول و پیغمبر مادر زاد ولی و بزرگ تھے پھر تدریجاً نبوت و رسالت کی منزل پر پہنچے۔ معاذ اللہ ثم معاذ اللہ۔

اشرف السوانح حصہ اول صفحہ ۲۴ کی ایک روایت ملاحظہ فرمایئے جو تھانوی صاحب کے عہد طفولیت کے آثار نیک سے ہے۔

حضرت کی تائی صاحبہ نے جن کے پاس بچپن میں رہے ہیں خود حضرت والا سے بیان کیا کہ لڑکپن میں اکثر دیکھا گیا کہ جب حضرت والا کو کہیں سفر کرنے کا اتفاق ہو گیا تو اس روز ابر ضرور ہوا اور بہت راحت کے ساتھ سفر طے ہوا۔"

اشرف السوانح کی مندرجہ بالا عبارت میں لفظ "ضرور" قابل توجہ ہے یعنی ابر کا ہو جانا اتفاقیہ نہ تھا بلکہ قانون الٰہی کے فرشتے جناب تھانوی کی رضاجوئی اور آرام رسانی پر دست بستہ حاضر تھے یہ کیسے ہو سکتا تھا کہ انگریز بہادر کا لاڈلا اور دلارا گزرے اور اس کے نرم و نازک بدن کو آفتاب کی دھوپ تکلیف پہنچا سکے جوانی اور بڑھاپے میں اس کرامت کا صدور نہیں ہوا' ابھی تو بچپنے کا ذکر ہے۔ اب ایسے ہی صاحب کرامت کی ایک اور عبارت سنئے جو علماء دیوبند کی رسول دشمنی پر روشن دلیل ہے۔ اشرف السوانح حصہ اول ص ۷۶ پر ہے۔

"دارالعلوم دیوبند کے بڑے جلسہ دستار بندی میں بعض حضرات اکابر نے ارشاد فرمایا کہ اپنی جماعت کی مصلحت کے لئے حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فضائل بیان کئے جائیں تا کہ اپنے مجمع پر جو وہابیت کا شبہ ہے وہ دور ہو' اور موقع بھی اچھا ہے کیونکہ اس وقت مختلف طبقات کے لوگ موجود ہیں حضرت والا (یعنی مولوی) اشرف علی تھانوی نے باادب عرض کیا کہ اس کے لئے روایات کی ضرورت ہے اور وہ روایات مجھ کو مستحضر نہیں۔"

یہ وہی تھانوی صاحب ہیں جو حکیم الامت ' جامع المجددین اور نہ جانے کیا کیا ہیں!

آنجناب کو شرک و بدعت کی جملہ اقسام یاد تھیں۔ شادی میں سہرا باندھنا شرک ' عبدالنبی ' پیر بخش نام رکھنا شرک ' اور اتنا ہی نہیں صابون سازی کا طریقہ ' گوشت گلانے کی ترکیب ' مربہ اور جیلی بنانے کا طریقہ ' بریانی ' پلاؤ ' قورمہ ' فرنی ' شامی کباب ' سیخ کباب ' پچپڑ بنانے کا طریقہ۔ یہ تمام چیزیں تھانوی صاحب کو یاد تھیں جس کو بہشتی زیور کے دس حصوں میں بھر دیا ہے۔

غرضیکہ صابون فیکٹری کے ناظم اعلیٰ ' محکمہ مطبخ کے ناظم امور ضروریہ ' دواساز کارخانہ کے جنرل منیجر ' انجمن مسلم خواتین کی ہائی کمانڈر کو جو باتیں معلوم ہونی چاہئیں وہ من و عن تھانوی صاحب کے ذہن میں حاضر تھیں مگر افسوس صد افسوس کہ تھانوی صاحب کا ذہن اگر خالی تھا تو فضائل رسول سے چونکہ اس عنوان پر تقریر کرنے کے لئے تو روایات کی ضرورت تھی اور وہ آنجناب کو متحضر نہ تھیں واضح رہے کہ ایک عاشق رسول کے لئے یہ ایسا محبت آفرین عنوان ہے جس پر وہ گھنٹوں نہیں بلکہ مسلسل نہ جانے کتنے دنوں تقریر کر سکتا ہے۔ درس نظامیہ کا مبتدی طالب علم بھی اس عنوان پر کچھ نہ سہی تو معجزات نبوت ہی کے تحت سرکار رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فضائل و کمالات کا سماں باندھ ہو سکتا ہے۔ مگر یہ بیان معلومات کے ساتھ عقیدت و محبت کا سرمایہ چاہتا ہے۔ وہ بدنصیب اس عنوان پر کیا بولے جس نے عمر بھر آقائے دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو گالیاں دیں ہوں اور دنیا سے جاتے جاتے حفظ الایمان جیسی گندی اور کفری کتاب چھوڑ گیا ہو جو قیامت تک کے لئے افتراق بین المسلمین کا باعث بن گئی۔

حضرات دیوبند انصاف و دیانت سے کبھی اس عبارت پر نظر ثانی کریں اور گریبان میں منہ ڈال کر سوچیں کیا یہ رسول کریم کا منہ بولتا معجزہ نہیں کہ اپنے دشمن سے ان کی کہلوائی؟

محبت کو سمجھنا ہے تو ناصح خود محبت کر
کنارے سے کبھی اندازۂ طوفاں نہیں ہوتا

اب ذرا اس عبارت کے مختلف حصوں کا تجزیہ کیجئے تو حضرات دیوبند کے دل کا چور گرفت میں آئے۔

(۱) حضرات اکابر نے فرمایا کہ اپنی جماعت کی مصلحت کے لئے حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فضائل بیان کئے جائیں۔

یعنی دارالعلوم دیوبند کی چہار دیواری میں سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فضائل و مناقب عقیدت و محبت کے تقاضے پر بیان نہیں کئے جاتے بلکہ یہ بیان تو بر بناء مصلحت ہوتا ہے۔ بالفاظ دیگر یوں کہہ لیجئے کہ آج مصلحت آن پڑی ہے لہٰذا خلاف عادت و معمول کچھ فضائل رسول بیان کر دیئے جائیں۔

(۲) "تاکہ اپنے مجمع پر جو وہابیت کا شبہ ہے وہ دور ہو۔"

یہ مصلحت کی وضاحت ہے یعنی اکابر دیوبند کو اس بات کا احساس تھا کہ ہم لوگ رسول کریم کے فضائل و مناقب نہیں بیان کرتے اس لئے ہندوستان کی زمین پر ہمیں وہابی کہا جاتا ہے اور اس کا بھی احساس تھا کہ فضائل مصطفیٰ پر تقریر کرنے والوں کو وہابی نہیں بلکہ سنی کہا جاتا ہے۔

لہٰذا آج عشق و محبت کی وہ راہ اختیار کی جائے جس پر اہل سنت و جماعت کا معمول ہے تا کہ دامن سے وہابیت کا غبار دھل جائے۔ گویا اکابر دیوبند نے خود ایک علامت اور نشانی متعین کر دی کہ فضائل رسول پر تقریر کرنے والے سنی ہیں اور اس عنوان سے کترا کر محض شرک و بدعت کی راگ الاپنے والے وہابی ہیں۔

اپنے منقاروں سے حلقہ کس رہے ہیں جال کا
طائروں پر سحر ہے صیاد کے اقبال کا

اس عنوان کی وضاحت کے لئے اشرف السوانح کی ایک دوسری عبارت ملاحظہ فرمایئے
اشرف السوانح حصہ اول ص ۴۵

"خانپور کی جامع مسجد جہاں تھانوی صاحب کے طلباء رہتے تھے چند عورتیں مٹھائی پر نیاز دلانے آئیں تو طلباء بغیر نیاز دیئے سب کھا پی گئے۔ اس پر بڑی برہمی پھیلی اور کافی تعداد میں لوگ جمع ہو گئے تو تھانوی صاحب نے فرمایا بھائی! یہاں وہابی رہتے ہیں یہاں نیاز فاتحہ کے لئے کچھ مت لایا کرو۔"

اسی کا نام ہے اقراری ڈگری! اقرار وہابیت کے ساتھ وہابیوں کی علامت و پہچان بھی بتا

دی کہ وہابی نیاز فاتحہ نہیں دیتے۔

مناسب ہو گا کہ اسی موقع پر چند باتیں مولوی رشید احمد گنگوہی کی ذکر کر دی جائیں جو انہوں نے عبدالوہاب نجدی اور اس کے متبعین کے بارے میں تحریر کیا ہے۔

فتاویٰ رشیدیہ جلد اول ص ۷

"محمد بن عبدالوہاب کے مقتدیوں کو وہابی کہتے ہیں اور ان کے عقائد عمدہ ہیں۔"

فتاویٰ رشیدیہ حصہ سوم ص ۷۹

"سوال: عبدالوہاب نجدی کیسے شخص تھے؟

الجواب: محمد بن عبدالوہاب کو لوگ وہابی کہتے ہیں وہ اچھا آدمی تھا سنا ہے مذہب حنبلی رکھتا تھا اور عامل بالحدیث تھا بدعت و شرک سے روکتا تھا مگر تشدد اس کے مزاج میں تھی۔"

کیا کہنا ہے آنجناب کا! شرک و بدعت کو روکنے والا گوبر ہی کیوں نہ کھاتا ہو، مگر وہ گنگوہی صاحب کے گلے کا ہار ہے۔ حنبلی ہو یا غیر مقلد کافر ہو یا اس کے مزاج میں تشدد، کچھ بھی سہی وہ اپنا ہی ہے۔ محض اس لئے کہ وہ بھی گنگوہی صاحب کی طرح ساری دنیا کو مشرک و بدعتی بناتا ہے۔ دوستی و بھائی چارگی کے لئے اتنی وجہ بہت کافی ہے اور گنگوہی صاحب کے متبعین کا یہ عالم ہے کہ آنکھ بند کر کے عبدالوہاب نجدی کی پیروی کئے جا رہے ہیں۔

نہ کالے کو دیکھیں نہ گورے کو دیکھیں
پیا جس کو چاہیں سہاگن وہی ہے

لگے ہاتھ فتاویٰ رشیدیہ کی تیسری عبارت ملاحظہ فرمائیے۔

فتاویٰ رشیدیہ حصہ دوم صفحہ ۱۱

"اس وقت ان اطراف میں وہابی متبع سنت اور دیندار کو کہتے ہیں۔

انہیں علماء دیوبند کی طرف داری میں جناب فیروز الدین صاحب روحی نے آئینہ صداقت نام کی ایک کتاب لکھ ڈالی جس کے ہر ہر صفحہ پر امام احمد رضا خان فاضل بریلوی اور ان کے متوسلین کو جی کھول کر عامیانہ و سوقیانہ گالیاں دی ہیں جس کتاب کا ایک صفحہ بھی کسی سنجیدہ و متین شخص کے لئے پڑھنا دشوار ہے آئینہ صداقت جیسی شر انگیز و فتنہ خیز کتاب

پر ہم روحی صاحب سے یوں بھی شکایت نہیں کر سکتے کہ وہ اور ان کے بھائی برادر گالی گلوچوں میں اپنی فطرت وعادت سے مجبور ہیں اور اتفاق سے تبدیلی فطرت کے لئے ہمارے پاس کوئی نسخہ موجود نہیں ورنہ یہ نسخہ سب سے پہلے شہاب ثاقب کے مولف جناب حسین احمد ٹانڈوی پر استعمال کیا جاتا۔ جس کتاب کو صحیح معنوں میں گالی نامہ ہی کہا جا سکتا ہے جس کا احساس نہ صرف سنی مکتبہ فکر ہی کو ہے بلکہ فاضل دیوبند مولوی عامر صاحب عثمانی مدیر تجلی نے بھی رد شہابات ثاقب پر تبصرہ کرتے ہوئے اس کا اعتراف کیا ہے کہ شہاب ثاقب تہذیب وادب سے گری ہوئی کتاب ہے۔

تجلی فروری اور مارچ ۱۹۵۹ء صفحہ ۷۹ کالم ۲

"واقعی مولانا مدنی نے اس کتاب میں جس طرح کے الفاظ استعمال فرمائے ہیں انہیں موٹی موٹی گالیاں نہ سہی "مہذب گالیاں" کہنا ضرور حق بجانب ہے۔"

مدیر تجلی نے گالیوں کے ساتھ "مہذب" کی قید لگا کر صدر دیوبند کو کسی حد تک بچانے کی کوشش کی ہے مگر آگے چل کر پیمانہ صبر وضبط لبریز ہو گیا۔ جب تک مولانا ٹانڈوی امام احمد رضا کو گالیاں دیتے رہے اس وقت تک وہ موٹی موٹی گالیاں نہ تھیں بلکہ مہذب گالیاں تھیں لیکن جب مولانا ٹانڈوی اپنی حسب عادت عبدالوہاب نجدی اور جماعت اسلامی پر برس پڑے تو مدیر تجلی بھی لنگوٹی باندھ کر مد مقابل آگئے اب انہیں مہذب گالیوں کو "تبرا" اور سب د شتم سے تعبیر کیا گیا ہے ملاحظہ ہو۔

تجلی فروری اور مارچ ۱۹۵۹ء ص ۷۴ کالم ۲

"ہم مولانا مدنی کے محبین ومقلدین چاہیں تو اس کتاب سے خاصی عبرت پکڑ سکتے ہیں مولانا موصوف نے الشہاب الثاقب میں محمد بن عبدالوہاب نجدی کے ساتھ انصاف نہیں کیا تھا بعض الزامات تو ان پر اور ان کے معتقدین پر ایسے بے بنیاد جڑ دیئے تھے جیسے بریلوی ہم دیوبندیوں پر جڑ رہے ہیں۔ اور بعض عقائد کے بارے میں علمی اختلافات کی بجائے "تبرا بازی" اور سب وشتم کا راستہ اختیار کیا گیا۔ گویا حمیت دین اور حمایت حق کے جذبہ میں غیر معمولی حد تک مشتعل ہو جانا اور علمی ثقاہت کو جذباتی ہیجان کی تاخت سے نہ بچانا ان کا دیرینہ وصف رہا ہے۔ اسی وصف

نے انہیں بعد میں جماعت اسلامی اور مولانا مودودی کے بالمقابل لا کھڑا کیا۔"
مولانا مودودی کے بالمقابل لا کھڑا کیا۔"
مدیر تجلی کی مندرجہ بالا عبارت میں یہ ٹکڑا خصوصیت سے قابل غور ہے۔
"علمی ثقاہت کو جذباتی ہیجان کی تاخت سے نہ بچانا ان کا دیرینہ وصف رہا ہے"
یعنی گالی گلوچ، تبرا بازی، سب و شتم مولانا ٹانڈوی کی عادت ثانیہ تھی۔ وہ علمی مسائل کو بھی گالی گلوچ ہی سے حل کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ ابھی تک تو مدیر تجلی مولانا ٹانڈوی ہی کی خبر لے رہے تھے لیکن جب علماء دیوبند کی بے اعتدالیوں سے کلیجہ چھلنی ہو گیا تو آخر ش کلمہ حق نوک قلم پر آ ہی گیا۔
تجلی فروری مارچ ص ۸۴ کالم ۱
"ساتھ ہی یہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ نہ صرف "الشہاب الثاقب" کا انداز تحریر واقعی غیر محمود و لائق اجتناب ہے بلکہ ہم "وہابیوں" کے اور بھی بزرگوں سے کہیں کہیں از راہ بشریت الفاظ و انداز کی ایسی لغزشیں ہو گئی ہیں کہ انہیں قابل اصلاح کہنا چاہیے۔"

کی مرے قتل کے بعد اس نے جفا سے توبہ
ہائے اس زود پشیماں کا پشیماں ہونا

کاش یہی احساس مولانا تھانوی، مولانا گنگوہی، مولانا انبیٹھوی، مولانا دہلوی وغیرہ کے دور حیات میں ہو گیا ہوتا تو وہ لوگ بھی اپنی لغزشوں پر نادم و شرمسار ہو کر دنیا سے گئے ہوتے۔ یہی کیا کم ہے کہ اب احساس ہو چلا ہے خدا کرے یہ وقتی احساس استقلال و استحکام کی صورت پیدا کر لے اور دیوبندی گروپ اپنے اکابر کی غلطیوں سے توبہ کر کے ہدایت و سلامتی کی راہ پر آ جائے۔ اس احکم الحاکمین کی رحمت بے پایاں سے کیا بعید جس کا ادنیٰ قہر و غضب انسانوں پر ہدایت کا دروازہ بند کر دے اور وہی اپنی شان کریمی سے اپنے بندوں پر ہدایت و فلاح کا دروازہ کھول دے!
مندرجہ بالا ذیلی و ضمنی گفتگو سے بات اس حد تک واضح ہو گئی کہ اکابر علماء دیوبند سے

۱؎ صدر شعبہ دینیات مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

خطائیں ولغزشیں واقع ہوئی ہیں جس کی مزید تفصیل میں فاضل دیوبند مولانا سعید احمد اکبر آبادی مدیر برہان و سابق پرنسپل مدرسہ عالیہ کلکتہ اور مدیر فاران جناب ماہر القادری کی تحریریں اگلے صفحات پر پیش کی جائیں گی۔

اس وقت تو جناب خیر الدین صاحب رومی کا تذکرہ تھا کہ جناب نے اپنی شر انگیز تالیف آئینہ صداقت میں امام احمد رضا علامہ شامی اور علامہ احمد زینی دحلان وغیرہم کو خوب خوب گالیاں دے کر دل کا بخار نکالا ہے۔ مجھے اس کتاب پر کوئی سیر حاصل گفتگو نہیں کرنی ہے۔ چونکہ اس کتاب کا علمی و سنجیدہ جواب سلطان المناظرین حضرت علامہ مولانا عبد الحفیظ صاحب مفتی آگرہ رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے شمع ہدایت کے نام سے شائع ہو چکا ہے جو کتاب ہندوپاک میں بہ نظر قبولیت دیکھی گئی ہے۔

اگر کسی صاحب کو تحقیق مقصود ہو تو وہ آئینہ صداقت کے صفحہ ۱۸، ۳۹، ۴۱، ۴۲، ۴۳ کو ملاحظہ فرمائیں اور اس مقام پر محض تسکین خاطر کے لئے آئینہ صداقت صفحہ ۴۳، ۴۵ کی ایک عبارت درج کی جاتی ہے جو اندازہ و قیاس کے لئے کافی ہوگی۔ آئینہ صداقت ص ۴۳ پر شامی کی عبارت نقل کرنے کے بعد رومی صاحب کا تبصرہ ملاحظہ کیجئے۔

"شامی کی اس عبارت کو رضا خانی علماء بڑے فخر سے اپنے رسالوں میں نقل کرتے ہیں" چند سطر بعد "مگر ان کو کیا معلوم کہ ابن عابد شامی نے حکومت کے اثر سے ان غریبوں کو بدنام کیا اور ان (نجدیوں) کے خلاف ایک محاذ قائم کر کے اپنی دنیا سنبھالی اس دنیا پر تف اور سنہری سکوں کا جس کے عوض شامی نے نجدیوں کو دل کھول کر بدنام کیا ہے۔"

سچ ہے علماء اہل سنت ہمیشہ حکومت سے الگ تھلگ رہے۔ حکومت کا سرپرست رہنا تھانوی صاحب کے بھائی مظہر علی کے ہم پیشہ وروں ہی کو معلوم ہو سکتا ہے۔ اگر شیخ نجدی پر نقد و نظر کرنے کی وجہ سے علامہ شامی پر آپ ایسے بیباک وار و حملے کر سکتے ہیں تو پھر دنیا کو اپنے متعلق بھی رائے قائم کرنے دیجئے کہ اس گالی و گلوچ کے پردے میں آپ بھی کسی حکومت کی دلالی کا حق ادا کر رہے ہیں۔

شیشے کے گھر میں بیٹھ کر پتھر ہیں پھینکتے
دیوار آہنی پہ حماقت تو دیکھئے

جب علامہ شامی کو برا بھلا کہنے سے جی بھر گیا تو رومی صاحب علامہ ذہبی دہلان کی طرف متوجہ ہوئے اور خوب خوب جلی کٹی سنائی۔

البتہ رومی صاحب نے شیخ محمد بن عبدالوہاب کی تعریف و منقبت کا خطبہ پڑھا جیسا کہ وہ صفحہ ۲۴ پر تحریر فرماتے ہیں۔

"شیخ ایک فاضل اجل تھے ان کا علمی پایہ بلند ہے وہ قصیدہ محمدانہ طریقہ پر لکھتے ہیں ان کا طریقہ قرآن اور ان کی دلیلیں جزو کل حدیث سے ماخوذ ہوتی ہیں۔"

اسی طرح صفحہ ۹۳ پر لکھتے ہیں۔

"شیخ محمد ابن عبدالوہاب بچپن ہی سے امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی طرف مائل تھے وغیرہ وغیرہ"

اب شیخ الرمین والآسمان کی مدحت سرائی سے فرصت ملی تو دھینگا مشتی پر اتر آئے۔ رومی صاحب کے ساتھ پروفیسر کا کٹل دیکھ کر کتاب سے متعلق میرا حسن ظن یہ تھا کہ اس میں متانت و شائستگی ہوگی مگر معلوم ہوا کہ "پروفیسر" کا کٹل اصطلاحی نہیں بلکہ عرفی ہے جیسا کہ عام طور پر مسلمان خاندانوں میں رواج ہے کہ بچے کا نام تو عبدالحی ہوتا ہے مگر ماں باپ انتہائی لاڈ و پیار کے ماتحت بچے کو نواب "مشتو" وے گنڈن وغیرہ کہہ کر پکارتے ہیں کچھ ایسا ہی رومی صاحب کے متعلق بھی خیال کیا جاتا ہے۔

تصویر کا دوسرا رخ

الجھا ہے پاؤں یار کا زلف دراز میں
خود آپ اپنے دام میں صیاد آ گیا

تھانوی صاحب نے جامع مسجد کانپور میں وہابی ہونے کا اقرار کیا۔ جناب مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی نے شیخ نجدی کو عامل بالحدیث متبع سنت اور فرماجت میں نہ جانے کیا کیا کہہ دیا۔ جناب مسعود عالم صاحب ندوی نے عقیدت کیشی کا حق ادا کرتے ہوئے شیخ نجدی کی سوانح عمری مرتب کرڈالی اور فاضل دیوبند مولانا محمد عامر صاحب عثمانی نے اپنے اور اپنے دوسرے ہم خیال دوستوں کے وہابی ہونے کا اقرار کیا اور جناب رومی صاحب جو

ابھی ابھی اس جماعت کے نئے ممبر ہوئے ہیں انہوں نے تو اپنی وفاداری کا ثبوت دیتے ہوئے وہ سب کچھ کہہ دیا جس کے اعتراف میں خود ان کے بزرگوں کو بھی تکلیف ہوگا۔اب آیئے اجودھیا باشی جناب مولانا حسین احمد صاحب صدر دیوبند کی سنئے جن کی راہ اپنے ساتھیوں میں سب سے الگ تھلگ ہے۔

ہم پیروی قیس نہ فرہاد کریں گے
کچھ طرز جنوں اور ہی ایجاد کریں گے

الشہاب الثاقب مولفہ مولانا حسین احمد صفحہ ۵۰ کی ایک عبارت ملاحظہ فرمایئے۔

"صاحبو! محمد بن عبدالوہاب نجدی ابتدائے تیرھویں صدی میں نجد عرب سے ظاہر ہوا اور چونکہ خیالات باطلہ اور عقائد فاسدہ رکھتا تھا اس لئے اس نے اہل سنت و جماعت سے قتل و قتال کیا اور ان کو بالجبر اپنے خیالات کی تکلیف دیتا رہا۔ان کے اموال کو غنیمت کا مال اور حلال سمجھا گیا۔ان (اہلسنت) کے قتل کو باعث ثواب و رحمت کا شمار کرتا رہا' اہل حرمین کو خصوصاً اور اہل حجاز کو عموماً اس نے تکالیف شاقہ پہنچائیں۔سلف و صالحین اور اتباع کی شان میں نہایت گستاخی و بے ادبی کے الفاظ استعمال کئے بہت سے لوگوں کو بوجہ اس کے تکالیف شدیدہ کے مدینہ منورہ اور مکہ معظمہ چھوڑنا پڑا اور ہزاروں آدمی اس کی فوج کے ہاتھوں شہید ہو گئے۔الحاصل وہ ایک ظالم و باغی' خونخوار' فاسق شخص تھا۔"

اب المہند مرتبہ مولوی خلیل احمد صاحب انبیٹھوی کی چند سطریں ملاحظہ فرمایئے لیکن حوالہ سے پیشتر یہ سمجھ لینا ضروری ہے کہ المہند کیا ہے؟ اگر میری جگہ کوئی دوسرا ہوتا تو وہ سیدھے سادے لفظوں میں صرف یہ کہتا کہ المہند اکابر علماء دیوبند کے دجل' مکر' فریب' افتراء' عیاری' چالبازی کا مجموعہ ہے مگر میں تو محض اتنی سی بات پر قناعت کرتا ہوں کہ المہند ایک ایسی کتاب ہے جس سے علماء دیوبند کے بطلان کا پتہ چلتا ہے۔

اگر المہند صحیح ہے تو حفظ الایمان کو کہیں دریا برد کر کے تھانوی صاحب کے مریدین کو مناظرہ سے بے خوف ہو کر آرام کی نیند سونا چاہیے۔ آخر ش مناظرہ کے ڈر سے کیوں نیند حرام کیے ہیں؟ اور تقویۃ الایمان کو چپکے سے دفن کر کے ہمیشہ کے لئے کتابوں کی فہرست

سے اس کا نام خارج کر دیا جائے اور تحذیر الناس کے ٹائٹل پر کسی قادیانی مولوی کا نام اور ایسے ہی فتاویٰ رشیدیہ کے سرورق پر اگر کوئی نہ مل سکے تو مولانا حشمت علی خان صاحب مرحوم کا نام دے کر اعلان کر دیجئے کہ یہ ہم لوگوں کی کتاب نہیں بلکہ قادیانیوں اور سنیوں کی ہے جس کو ہمارے نام سے شائع کر دیا گیا ہے جب آپ حضرات کی جرات و جسارت المہند جیسی بے بنیاد کتاب کی اشاعت کر سکتی ہے تو ایسا کرنے میں کون آپ کی کلائی تھام سکے گا؟

اور اگر حفظ الایمان 'تحذیر الناس' براہین قاطعہ و تقویۃ الایمان پر آپ کا ایمان ہے تو کسی دن علی رؤس الاشہاد المہند کا جنازہ نکالئے اور مولانا جلیل احمد و مولانا محمود الحسن وغیرہ کی قبر کے پاس اس کو بھی دفن کر کے اعلان کر دیجئے کہ ہمارے بزرگوں نے المہند کی اشاعت کی تھی مگر اب اس کا بازار سرد پڑ گیا اس لئے اب ہم لوگ المہند کی جگہ الخث کی اشاعت کریں گے جس میں المہند اور تقویۃ الایمان کا درمیانی مذہب ہوگا۔ (لائیز کرلایوٹ)

اور ایسے ہی ہر سو پچاس برس کے بعد ایک من گھڑت کتاب لکھتے رہیے۔ ہر سال آپ کی جماعت کے اکابر و اساطین سرکاری حج کے لئے حجاز جایا ہی کرتے ہیں علماء حرمین سے دستخط حاصل کرتے رہیں جب دستخط کا ڈھیر اور پلندہ حاصل ہو جائے تو الجمعیۃ پریس سے اس کی اشاعت کر دیا کیجئے۔

کہنا یہ ہے کہ علماء دیوبند کی بعض کفری عبارات کو علماء اہل سنت نے علماء حرمین کی خدمت میں پیش کیا تو علماء مکہ مکرمہ و علماء مدینہ منورہ نے ان عبارات کو دیکھ کر قانون شریعت کے مطابق علماء دیوبند کی تکفیر کی جس کی اشاعت "حسام الحرمین" کے نام سے کی گئی ہے۔ حسام الحرمین کی اشاعت پر دیوبند میں تہلکہ مچ گیا اور اس کے تکذیب کی ترکیبیں سوچی گئیں اور یہ طے پایا کہ اپنے فرضی عقائد کو سوالات کی شکل میں علماء حرمین کی خدمت میں پیش کرنا چاہیے۔ چنانچہ اپنے نہیں بلکہ اہلسنت کے عقائد کو سوال کی شکل میں مرتب کیا اور علماء حرمین کی خدمت میں پیش کر کے ان کے دستخط حاصل کئے یا علماء حرمین کے فرضی دستخط سے المہند کے نام سے اس کی اشاعت کر دی گئی خدا ہی بہتر جانتا ہے سچ پوچھئے تو علماء دیوبند نے المہند کی اشاعت سے اپنی جڑیں اور بنیادیں کھوکھلی کر دیں۔ اس کتاب کی اشاعت پر ان لوگوں نے خود اپنے ہاتھ پاؤں پر کلہاڑی ماری ہے۔ حسام الحرمین کی اشاعت پر انتہائی

دحشت دبو کھلاہٹ میں یہ لوگ وہ کر گئے جس کو کوئی دیوبندی مولوی ہوش و حواس میں کبھی بھی گوارا نہیں کر سکتا اور سچ تو یہ ہے کہ المہند کی اشاعت سے دیوبندیوں نے اپنا کم اور سنیوں کا کام زیادہ انجام دیا ہے اس خوف سے اپنے عقائد قلمبند نہ کر سکے کہ اس کا بھی وہی جواب ہو گا جو حسام الحرمین میں ہے لہٰذا اپنے عقائد کو توڑ مروڑ کر مرتب کیا جو اہل سنت کے عقائد میں یا ان سے قریب تر انشاءاللہ کتاب کے آخری صفحات پر المہند اور تقویۃ الایمان اور حفظ الایمان کا ایک اجمالی موازنہ پیش کروں گا جس سے آپ اندازہ کر سکیں گے کہ المہند اور تقویۃ الایمان میں کسی ایک ہی کتاب کو صحیح کہا جا سکتا ہے۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ بیک وقت دونوں کتابیں صحیح مانی جا سکیں دونوں کتابوں کو صحیح ماننا گویا آگ اور پانی کو ایک ہی جگہ جمع کرنا ہے۔ اب تک تو یہی معلوم ہے کہ "اجتماع نقیضین" محال ہے ہاں اگر دیوبند نے کسی نئے فلسفہ کی بنیاد ڈالی ہو جس میں اجتماع نقیضین کے محال نہ ہونے پر کوئی قابل تسلیم دلیل قائم کی گئی ہو تو اس کا پیش کرنا ان کے ذمہ ہے۔ ھاتوا برھانکم ان کنتم صادقین.

بات بہت دور آ گئی۔ مضمون یہ چل رہا تھا کہ متعدد علماء دیوبند نے عبدالوہاب نجدی کی تعریف و توصیف کی اور بعض لوگوں نے اس کو ظالم' باغی' خونخوار وغیرہ کہا جیسا کہ مولوی حسین احمد ٹانڈوی کی کتاب شہاب ثاقب سے اس کا حوالہ پیش کیا گیا ہے۔

اب المہند صفحہ ۱۳ کی عبارت ملاحظہ فرمایئے جس پر تمام اکابر علماء دیوبند کے دستخط ہیں۔

"ہمارے نزدیک ان کا (عبدالوہاب نجدی کا) وہی حکم ہے جو صاحب در مختار نے فرمایا ہے"

یعنی عبدالوہاب فاسق' خونخوار باغی تھا۔

اب دارالعلوم دیوبند کے سابق شیخ الحدیث جناب مولوی محمد انور صاحب کشمیری کی رائے ملاحظہ فرمایئے۔

مقدمہ فیض الباری

امام محمد بن عبدالوهاب النجدی فانه كان رجلا بليداً قليل العلم فكان يشارع الى الحكم بالكفر

محمد بن عبدالوہاب نجدی ایک کم علم اور کم فہم انسان تھا اور اس کے لئے کفر کا حکم لگانے میں اسے کوئی باک نہیں تھا۔

آخری فیصلہ:- اب ناظرین انصاف فرمائیں کہ ایک طرف مولانا رشید احمد گنگوہی مولانا محمد عامر عثمانی، پروفیسر فیروز الدین روحی، مولانا مسعود عالم ندوی اور مولانا تھانوی کی جماعت ہے کہ یہ لوگ شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدی کے مداح اور اپنے کو اس کا پیرو سمجھتے ہیں۔

یہ ضرور ہے کہ اس جماعت میں مولانا تھانوی کی حیثیت "تھالی کے بینگن" جیسی ہے نیم دروں نیم بروں اشرف السوانح میں وہابی ہونے کا اقرار اور اس پر طرفہ تماشہ یہ کہ المہند پر آں جناب کی تصدیق ہے۔ اس فلسفہ کو مولانا تھانوی کے خلفاء اور مریدین ہی زیادہ سمجھ سکتے ہیں۔

ہم سے کچھ، غیروں سے کچھ اور درباں سے کچھ

اور دوسری جماعت میں مولانا کفایت اللہ، مولانا خلیل احمد انبیٹھوی، مولانا محمد انور کشمیری، مولانا محمود الحسن دیوبندی اور مولانا حسین احمد ٹانڈوی وغیرہ ہیں۔ شیخ عبدالوہاب نجدی کے بارے میں ان لوگوں کا وہی مسلک ہے جو علامہ شامی کا ہے یعنی عبدالوہاب نجدی ظالم، باغی، لٹیرا، خونخوار، فاسق اور کم علم تھا۔

انصاف تو ناظرین کے ہاتھ ہے کہ مولانا ٹانڈوی اور مولانا گنگوہی میں پیری مریدی کا رشتہ ہے مولانا ٹانڈوی مولانا گنگوہی کے چہیتے مریدوں میں ہیں مگر پیر کچھ کہتا ہے اور مرید کچھ۔

عجب کچھ پھیر میں ہے سینے والا جیب و داماں کا
جو یہ ٹانکا تو وہ ادھڑا جو وہ ادھڑا تو یہ ٹانکا

مولانا ٹانڈوی کی بات مانئے تو گنگوہی صاحب کا دامن ہاتھ سے جاتا رہا اور گنگوہی صاحب کی بات مانئے تو ٹانڈوی صاحب سے رشتہ منقطع۔

نہیں معلوم میکدۂ گنگوہ کے طالبان راہ ساقی میخانہ کی زلفوں کا پیچ و خم کس طرح سلجھاتے ہیں یہ سوال جناب ٹانڈوی صاحب کی خدمت میں بھی پیش ہو چکا ہے کہ شیخ نجدی کے بارے میں گنگوہی صاحب کی کچھ رائے ہے اور آپ کی کچھ، تو جواب میں ٹانڈوی صاحب نے کیسا حسین گریز فرمایا ہے۔ ملاحظہ کیجئے۔

مکتوبات شیخ جلد دوم صفحات ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹

"جو عبارت اس (شیخ نجدی) کی تحسین میں لکھی گئی ہے وہ محض سنی سنائی باتوں پر مبنی ہے حضرت گنگوہی قدس سرہ العزیز اس کتاب (شامی) پر بہت زیادہ اعتماد فرماتے تھے عموماً ان کے فتاوے اسی کتاب سے ماخوذ ہیں۔"

کیا کہنا ہے مولانا ٹانڈوی کا پیرومرشد ہمیشہ شامی ہی سے فتاوے دیتے رہے۔ ساری کتاب تو چھان ڈالی مگر یہ نظر نہ آیا کہ شیخ عبدالوہاب نجدی ظالم، فاسق، خونخوار تھا یا متبع سنت؟

حالانکہ گنگوہی صاحب کی نگاہ شامی کے ہر صفحہ و ہر سطر پر تھی۔ ملاحظہ فرمایئے ارواح ثلاثہ صفحہ ۲۹۲ کی عبارت جو مولانا گنگوہی کی تعریف و توصیف سے بھرپور ہے۔

"خان صاحب نے فرمایا کہ حضرت گنگوہی رحمتہ اللہ علیہ نے مولوی یحییٰ صاحب کاندھلوی سے فرمایا کہ فلاں مسئلہ شامی میں دیکھو، مولوی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت! وہ مسئلہ شامی میں تو ہے نہیں فرمایا یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ لاؤ شامی اٹھا لاؤ۔ شامی لائی گئی حضرت (یعنی مولوی رشید احمد گنگوہی) اس وقت آنکھوں سے معذور ہو چکے تھے شامی کے دو ثلث دائیں جانب کر کے اور ایک ثلث بائیں جانب کر کے اندازے سے کتاب ایک دم کھولی اور فرمایا کہ بائیں طرف کے صفحہ پر نیچے کی جانب دیکھو۔ دیکھا تو مسئلہ اسی حصہ میں موجود تھا سب کو حیرت ہوئی (گنگوہی صاحب) نے فرمایا کہ حق تعالیٰ نے مجھ سے وعدہ فرمالیا ہے کہ میری زبان سے غلط نہیں نکلوائے گا۔"

کوا کھانے کے باوجود گنگوہی صاحب آنکھوں سے معذور ہو چکے تھے مگر بایں ہمہ شامی کے صفحات وسطریں ذہن میں محفوظ تھیں اور اسی پر بس نہیں بلکہ ان کے اللہ صاحب وعدہ فرما چکے تھے کہ گنگوہی صاحب کی زبان سے غلط نہیں نکلوائیں گے حالانکہ خود گنگوہی صاحب کے دین و دھرم میں ان کے اللہ صاحب جھوٹ بول چکے ہیں اور ہر وقت جھوٹ بولنے کا امکان ہے نہ جانے ان کے اللہ صاحب کی کیسی خدائی ہے خود تو جھوٹ بولیں گے مگر اپنے بندوں سے وعدہ کرلیں کہ تمہاری زبان سے جھوٹ نہ نکلے گا۔

اب فرمائیں مولانا ٹانڈوی کے متبعین بالخصوص مولانا عامر عثمانی کے اسعد سلمہ زید

علمہ کہ بات ان کے والد بزرگوار کی صحیح ہے یا ان کے پیر و مرشد مولانا گنگوہی کی۔

الٹی سمجھ کسی کو بھی ایسی خدا نہ دے
دے آدمی کو موت پر یہ بد ادا نہ دے

ممکن ہے ناظرین کو تشویش اور خلجان ہو کہ مولانا تھانوی اور مولانا گنگوہی جیسے ذمہ داران دیوبند کی کتابوں میں کیونکر اس قسم کا اختلال اور تضاد واقع ہو سکتا ہے اور ایسی غیر محتاط عبارات کس طرح نوک قلم پر آسکتی ہیں جب کہ ایک مبتدی و ناپختہ کار سے بھی ایسی غلطیاں شاذ و نادر ہی واقع ہوتی ہیں۔

ناظرین کے قلب و جگر کا چبھتا ہوا کانٹا دور کرنے کے لئے اپنے ضمیر و مذاق کے خلاف محض یقین دہانی کی خاطر چند واقعات نقل کرتا ہوں جس سے یہ اندازہ ہو سکے گا کہ علماء دیوبند اپنی تحریر و مجلسی گفتگو میں کس حد تک غیر محتاط واقع ہوئے ہیں۔ یہ بات اگر سنی سنائی اور محض روایتی ہوتی تو میں ہرگز اس کو معرض تحریر میں نہ لاتا مگر واقعات شائع ہو چکے ہیں اس لئے میری حیثیت محض ناقل کی ہے جس پر دیوبندی مکتبہ فکر کو ناک بھوں چڑھانے کے بجائے سنجیدگی سے کام لینا چاہیے۔

کوئی کوئی بڑا دلچسپ باب ہے اس میں
کہیں کہیں سے محبت کی داستان سن لو

تذکرۃ الرشید جلد دوم صفحہ ۲۴۵

"آپ (یعنی مولوی رشید احمد گنگوہی) ایک مرتبہ خواب بیان فرمانے لگے کہ مولوی محمد قاسم کو میں نے دیکھا کہ دلہن بنے ہوئے ہیں اور مرا نکاح ان کے ساتھ ہوا۔ پھر تعبیر فرمائی کہ آخر ان کے بچوں کی کفالت کرتا ہی ہوں۔

دوسرا خواب ملاحظہ فرمایئے تذکرۃ الرشید حصہ دوم صفحہ ۲۸۹

"مولوی رشید احمد گنگوہی نے ایک بار ارشاد فرمایا میں نے ایک بار خواب دیکھا تھا کہ مولوی محمد قاسم صاحب دلہن کی صورت میں ہیں اور میرا ان سے نکاح ہوا ہے سو جس طرح زن و شوہر میں ایک دوسرے کو فائدہ پہنچتا ہے اسی طرح مجھے ان سے

اور انہیں مجھ سے فائدہ پہنچا ہے۔"

چند سطر بعد یہ توضیح اور ہے حکیم محمد صادق کاندھلوی نے کہا۔

"الرجال قوامون علی النساء یعنی مرد حاکم ہیں عورتوں پر آپ نے یعنی گنگوہی صاحب نے فرمایا آخران کے بچوں کی تربیت کرتا ہی ہوں۔"

یہ جواں سال امنگیں یہ اچھوتے ارماں
کس کی جھولی میں یہ انمول ستارے بھر دوں

"بلی کو خواب میں چھیچھڑے ہی نظر آتے ہیں" کے مطابق مولانا گنگوہی کو بھی خواب میں مولانا قاسم ہی نظر آتے تھے۔ اس سے گنگوہی صاحب کے فلک پیما افکار و خیالات کا پتہ چلتا ہے۔ یہ تو خواب و خیال کی باتیں تھیں اب خانقاہ گنگوہ کی ایک محبت آمیز کہانی سنئے کہ بھری محفل میں وہاں کیا کیا شگوفے کھلتے تھے۔

یہی کچھ امیدیں یہی آرزوئیں
مری زندگی کے یہی ہیں سہارے

ارواح ثلاثہ صفحہ ۲۸۹

"حضرت والد ماجد مولانا حافظ محمد احمد صاحب و عم محترم مولانا حبیب الرحمان رحمتہ اللہ علیہما نے بیان فرمایا کہ ایک دفعہ گنگوہ کی خانقاہ میں مجمع تھا حضرت گنگوہی اور حضرت نانوتوی کے مرید و شاگرد سب جمع تھے اور یہ دونوں حضرات بھی وہیں مجمع میں تشریف فرما تھے کہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی نے حضرت مولانا قاسم نانوتوی سے محبت آمیز لہجہ میں فرمایا یہاں ذرا لیٹ جاؤ۔ حضرت نانوتوی کچھ شرما سے گئے مگر حضرت گنگوہی نے پھر فرمایا تو بہت ادب کے ساتھ چت لیٹ گئے۔ حضرت بھی اسی چارپائی پر لیٹ گئے اور مولانا قاسم نانوتوی کی طرف کو کروٹ لے کر اپنا ہاتھ ان کے سینے پر رکھ دیا جیسے کوئی عاشق صادق اپنے قلب کو تسکین دیا کرتا ہے مولانا قاسم نانوتوی ہر چند فرماتے ہیں کہ میاں یہ کیا کر رہے ہو لوگ کیا کہیں گے حضرت (گنگوہی) نے فرمایا کہ لوگ کہیں گے تو کہنے دو۔"

بنتی نہیں ہے صبر کو رخصت کئے بغیر

کام ان کی بے قرار نگاہوں سے پڑ گیا

میری نظر میں مندرجہ بالا عبارت محتاج تبصرہ نہیں ہے ناظرین خود ہی خیال فرمائیں کہ دن دیہاڑے گنگوہ کی خانقاہ میں کیا کچھ ہوتا تھا اپنے بزرگوں کے کرتوت و کردار پر قیاس کر کے جب ہی تو حضرات دیوبند خانقاہوں کے پیچھے پڑ گئے ہیں یہ غریب و یتیم العقل سمجھتے ہیں کہ یہ خانقاہ میں وہی کچھ ہوتا ہے جو تھانہ بھون یا گنگوہ کی خانقاہ میں ہوتا ہے۔

کار پاکاں را قیاس از خود مگیر
گرچہ باشد در نوشتن شیر و شیر

بر سر راہ اشرف التنبیہ صفحہ ۴۰ کی بھی ایک عبارت ملاحظہ فرمالیجئے۔

"تھانوی صاحب رقم طراز ہیں مولانا (یعنی قاسم نانوتوی) بچوں سے ہنستے بولتے بھی تھے اور جلال الدین صاحبزادہ مولانا محمد یعقوب سے جو اس وقت بالکل بچے تھے بڑی ہنسی کیا کرتے تھے کبھی ٹوپی اتارتے کبھی کمر بند کھول دیتے تھے۔"

ندامت ہوئی حشر میں جن کے بدلے
جوانی کی دو چار نادانیاں ہیں

"تکفیری افسانے""الشہاب الثاقب""آئینہ صداقت""فسادی ملا" کے مولفین و حامیین اپنے اکابر و اساطین کا معاشقہ دیکھ کر ٹھنڈے دل سے غور کریں اور جنہیں افسانہ نویسی ہی کا شوق ہے انہیں تکفیری افسانے کے بجائے اکابر دیوبند کے عشق و محبت کا افسانہ مرتب کرنا چاہیے جس میں ایک معنوی رابطہ بھی ہے بھلا افسانے کا تکفیر کے ساتھ کیا جوڑ اور پیوند ہے؟ خانقاہ گنگوہ کے ایک عاشق صادق کی ایسی دلگداز جاں نواز کہانی لکھئے جس کو پڑھ کر وامق و عذرا، شیریں و فرہاد قیس و لیلیٰ کی داستان عشق و محبت کو دنیا بھول جائے۔ پھر تو کشور محبت میں آپ ہی آپ ہوں گے اور آپ کا چرچا ہوگا!

کتنے غضب کی بات ہے خانقاہ گنگوہ میں ایک عاشق صادق کے ہاتھوں صبر و شکیب کا دامن چھوٹ گیا۔ آبگینہ دل ٹوٹ کر چور چور ہو گیا مگر تکفیری افسانے کے مولف کے کان پر جوں تک نہ رینگی۔ حالانکہ خلف صادق کو تو یہ کرنا چاہیے تھا کہ گنگوہ اور دیوبند کی درد بھری کہانی کے نام کوئی افسانہ لکھ کر اپنے بزرگوں کے عشق و محبت کو زندگی جاوید بخش

دیتے۔

خانقاہ گنگوہ کی بھری محفل میں مولانا قاسم شرما شرما کر کہتے تھے کہ میاں یہ کیا کر رہے ہو مگر گنگوہی صاحب ہوسنا کیوں کے ہاتھ مجبور ہو کر صبر و ضبط کو آخری سلام کر بیٹھے۔

جا اور کوئی ضبط کی دنیا تلاش کر
اے عشق ہم تو اب ترے قابل نہیں رہے

کیا تعجب ہے کہ مرزا غالب نے انہیں سب واقعات کے پیش نظر یہ شعر کہا ہو۔

ہر بو الہوس نے حسن پرستی شعار کی
اب آبروئے شیوۂ اہل نظر گئی

"دیوبندیوں کے یہاں لفظ میاں بھی عجیب و غریب حیثیت رکھتا ہے کہیں رشید میاں کہیں اللہ میاں "اللہ تعالیٰ کے لئے انہیں کوئی دوسرا لفظ نہیں ملتا"

اگر تکفیری افسانے کے مولف کو زحمت نہ ہو تو ان سے ایک بات دریافت کرنی ہے کہ ہند و پاک کا وہ طبقہ جس کے زبان و قلم سے عشق رسول اور عظمت اولیاء کا اظہار ہوتا ہے انہیں بدعتی، مولودی اور قبر پجوا کہہ کر آپ لوگ میلاد، فاتحہ و عرس و قیام کے لئے قرآن و حدیث کی دلیلیں طلب کرتے ہیں اب ذرا ایک عاشق صادق کی قیامت خیز داستان عشق و محبت کے پیش نظر یہ فرمایئے کہ جس طرح نانوتوی صاحب اور گنگوہی صاحب خانقاہ گنگوہ میں لیٹے تھے۔ اس طرح لیٹنے اور گفتگو کرنے کا حکم قرآن کی کس آیت، صحاح ستہ کی کس حدیث میں ہے ایک عام مسلمان بھی جانتا ہے کہ سرکار رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ۔

" الحیا شعبة من الایمان
حیا ایمان کا ایک شعبہ ہے

مگر اس بے حیائی قرآن و حدیث کا کوئی ٹکڑا پیش نہیں کیا جا سکتا جب کہ قرآن و حدیث کا مقصد شرم و حیا کی تلقین ہے نہ کہ بے حیائی کی۔ میلاد و فاتحہ پر برہان و دلیل طلب کرنے والوں کی غیرت ایمانی یہاں کیوں سو گئی ہے یہی وہ مقام ہے جہاں پہنچ کر حضرات دیوبند کے اتباع سنت کی قلعی کھل جاتی ہے اب معاملہ میلاد و فاتحہ کا نہیں ہے بلکہ اپنے مولویوں کے کرتوت و کردار کی باری ہے جن کی ولایت و کرامت کا خطبہ پڑھتے پڑھتے زبان گھس گئی ہے۔

کار شیطاں می کند نامش ولی
گر ولی این است لعنت بر ولی

مناسب ہو گا کہ اسی مقام پر مولانا تھانوی کے بلندی کردار و مکارم اخلاق و پختگی رائے کی ایک جھلک پیش کر دی جائے تاکہ۔

قیاس کن زگلستان من بہار مرا

کے مطابق آپ کو رائے قائم کرنے میں سہولت و آسانی ہو۔

سیف یمانی صفحہ ۲۳ و ۲۴ مرتبہ مولوی منظور صاحب نعمانی دیوبندی تھانوی صاحب اپنے ابتدائی دور میں کانپور میں تھے تو وہاں کے وجوہ اقامت بیان کرتے ہیں۔

"تیسرے میں نے دیکھا کہ ہاں (کانپور) بدون شرکت ان مجالس (میلاد شریف) کے کسی طرح قیام ممکن نہیں' ذرا انکار کرنے سے وہابی کہہ دیا۔ درپے تذلیل و توہین ہو گئے اور شرکت بھی اسی نظر سے کہ ان لوگوں کو ہدایت ہو گی اور یوں خیال ہوتا ہے کہ اگر ایک مکروہ کے ارتکاب سے دوسرے مسلمانوں کے فرائض و واجبات کی حفاظت ہو تو اللہ تعالیٰ سے امید تسامح ہے' بہر حال وہاں (کان پور میں) بدون شرکت "میلاد" "قیام کرنا قریب بمحال دیکھا اور منظور تھا وہاں رہنا کیونکہ منفعت بھی ہے کہ مدرسہ سے تنخواہ ملتی ہے۔"

دنیاوی منفعت اور تنخواہ کا ملنا یہ ہے ٹیپ کا بند اکسی نے کیا پتے کی بات کہی ہے

کیا جھوٹ کا شکوہ تو یہ جواب ملا
تقیہ ہم نے کیا تھا ہمیں ثواب ملا

تھانوی صاحب ان بزرگوں میں ہیں کہ تقیہ کر کے خوب خوب ثواب لوٹ چکے ہیں اس عبارت کا خلاصہ اور نچوڑ یہ ہے کہ جہاں سے تنخواہ مل رہی ہو اور دنیاوی منفعت ہو وہاں تقیہ کر کے میلاد شریف میں شریک ہو جانا چاہیے اور جیسے جیسے ماحول پر قابو پاتے جائیے پھر انہیں محافل کو شرکت و بدعت و کنہیا کا جنم کہیے۔

چنانچہ آج تک دیوبندیوں کا یہی دستور ہے جہاں دیکھیں گے سنیوں کی اکثریت ہے وہاں بگلا بھگت بن کر میلاد میں شرکت کریں گے اور جب دس پانچ سادہ لوح ان کے دام

تزویر میں آجائیں گے تو شبرات کے حلوے اور قیام میلاد پر ناک بھوں چڑھا کر ان غریب سنیوں سے قرآن وحدیث کی دلیل طلب کریں گے۔ جہاں کے "سنی" مسائل آشنا اور تجربہ کار ہوتے ہیں وہ یہ کہہ کر برخوردار کا ٹکٹ کٹا دیتے ہیں کہ "ہماری بلی اور ہمیں سے میاؤں" ہمارا ہی کھاتے ہو اور ہم پر غراتے ہو' جاؤ کہیں اور کا راستہ لو جہاں میلاد و فاتحہ کا دستور نہ ہو مگر بعض مقامات ایسے بھی ہیں جہاں کے لوگ ان روباہ صفت مولویوں کے دجل وفریب میں آگئے اور یہ کہہ کر ان سے رشتہ وناطہ جوڑ لیا کہ یہ بھی تو مولانا صاحب ہیں حالانکہ وہ غریب بات کی تہہ تک نہ پہنچ سکے اور دھیرے دھیرے دیوبندیت ان کے سر پر مسلط ہوگئی۔

اس لئے سنیوں کو چاہیے جہاں کہیں بھی ایسی صورت پیدا ہو جائے فتوئی اور دلیل طلب کرنے سے پہلے ایسے دشمن رسول کو اپنے یہاں سے رخصت کر دیں پھر کسی سنی عالم سے مسائل کو سمجھتے رہیں۔ چنانچہ مولوی اشرف علی تھانوی نے کان پور میں ایسے ہی کیا کہ ابتداءً بھیگی بلی بنے رہے اور جیسے جیسے رنگ چوکھا ہوتا گیا ویسے ویسے وہابیت کا پرچار کرنے گئے افسوس ہے کہ سنیوں کے سامنے ان کے مکروفریب کی سینکڑوں مثالیں ہوتے ہوئے بھی اس کو بھول بیٹھے ہیں۔

یہ وہی تھانوی صاحب ہیں جن کے سفر میں ابر کا ہو جانا ضروری تھا یہ کچھ تھانوی صاحب ہی کی کرامت نہیں بلکہ "تھانہ بھون" اور "نانوتہ" کی مٹی ہی میں کچھ ایسی تاثیر ہے!

ارواح ثلاثہ ص ۳۲۲ کی ایک روایت ملاحظہ کیجئے۔

"فرمایا کہ مولوی معین الدین صاحب حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب کے سب سے بڑے صاحبزادے تھے وہ حضرت مولانا کی ایک کرامت جو بعد وفات واقع ہوئی بیان فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ نانوتہ میں جاڑا بخار کی بہت کثرت ہوئی۔ سو جو شخص کہ قبر سے مٹی لے جا کر باندھ لیتا تو اسے آرام ہو جاتا۔ بس اس کثرت سے مٹی لے گئے کہ جب بھی قبر پر مٹی ڈالو تب ہی ختم' کئی مرتبہ ڈال چکا' پریشان ہو کر ایک دفعہ میں نے مولانا کی قبر پر جا کر کہا کہ آپ کی تو کرامت ہوئی اور ہماری مصیبت ہو گئی۔ یاد رکھو اگر اب کوئی اچھا کام ہوا تو ہم مٹی نہ ڈالیں گے ایسے ہی پڑے رہیو لوگ جوتا پہن کر تمہارے اوپر ایسے ہی چلیں گے بس اسی دن سے آرام نہ ہوا' جیسے

شہرت آرام کی ہوئی تھی ویسے ہی یہ شہرت ہوگئی کہ اب آرام نہیں ہوتا پھر لوگوں نے مٹی لے جانا بند کر دیا۔"

مذکورہ بالا عبارت کا رخ اور تیور ملاحظہ فرمایئے کہ صاحب قبر سے عدم شفا کی درخواست اس بنیاد پر نہیں کی گئی کہ مخلوق خدا شرک و بدعت میں مبتلا ہو گئی ہے بلکہ خاندان والے قبر پر مٹی ڈالتے ڈالتے تھک کر چور ہو گئے ہیں یہ بات تو اجمیر و کلیر میں پہنچ کر شرک و بدعت ہو جاتی ہے یہاں تو تھانہ بھون اور نانوتہ کے بزرگوں کی کرامت بیان کرنی مقصود ہے۔

کوچہ جاناں سے خاک لائیں گے
اپنا کعبہ الگ بنائیں گے

چڑ تو غریب نواز' پیران کلیر' خواجہ قطب اور محبوب الٰہی سے ہے نہ کہ نانوتہ کے بزرگوں سے اور صرف مٹی میں ہی شفا نہ تھی بلکہ صاحب قبر خاندان والوں کی آواز سنتے اور ان کی باتیں بھی مان لیتے تھے۔ مگر اللہ کے پیارے محبوب خلاصہ کائنات سرکار ابد قرار روحی فداہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر اس بہتان تراشی وافترا پردازی پر شرم نہ آئی کہ۔

"میں بھی ایک دن مر کر مٹی میں ملنے والا ہوں۔" (تقویۃ الایمان ص ۹۶)

خیال فرمایئے کہ نانوتہ کے مردوں کی قبر سے شفا ہو' وہ آواز دینے والوں کی آواز سنیں مگر پیغمبر اسلام صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم "مر کر مٹی میں مل گئے" معاذ اللہ ثم معاذ اللہ' اور آج تک توفیق نہ ہوئی کہ علماء دیوبند اپنی ان ناپاک عبارات سے توبہ کر لیتے! بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے اس میں تو ان کے بزرگوں کے علم و قلم کی توہین ہے۔

رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی توہین ٹھنڈے دل گوارا ہے مگر ان کے بزرگوں کے قلم پر حرف نہ آئے۔

اگر تقویۃ الایمان ہی دیوبندی دھرم میں دین و ایمان ہے تو تقویۃ الایمان ہی کی روشنی میں انہیں اس عبارت کو خارج کر دینا چاہیے۔

تقویۃ الایمان صفحہ ۶۴

"یہ بات محض بے جا ہے کہ ظاہر میں لفظ بے ادبی کا بولے اور اس سے کچھ اور معنی

مراد لے۔"

تقویۃ الایمان کی مندرجہ بالا عبارت نے ان عبارات میں توجیہہ و تاویل کا دروازہ بند کر دیا جن کے ظاہر میں رسول خدا کی توہین و تنقیص ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ حضرات دیوبندیہ کہہ کر اپنا دامن نہ بچا سکیں گے کہ اس عبارت میں "میں "معنی میں سے کے ہے یعنی مر کر مٹی سے مل گئے" جہاں کہ بعض کٹھ حجت لوگ جواب دیا کرتے ہیں۔

انصاف و ایمان کا تقاضا تو یہ تھا کہ آپ اپنی کتابوں سے ان گندہ و پھوہڑ عبارات کو خارج کر کے اپنی حق پرستی وللّٰہیت کا ثبوت دیتے مگر مشکل یہ آن پڑی ہے کہ جہاں ان عبارات کو آپ نے خارج کیا' فتاویٰ گنگوہی کے مطابق ایمان آپ سے کوسوں دور اور اسلام آخری سلام کر کے رخصت ہو جائے گا۔

ملاحظہ ہو فتاویٰ رشیدیہ جلد اول صفحہ ۱۱۵

"اور کتاب تقویۃ الایمان نہایت عمدہ کتاب ہے اور رد شرک و بدعت میں لاجواب ہے اسدلال اس کے بالکل کتاب اللہ اور احادیث سے ہیں اس کا رکھنا اور پڑھنا عین اسلام ہے۔"

پوری تقویۃ الایمان عین اسلام ہے اگر اس کی ایک عبارت خارج کر دی گئی تو ایمان کا ایک حصہ رخصت ہو جائے گا تف ہے ایسی کتاب پر اور لعنت ہے ایسی گندہ ذہنیت پر گنگوہی صاحب فرماتے ہیں تقویۃ الایمان کے استدلال کتاب اللہ اور احادیث سے ہیں تو کوئی دیوبندی صلاحب یہ بتلادیں کہ مذکورہ بالا عبارت کس آیت یا کس حدیث کا ترجمہ ہے یا محض قرآن و حدیث بولنے کا خبط سوار ہے۔

وہابیوں میں شرم کا کچھ بھی اثر نہیں
ہے اعتراض غیروں پہ اپنی خبر نہیں

پہلے اپنے گھر کی خبر لیجیے پھر کہیں میلاد و فاتحہ کرنے والوں پر آنکھیں لال پیلی کر کے اعتراض کی جرات کیجیے۔

ابھی تو آپ حضرات نے محض نانوتہ کی ایک قبر کا مضحکہ خیز حال سنا ہے اب اسی ضمن

میں دو ایک اور بھی فرضی و من گھڑت کرامات کا حال سنتے چلئے۔

ارواح ثلاثہ ص ۲۰۱

"فرمایا کہ ایک صاحب کشف حضرت حافظ محمد ضامن تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر فاتحہ پڑھنے گئے' بعد فاتحہ کہنے لگے کہ بھائی یہ کون بزرگ ہیں بڑے دل گی باز ہیں' فاتحہ پڑھنے لگا تو مجھ سے فرمانے لگے جاؤ فاتحہ کسی مردہ پر پڑھیو یہاں زندہ پر فاتحہ پڑھنے آئے ہو' یہ کیا بات ہے' جب لوگوں نے بتلایا کہ یہ شہید ہیں۔"

نوٹ: تھانہ بھون کے شہید کی قبر پر نیاز و فاتحہ درست ہے مگر سید سالار مسعود غازی رحمۃ اللہ علیہ کی قبر مبارک پر جانا شرک و بدعت ہاں اگر روپیہ و نذرانہ ملے تو وہاں کی حاضری درست ہے جیسا کہ شاہ جہان پوری[۱] حضرت سال بہ سال آستانہ بہرائچ پر حاضر ہوتے ہیں ایسے ہی زرخیز مقامات پر مولانا تھانوی کی پیروی کام دے جاتی ہے۔

ارواح ثلاثہ ص ۲۸۸ کی ایک اور عبارت ملاحظہ فرمائیں۔

"خان صاحب نے یہ فرمایا کہ حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے خود مجھ سے فرمایا کہ جب میں ابتداءً گنگوہ کی خانقاہ میں آکر مقیم ہوا ہوں کہ خانقاہ میں بول و براز نہ کرتا تھا بلکہ باہر جنگل جاتا تھا حتی کہ لیٹنے پہن کر چلنے پھرنے کی ہمت نہ ہوتی تھی۔"

نوٹ: اب کوئی دریافت کرے علماء دیوبند سے کہ گنگوہی صاحب کس آیت یا کس حدیث کی اتباع میں اس نوعیت کا احترام کرتے تھے آخرش گنگوہ میں مساجد بھی ہوں گی اس میں استنجا بھی ہو گا۔ اس میں تو گنگوہی صاحب نے بول و براز کیا ہی ہو گا۔ تو کیا خانقاہ کا مرتبہ خانہ خدا سے بھی بڑھ گیا۔؟

قربان جایئے اس الٹی کھوپڑی پر کہ خانقاہ گنگوہ کا استنجا خانہ تو مقام ادب و احترام ہے مگر اولیاء کرام کے مزارات لائق ادب و احترام نہیں۔

ابھی چند برس کی بات ہے کہ سلطان الہند سیدی سرکار معین الدین اجمیری سنجری رحمۃ اللہ علیہ کے گنبد مبارک پر وہابی دیوبندی طلباء نے نجاست پھینکی تھی جس پر بھارت

---

[۱] مولوی ابو الوفاء مولوی محمد قاسم

کے تمام ہی سنی مسلمانوں نے غم و غصے کا اظہار کیا تھا۔ بعض اخباروں و رسائل میں بھی یہ خبر شائع ہوئی تھی۔ یہ پروردگار عالم کا قہر و غضب اور اسکی پھٹکار نہیں تو اور کیا ہے کہ مزارات اولیاء کی تعظیم و تکریم سے گریز کرنے والے سے استنجاخانہ کی تعظیم و توقیر کرائی گئی۔

یہ تو اپنی اپنی قسمت اور اپنا اپنا نصیبہ ہے کہ مزارات اولیاء کے سامنے کوئی باادب کھڑا ہے اور کوئی استنجاخانہ کے سامنے دست بستہ حاضر ہے۔ ناظرین یہ نہ خیال فرمائیں کہ بات ختم ہو گئی۔

یہ قصہ لطیف بھی نا تمام ہے
جو کچھ بیاں ہوا ہے وہ آغاز باب تھا

ارواح ثلاثہ ص ۲۴۰ کی عبارت ملاحظہ فرمایئے۔

"مولانا رفیع الدین صاحب فرماتے تھے کہ میں پچیس برس حضرت مولانا نانوتوی کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں اور کبھی بلا وضو نہیں گیا میں نے انسانیت سے بالادرجہ ان کا دیکھا وہ شخص ایک فرشتہ مقرب تھا جو انسانوں میں ظاہر کیا گیا۔"

نوٹ: مولانا نانوتوی ایک فرشتہ مقرب تھے جو انسانوں کی شکل میں ظاہر کئے گئے تھے دربار قاسم میں ادب و احترام کا یہ عالم کہ ان کا پرستار و پجاری پچیس برس مسلسل باوضو حاضر ہو تا رہا۔ گویا وہ بھی کوئی نماز تھی کہ بغیر وضو کے حاضری قبول نہ ہوتی۔

مناسب ہے کہ اسی مقام پر تقویۃ الایمان کی دو چار عبارتیں پیش کر دی جائیں جس سے دیوبندی مشن کے صحیح خدوخال سامنے آجائیں۔

تقویۃ الایمان صفحہ ۶۸

"انسان آپس میں سب بھائی ہیں جو بڑا بزرگ ہو وہ بڑا بھائی ہے سو اس کی بڑے بھائی کی سی تعظیم کیجئے۔"

نوٹ: واضح رہے کہ اس عبارت میں بڑے بزرگ سے انبیاء و اولیاء سب ہی مراد ہیں۔

چنانچہ اس کے بعد لکھا ہے کہ جتنے اللہ کے بندے ہیں وہ سب انسان ہی ہیں اور بندہ

عاجز اور ہمارے بھائی۔

تقویۃ الایمان صفحہ ۷۱ رسول کریم کی تعریف کے بارے میں آنجناب لکھتے ہیں۔

"جو بشر کی سی تعریف ہو سو ہی کرو۔ اس میں بھی اختصار ہی کرو۔"

تقویۃ الایمان صفحہ ۷۲

"جیسا کہ ہر قوم کا چودھری اور گاؤں کا زمیندار سوان معنوں میں ہر پیغمبر اپنی امت کا سردار ہے۔"

تقویۃ الایمان ص ۱۶

"ہر مخلوق بڑا ہو یا چھوٹا وہ اللہ کی شان کے آگے چمار سے بھی زیادہ ذلیل ہے"

تقویۃ الایمان کی مندرجہ بالا عبارات پڑھ کر نہ صرف علماء اہلسنت نے اظہار بیزاری کیا بلکہ دیوبند کے فاضل مولانا محمد عامر عثمانی بھی چیخ اٹھے۔

ماہنامہ "تجلی" فروری مارچ ۱۹۵۷ء کے خاص نمبر صفحہ ۷۱ کی عبارت ملاحظہ فرمائیے۔

"میں نے دیکھا کہ شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ نے تقویۃ الایمان میں فصل اول فی الاجتناب عن الاشراک کے ذیل میں لکھا ہے "ہر مخلوق بڑا ہو یا چھوٹا وہ اللہ کی شان کے آگے چمار سے بھی زیادہ ذلیل ہے" اس عبارت پر غور فرمائیے میرے نزدیک (عامر عثمانی) یہ سو فیصدی صحیح ہے لیکن کیا اس کا صاف اور بدیہی مطلب یہ نہیں ہے کہ اولیاء و صحابہ تو ایک طرف رہے۔ تمام انبیاء و رسل اور خاتم النبیین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بھی اللہ کی شان کے آگے چمار سے زیادہ ذلیل ہیں۔ کیسا خطرناک انداز بیان ہے کتنے لرزا دینے والے الفاظ ہیں اور یہ نہ سمجھئے کہ شاہ صاحب کے الفاظ کی یہ تعبیر کچھ میں اپنی طرف سے پیش کر رہا ہوں۔ نہیں یہ تعبیر تو اسی زمانے میں کی گئی اور تذکیر الاخوان اٹھا کر دیکھ لیجئے کہ بعض خطوط کتنے غصے کے آئے لیکن خود شاہ صاحب نے ان الفاظ کو درست و برحق ثابت کیا اور علماء موجود بھی ان الفاظ کو بے عیب و بے خلل ٹھہراتے ہیں۔"

نوٹ: اس عبارت کا حقیقی مفہوم تو جناب مولانا عامر عثمانی صاحب ہی سمجھ سکتے ہیں کہ تقویۃ الایمان کی عبارات لرزا دینے والی اور خطرناک ہونے کے باوجود ان کی نظر

میں پچانوے فی صدی بھی نہیں بلکہ سو فیصدی صحیح ہے لیکن یہ اعتراف تو نہیں کرنا ہی پڑا کہ اس کا انداز بیان خطرناک ہے جس پر بہت سے لوگوں کے غم و غصے کے خطوط بھی آئے ہیں۔

اب سیئیں پر الامداد کی ایک عبارت ملاحظہ فرمایئے اور میری ما سبق تحریر کہ مولانا تھانوی دیوبندیوں کے مادر زاد ولی تھے پھر تدریجاً مرتبہ نبوت پر پہنچے' یہاں تک کہ اپنے مرید سے اپنی نبوت ورسالت کا کلمہ پڑھواتے تھے اس کی شہادت و گواہی حاصل کیجئے۔

رسالہ الامداد بجریہ ماہ صفر ۱۳۳۶ھ صفحہ ۳۵' ایک مرید کا خواب و بیداری میں اشرف علی کا کلمہ پڑھنا اور تھانوی صاحب کا جواب۔

"ایک روز کا ذکر ہے کہ "حسن العزیز" دیکھ رہا تھا اور دوپہر کا وقت تھا کہ نیند نے غلبہ کیا اور سو جانے کا ارادہ کیا رسالہ حسن العزیز کو ایک طرف رکھ دیا لیکن جب بندے نے دوسری طرف کروٹ بدلی تو دل میں خیال آیا کہ کتاب کو پشت ہو گئی اس لئے رسالہ حسن العزیز کو اٹھا کر سر کی جانب رکھ لیا اور سو گیا۔ کچھ عرصہ بعد خواب دیکھتا ہوں کہ کلمہ شریف لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھتا ہوں لیکن محمد رسول اللہ کی جگہ حضور (یعنی اشرف علی) کا نام لیتا ہوں۔ اتنے میں دل کے اندر خیال پیدا ہوا کہ مجھ سے غلطی ہوئی کلمہ شریف پڑھنے میں' اس کو صحیح پڑھنا چاہیے۔ اس خیال سے دوبارہ پڑھتا ہوں۔ دل پر تو یہ ہے کہ صحیح پڑھا جاوے لیکن زبان سے بے ساختہ بجائے رسول اللہ کے نام کے اشرف علی نکل جاتا ہے حالانکہ مجھ کو اس بات کا علم ہے کہ اس طرح درست نہیں لیکن بے اختیار زبان سے یہی کلمہ نکلتا ہے (یعنی لا الٰہ الا اللہ اشرف علی رسول اللہ) دو تین بار جب یہی صورت ہوئی تو حضور کو اپنے سامنے دیکھتا ہوں اور بھی چند شخص حضور کے پاس تھے لیکن اتنے میں میری یہ حالت ہو گئی کہ میں کھڑا کھڑا بوجہ اس کے رقت طاری ہو گئی زمین پر گر گیا اور نہایت زور کے ساتھ ایک چیخ ماری اور مجھ کو معلوم ہوتا تھا کہ میرے اندر کوئی طاقت باقی نہیں رہی اتنے میں بندہ خواب سے بیدار ہو گیا لیکن بدن میں بدستور بے حسی تھی اور وہ اثر ناطاقتی بدستور تھا لیکن حالت خواب و بیداری میں

حضور ہی کا خیال تھا لیکن حالت بیداری میں کلمہ شریف کی غلطی پر جب خیال آیا تو اس بات کا ارادہ ہوا کہ اس خیال کو دل سے دور کیا جائے اس واسطے کہ پھر ایسی کوئی غلطی نہ ہو جائے بایں خیال بندہ بیٹھ گیا اور پھر دوسری کروٹ لے کر کلمہ شریف کی غلطی کے تدارک میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھتا ہوں لیکن پھر بھی یہی کہتا ہوں اللھم صلی علی سیدنا و مولانا اشرف علی" حالانکہ اب میں بیدار ہوں خواب نہیں لیکن بے اختیار ہوں مجبور ہوں زبان اپنے قابو میں نہیں اس روز ایسا ہی کچھ خیال رہا تو دوسرے روز بیداری میں رقت رہی خوب رویا اور بھی بہت سے وجوہات ہیں جو حضور کے ساتھ باعث محبت ہیں کہاں تک عرض کروں۔"

جواب: اس واقعہ میں تسلی تھی کہ جس کی طرف تم رجوع کرتے ہو وہ بعونہ تعالیٰ متبع سنت ہے۔"

تھانوی صاحب کی اس تعلیم و تلقین پر فاضل دیوبند مولانا سعید احمد اکبر آبادی سابق پرنسپل مدرسہ عالیہ کلکتہ مدیر "برہان" کی تنقید ملاحظہ فرمایئے

نہ من تنہا دریں میخانہ مستم جنید و شبلی و عطار شد مست

برہان دہلی فروری ۱۹۵۲ء صفحہ ۱۰۷

"اپنے معاملات میں تاویل و توجیہ اور اغماض و مسامحت کرنے کی مولانا (اشرف علی تھانوی) میں جو خو تھی اس کا اندازہ اس واقعہ سے بھی کیا جا سکتا ہے کہ ایک مرتبہ کسی مرید نے مولانا کو لکھا کہ میں نے رات خواب میں دیکھا کہ میں ہر چند کلمہ تشہد صحیح ادا کرنے کی کوشش کرتا ہوں لیکن ہر بار ہوتا یہ ہے کہ لا الہ الا اللہ کے بعد اشرف علی رسول اللہ منہ سے نکل جاتا ہے ظاہر ہے اس کا صاف اور سیدھا جواب یہ تھا کہ یہ کلمہ کفر ہے شیطان کا فریب اور نفس کا دھوکا ہے تم فوراً توبہ کرو اور استغفار پڑھو لیکن مولانا تھانوی صرف یہ فرما کر بات آئی گئی کر دیتے ہیں کہ تم کو مجھ سے غایت محبت ہے اور یہ سب اسی کا نتیجہ و ثمرہ ہے۔"

مت پوچھئے کہ داغ جگر میں کہاں کے ہیں

کچھ آپ کے دیئے ہیں اور کچھ آسماں کے ہیں

الامداد کی کفری عبارت پر فاضل دیوبند مولانا اکبر آبادی کی جرح و تنقید آپ نے ملاحظہ فرمائی اب لگے ہاتھ مکتوبات شیخ پر جناب نجم الدین صاحب اصلاحی کے حاشیہ کی چند سطریں ملاحظہ فرمایئے جس سے اندرون خانہ کی نوک جھونک کا پتہ چلتا ہے۔

مکتوبات شیخ حصہ دوم ص ۳۶

"مرید کو زیبا نہیں کہ ایسے الفاظ لکھے یا زبان سے نکالے جو پیغمبروں کے لئے مخصوص ہیں شیخ الاسلام مدظلہ' ان بزرگوں میں نہیں ہیں کہ مرید کی ہر بات کی توجیہ کر کے اور اس کو محبت کے دائرے کے اندر لا کر گستاخ بنائیں بلکہ سخت نکیر فرماتے ہیں۔"

اس تیر کے نشانے پر براہ راست الامداد کی عبارت ہے جس سے تھانہ بھون کے معتقدین مرغ بسمل کی طرح تڑپ رہے ہیں۔ گو اصلاحی صاحب نے الکنایۃ ابلغ من التصریح پر عمل کرتے ہوئے بات اشارے و کنائے میں کہی لیکن بات اس قدر واضح ہو گئی ہے کہ اب انہیں مجال انکار نہیں۔ بقول شاعر

یوں ترچھی نگاہوں سے مجھے قتل بھی کرنا
پھر صاف مکرنا کہ میں اس سے بری ہوں

رسالہ الامداد کی کفری عبارت پر فاضل دیوبند مولانا سعید اکبر آبادی کا یہ تبصرہ آپ کی نظر سے گزرا کہ "یہ کلمہ کفر ہے" مگر فاضل اکبر آبادی یہ نہ فرما سکے کہ "کلمہ کفر" پر راضی ہونا کیسا ہے ظاہر ہے وہ ایک ادیب ہیں۔ مدرسہ عالیہ کے پرنسپل اور "برہان" کے مدیر ہیں اس وقت وہ منصب افتاء پر فائز نہیں لہذا ایک مفتی اس قانون کے ماتحت کہ "الرضا بالکفر کفر کفر سے راضی ہونا کفر ہے" کا فتویٰ دے سکتا ہے جو موصوف کے لئے بھی قابل تسلیم ہو گا اور فتویٰ مفتی کا خانہ ساز نہ ہو گا بلکہ قانون شریعت کی روشنی میں ہو گا جس پر چراغ پا ہونے کے بجائے اپنی غلطیوں سے توبہ کر کے خدا ترسی کا ثبوت دینا چاہیے مگر اس کو کیا کہیے کہ انہیں عبارات پر آئے دن مناظرہ و مجادلہ کے لئے طبل جنگ بجتا رہتا ہے۔ ایک طرف تو جمعیۃ العلماء ہند اتحاد بین المسلمین کا نعرہ بلند کرتی ہے اور دوسری طرف ایسی ایمان سوز

کفری عبارتیں جو افتراق بین المسلمین کا باعث ہیں انہیں کو حرز جان بنائے ہوئے ہیں۔ گویا آسمان کی اتری ہوئی کوئی دستاویز ان کے ہاتھ آگئی ہے۔ فقہاء، محدثین اور مجتہدین کی کتابوں پر نقد و نظر کی گنجائش ہے مگر حفظ الایمان، تقویۃ الایمان اور فتاویٰ رشیدیہ، یہ سب کی سب منزل من السماء ہیں جس پر تنقید و تبصرہ کرنا گویا وحی الٰہی سے اعلان جنگ ہے۔ معاذ اللہ ثم معاذ اللہ! اگر علماء دیوبند و اراکین جمعیۃ العلماء ہند کے دل میں اس کا صحیح احساس ہے کہ بھارت کی آزاد فضا میں قوم مسلم چین و سکون کی زندگی گزار سکے اور احساس کمتری کے اس ہوشربا دور میں اس کا متحد پلیٹ فارم اور مشترکہ نظریہ حیات ہو تو ممبر سازی و شاخوں کے قیام سے پہلے انہیں یہ کوشش کرنی چاہیے کہ اکابر دیوبند کے بعض ذمہ داروں سے بر بناء بشریت جو غلطیاں سرزد ہو گئی ہیں اور آج تک وہی کتابیں اتحاد بین المسلمین کے مابین ایک ناقابل عبور خلیج بن کر حائل ہیں انہیں پاٹنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ اگر جمعیۃ العلماء نے اس کے لئے کوئی قدم اٹھایا تو اس کی تاریخ کا ایک نیا باب ہوگا اس میں کوئی شبہ نہیں کہ کام بظاہر بہت ہی حوصلا شکن اور ہمت آزما ہے اپنے وغیر دونوں سے جنگ کرنی پڑے گی مگر اس خدائے قدیر کی رحمتوں سے کیا بعید کہ وہ پردہ غیب سے کچھ ایسے اسباب فراہم کر دے کہ اس راہ کے نکیلے کانٹے نرم و نازک پھول بن جائیں اور مدتوں کی بچھڑی ہوئی قوم پھر شیر و شکر ہو کر اپنی کتاب زندگی کا کوئی نیا ورق الٹ سکے۔ یہ کس قدر حیرت انگیز و تعجب خیز معاملہ ہے کہ محض چند علماء کی خاطر کروڑوں مسلمانوں کا شیرازہ منتشر ہے یہ کس قدر حیرت انگیز و تعجب خیز معاملہ ہے کہ محض چند علماء کی خاطر کروڑوں مسلمانوں کا شیرازہ منتشر ہے اور آج تک اتنی بڑی اکثریت جو صدیوں حکمران رہ چکی ہو وہ اپنا کوئی موقف نہ متعین کر سکی۔ کیا اس سے بھی بڑھ کر قوم مسلم کی بدنصیبی کا کوئی وقت آئے گا!

پھر علماء دیوبند کی بعض کتابوں کی ایسی عبارتیں جس پر سبھی نکتہ سنج ہیں اگر ان سے رجوع کر لیا جائے تو اس میں شرم و حجاب کے کیا معنی؟ یا انہیں اپنے حق میں باعث ننگ و عار کیوں سمجھا جائے جب کہ شریعت مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء کا یہ قانون محکم آفتاب سے زیادہ روشن ہے کہ التائب من الذنب کمن لاذنب لہ گناہوں سے توبہ کرنے والا ایسے ہی ہے گویا اس سے گناہ ہی سرزد نہ ہوا۔ پھر یہ بھی کوئی دانشمندی ہے کہ بعض علماء دیوبند کی بعض

عبارات کو بے غبار ثابت کرنے کے لئے کروڑوں مسلمانوں کا اتحاد و اتفاق خطرے میں ڈال دیا جائے گا۔ گویا چند مردوں کی قبر پر کروڑوں مسلمانوں کو بھینٹ چڑھایا جا رہا ہے اس پر طرفہ تماشا یہ کہ علم بردار اتحاد بن کر گلی کوچوں میں پھر رہے ہیں۔ اختلافات کی چھوٹی چھوٹی نالیوں کے پاٹنے سے پہلے ان بڑے بڑے دریاؤں کو پاٹیے جہاں سے اختلافات کی ان گنت و بے شمار ندیاں بہہ رہی ہیں اگر آپ لوگوں کے سینے میں قوم و ملت کا صحیح درد و احساس ہے تو بلا خوف لومۃ لائم اٹھئے اور وہ کر گزریئے جس سے ہندی مسلمانوں کی تاریخ ہمیشہ کے لئے آپ کی مرہون کرم ہو جائے اور اگر چند کتابوں کے ہیر پھیر میں الجھ کر اس دکھیا قوم کو مصلحت کوشی و وقت شناسی کی تلقین کرتے رہے تو آپ کے حق میں قوم مسلم ہمیشہ یہ شعر دہراتی رہے گی۔

حق سے بہ عذر مصلحت وقت پہ جو کرے گریز
اس کو نہ پیشوا سمجھ اس پر نہ اعتماد کر

اگر قوم کا اعتماد حاصل کرنا ہے تو میلاد، فاتحہ، عرس و نیاز پر رزمگاہ مجادلہ طلب کرنے سے پہلے حفظ الایمان، تقویۃ الایمان جیسی کتابوں پر ٹھنڈے دل سے غور کریئے اور اہل سنت کے جائز و صحیح مطالبے کو تسلیم کر کے دنیا و دین کی متاع عزیز کو ترجیح دیجئے اور بھارت کے کروڑوں مسلمان جو محض میلاد و فاتحہ کے نام دست و گریباں ہیں ان کے سامنے قوم و ملت کا تعمیری پروگرام رکھ دیجئے۔ یہی وقت کا تقاضا اور وقت کی پکار ہے۔ کاش! آپ لوگوں کے دل میں یہ احساس بیدار ہوتا اور قوم کی خاطر آپ حضرات کوئی قربانی پیش کر سکتے۔

یا للعجب! یہ کیسا دردناک سانحہ ہے کہ چند مولویوں کے علم و قلم کی لاج رکھنے کے لئے کروڑوں مسلمانوں کی قومی و ملکی عزت و آبرو کا جنازہ بے گور و کفن پڑا ہے تہذیب و ادب کی بھرپور محفل میں مدتوں سے ہٹ دھرمی و کٹ حجتی کا ننگا ناچ ہو رہا ہے مگر آج تک یہ نہ ہو سکا کہ شرم و غیرت سے یہ گردنیں آستانہ نبوت پر جھک جاتیں۔ گویا مولانا تھانوی مولانا گنگوہی اور مولانا اسماعیل نے جو کچھ لکھ دیا اور وہ پتھر کی لکیر ہے۔ اے دوستو! تم کبھی ٹھنڈے دل سے سوچو کہ کیا سچ مچ تمہارا ضمیر یہ گوارا کرتا ہے کہ رسول خدا چمار سے زیادہ ذلیل اور ذرہ ناچیز سے کمتر ہیں اور محبوب خدا کا علم گائے بیل اور جانوروں جیسا ہے "خدارا تم اپنے اور قوم مسلم

کے حال پر رحم کھاؤ اور قدرت کائنات کی اس گرفت سے ڈرو جو سب سے زیادہ سخت ہے اور اس کا عذاب دردناک ہے کیا تم کبھی یہ نہیں سوچتے کہ آج کی دنیا میں اگر تمہارے چہیتے کو کوئی آنکھ دکھاوے یا انگلی اٹھاوے تو تم کٹ مرنے کے تیار ہو جاتے ہو اسی لئے نا کہ وہ تمہارا چہیتا و محبوب ہے! پھر تم نے یہ کیوں نہ سوچا کہ جس کو تم چمار یا گاؤں کا چودھری کہہ رہے ہو وہ محبوب خدا ہے کیا تم قہر الٰہی کو اپنے حق میں چیلنج نہیں دے رہے ہو؟ کیا تم نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ تم تو اپنے محبوب کی حمایت میں کوہ آتش فشاں بن سکتے ہو اور غیرت خداوندی کو تمہاری دریدہ دہنی و جنبش بھی نہ ہو سکے گی اب بھی وقت ہے کہ تعصب و تنگ نظری سے الگ تھلگ ہو کر انصاف پسندی اور نیک نیتی سے ان کتابوں کا مطالعہ کرو اور چند علماء کے نشہ محبت میں سرشار ہونے کے بجائے اگر ممکن ہو تو کبھی عشق رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عینک لگا کر ان کتابوں کو دیکھو' ہو سکتا ہے توفیق الٰہی تمہارا ساتھ دے اور تم اپنی ہڈیوں اور بوٹیوں کو عذاب جہنم سے محفوظ کر سکو ورنہ یہ تو ہوتا چلا آیا ہے اور ہوتا ہی رہے گا

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغ مصطفوی ؐ سے شرار بولہبی

اور سرکار رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی یہ پیشگوئی بھی پوری ہو کر رہے گی کہ میری امت میں تہتر فرقے ہوں گے ایک ناجی ہو گا اور باقی سب جہنمی ہوں گے اور وہ فرقہ ناجی اہل سنت و جماعت کا ہے جیسا کہ صحابہ کرامؓ کے سوال پر حضورؐ نے ارشاد فرمایا ما انا علیہ و اصحابی۔

بات بہت دور آگئی رسالہ الامداد کی عبارت پر فاضل اکبر آبادی کی تنقید اور مکتوبات شیخ پر مولانا نجم الدین صاحب اصلاحی کے حاشیہ کی چند سطریں پیش کر رہا تھا۔ اب اسی ضمن میں اشرف السوانح حصہ اول صفحہ ۸۴ کی ایک اور عبارت ملاحظہ فرمایئے اور مولانا تھانوی کے بارے میں اصولی و آئینی رائے قائم کیجئے۔

"گو حضرت والا (مولانا تھانوی) کو سفر سے طبعی اعراض رہتا لیکن چونکہ اللہ تعالیٰ نے حضرت والا کو حجۃ اللہ فی الارض بنا کر دنیا میں بھیجا تھا جس کا خود حضرت والا کو بھی علم ضروری کے درجے میں احساس تھا۔"

نوٹ: اب ناظرین ہی انصاف کر سکتے ہیں کہ بھلا وہ شخص جو اپنے آپ کو اس روئے زمین پر اللہ کی حجت و دلیل سمجھتا ہو اور یہ احساس محض مریدین ہی کو نہ تھا بلکہ خود آں بدولت کو نہ صرف گمان و ظن کے مرتبہ میں تھا بلکہ علم ضروری کے مرتبے میں حاصل تھا کہ "یقیناً میں اللہ کی حجت دلیل" ہو کر آیا ہوں تو ایسے شخص سے یہ توقع رکھنا کہ وہ اپنی غلطیوں سے رجوع کر لے گا۔ رجوع کرنے کے یہ معنے ہوں گے گویا اللہ کی حجت و دلیل جھوٹی ہو گئی۔

یہی ہے نخوت و غرور، پندار و جہل مرکب کی وہ مسند جس پر تھانوی صاحب بیٹھ کر اپنے مرید سے لا الہ الا اللہ اشرف علی رسول اللہ کا کلمہ پڑھواتے تھے۔

بہت شور سنتے تھے پہلو میں دل کا
جو چیرا تو اک قطرۂ خون نہ نکلا

کے مطابق کہاں تو وہ شورئی شورئی اور کہاں بے نمکی۔ یا تو مولانا تھانوی کے اتباع سنت و پیروی اسلاف کی دھوم مچی تھی اور کہاں ہذیان و بوالفضولی کا یہ عالم کہ انا رسول و انا نبی اللہ کی دعوت دینے لگے اور

ایمان لانے والے ایمان لا رہے ہیں

کے مطابق آج تک مولانا تھانوی کا کلمہ پڑھ رہے ہیں۔ کاش شخصیت پرستی و کورانہ تقلید کے کوڑھی مریض کبھی یہ سوچ سکتے کہ متنبی و مسیلمہ کذاب کے پیرو کو متبع سنت کہنا کہاں تک درست ہے؟

برا ہو ایسی عصبیت اور غلو محبت کا جو انسانوں کی آنکھ پر پٹی باندھ دے جس سے وہ حق و باطل کا امتیاز نہ کر سکے۔

اسی عنوان کی ایک دوسری کڑی ملاحظہ فرمائیے اور تھانوی صاحب کے بارے میں صحیح رائے قائم کیجیے۔

اشرف السوانح حصہ اول صفحہ ۱۶۱

"مولانا محمد یحییٰ صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ نے جو حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے خادم خاص تھے ایک بار احقر سے فرمایا کہ میرا اب تک گمان تھا کہ اس

صدی کے مجدد حضرت مولانا گنگوہی قدس سرہ العزیز تھے لیکن اب میرا خیال یہ ہے کہ ہمارے مولانا رحمتہ اللہ علیہ کا فیض تو خاص تھا اور زیادہ تر آپ سے علماء فیض یاب ہوئے لیکن اب میں دیکھ رہا ہوں کہ مسلمانوں کو اس وقت عام نفع مولانا تھانوی سے بہت پہنچ رہا ہے اس لئے مجددیت کی شان ان میں زیادہ پائی جاتی ہے ممکن بلکہ مظنون ہے کہ حضرت (تھانوی) کا درجہ مجددیت سے بھی عالی ہو۔"

اب یہاں سے فاضل دیوبند مولانا سعید احمد اکبر آبادی کی ایک مبسوط و مفصل تنقید ملاحظہ کیجئے جو انہوں نے اشرف السوانح کے متعدد مضامین پر برہان ۱۹۵۲ء کی مختلف اشاعتوں میں کی ہے جس میں اکملیت 'مجددیت' عدل بین الزوجین اور مولانا تھانوی کی دوسری شادی کا قصہ خصوصیت سے قابل دید ہے۔

برہان دہلی دسمبر ۵۲ء ص ۳۶۵

"مولانا (تھانوی) شریک تجدید ہیں مگر خود مستقل بالذات مجدد نہیں کیونکہ ایک مجدد میں جو اوصاف و کمالات موجود ہونے چاہئیں اور جن کا ہم نے اوپر ذکر کیا ہے ان میں سے بعض اوصاف مولانا (تھانوی) میں نہیں ہیں۔" مولانا تھانوی کی مجددیت پر فاضل دیوبند کا دوسرا تبصرہ ملاحظہ فرمایئے۔

برہان دہلی ستمبر ۵۲ء

"جناب مولف (یعنی عبدالباری مولف جامع المجددین) نے بار بار بڑی تحدی کے ساتھ لکھا ہے کہ حضرت مولانا تھانوی نور اللہ مرقدہ عہد حاضر کے نہ صرف مجدد تھے بلکہ جامع 'مجددین یعنی کامل مجدد تھے اور دین کا کوئی ایسا شعبہ نہیں جس کی تجدید حضرت تھانوی صاحب نے نہ کی ہو۔ ہم کو اس سے اختلاف ہے"

حسب ذیل تنقید و تبصرہ میں فاضل دیوبند نے ایک حقیقت کی نقاب کشائی کی ہے جس سے اپنے معاملات میں حضرات دیوبند کے افراط و غلو کا پتہ چلتا ہے اور بارگاہ نبوت میں علماء دیوبند کی جسارت و بے باکی کی نشان دہی کرتے ہوئے ایسے جذبہ ملعون پر نفرین و ملامت کی ہے۔

برہان دہلی اگست ۵۲ء ص ۱۱۲ و ۱۱۳

"لیکن یہ کیسی عجیب بات ہے کہ ان تمام حقائق کے بر خلاف آج ہمارے مکرم مولانا عبدالباری ندوی کا دعویٰ ہے کہ "عین دین وہی ہے جو حضرت مولانا تھانوی نے فرمایا" کیا اس کے علاوہ جو کچھ ہے گمراہی اور بے دینی ہے۔"

نوٹ: علماء دیوبند کی کتابوں کے مطالعہ سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ رفتار زمانہ کے ساتھ ان کا دین واسلام بھی بدلتا رہتا ہے مولانا گنگوہی نے اپنے زمانہ میں فرمایا کہ "تقویۃ الایمان کا رکھنا اور پڑھنا عین اسلام ہے" اور کچھ دنوں بعد مولانا عبدالباری نے فرمایا کہ "عین دین وہی ہے جو حضرت مولانا تھانوی نے فرمایا۔" یعنی بہشتی زیور، حفظ الایمان اب دیکھئے آئندہ کس کا قول و فعل عین اسلام قرار پاتا ہے بقول فاضل اکبر آبادی کہ اس کے علاوہ جو کچھ ہے وہ گمراہی و بے دینی ہے۔

مولانا عبدالباری نے بڑی رعایت سے کام لیا کہ مولانا تھانوی کے علاوہ سب کو گمراہ و بے دین سمجھا۔ اگر کہیں حکومت کی طرف سے کچھ اور اختیارات مل جاتے تو اپنے اور تھانوی صاحب کے علاوہ سب کو قابل گردن زدنی ہی قرار دیتے۔

اس بے بسی میں ذوق بشر کا یہ حال ہے
کیا جانے کیا کرے جو خدا اختیار دے

جامع المجددین صفحہ ۱۵۱ کی مندرجہ ذیل تحریر پر فاضل اکبر آبادی کی منصفانہ رائے۔

"جس طرح انبیاء علیہم السلام اپنی امتوں کے لئے اس احسن عمل کا اکمل اسوہ ہوتے ہیں اسی طرح نبی الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دین کے تھانوی مجدد کی زندگی تجدیدی درجہ میں امت محمدیہ کے لئے اسلام کی عملی تعلیمات کا ہر شعبہ میں کامل و جامع نمونہ تھی۔"

پھر اس کے بعد صفحہ ۱۷۸ پر حضرت تھانوی کی تجدیدی کرامت کے زیر عنوان فرماتے ہیں۔

"یہی اصلاح و تجدیدی جامعیت ہے جو ذالک الکتاب والے دین کے جامع المجددین کی سینکڑوں کتابوں کے ہزاروں صفحات پر اصلاحی و تجدیدی صورت میں پھیلی ہوئی ہے اور جس طرح ذالک الکتاب اس دین کے پیغمبر کا سب سے بڑا معجزہ یا سب سے

بڑی برہان و آیت تھی اس کے اتباع میں اس کے تھانوی مجدد وقت کی کتابیں اپنی کمیت و کیفیت ہر اعتبار سے اس کی تجدیدی جامعیت کی سب سے بڑی کرامت ہے۔ آج جو شخص دین اسلام کے چہرے کو پورے جمال و کمال کے ساتھ بالکل صاف و بے غبار جامع و کامل صورت میں ازسر نو تجدید یافتہ اور تر و تازہ دیکھنا اور پانا چاہتا ہے وہ عصر حاضر کے جامع المجددین کی کتابی آیتوں کی طرف علماء و عملاء رجوع کرکے خود مشاہدہ کرسکتا ہے عجیب بات ہے جس طرح ذالك الكتاب کا معجزہ رکھنے والے نے غیر متعلق معجزات کے مطالبہ کی نسبت یہ فرمایا کہ قل لا اقول لكم عندی خزائن الله ولا اعلم الغيب ولا اقوال لكم انی ملك ان اتبع الاما يوحیٰ الی اسی طرح نبی کامل کے متبع کامل کے کلام میں بھی کثرت سے جابجا کشف و تصرفات سے اپنی قطعاً تبری فرمائی گئی ہے اور سارا زور بس وحی یا شریعت کے احکام و اتباع پر ہے۔

نوٹ: جامع المجددین کی مندرجہ بالا عبارت پر اگر علماء اہل سنت کی طرف سے کچھ لکھا یا کہا جاتا تو مولانا عبد الباری اور تھانوی صاحب کے متبعین یہ کہہ کر شور و غوغا مچاتے کہ دیکھو ان لوگوں کا صرف یہی ایک کام رہ گیا ہے کہ ہم لوگوں کی کتابوں کی تغلیط و تخطیہ کرتے رہیں لیکن اب دیکھنا ہے کہ ندوی صاحب فاضل اکبر آبادی کے مقابل مورچہ بندی میں کتنے داؤ اور پینترے استعمال کرتے ہیں اور ہار و جیت کے اکھاڑے میں کتنی کروٹیں لیتے ہیں یا محض یہ کہہ کر خاموش ہو جائیں گے۔

خون دل و خون تمنا خون شوق
آپ نے جو کچھ کیا اچھا کیا

یعنی میں تو تھانوی صاحب کو جامع المجددین ثابت کر دکھاتا مگر آپ نے میری آرزوں پرپانی پھیر دیا۔ اب فاضل اکبر آبادی کی تنقید ملاحظہ فرمائیے۔

برہان دہلی اگست ۵۲ء

"آپ نے دیکھا بھلا اس جوش عقیدت کی کوئی انتہا بھی ہے کہ آں حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے قرآن پاک کا ارشاد ہے هو الذی بعث فی الامیین

رسولاً تو یہاں حضرت مولانا تھانوی کے لئے بھی جگہ جگہ مجدد و مبعوث کا خطاب ہے وہاں لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ تو یہاں بھی لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ کا عکس وہاں قرآن مجید آں حضرت کا معجزہ ہے تو یہاں بھی مولانا تھانوی کی کتابیں تجدیدی کرامت وہاں ذالک الکتاب آیات بینات تو یہاں بھی مولانا تھانوی کی کتابوں کے مباحث "کتابی آیتیں" عقیدت وارادت کا کتنا ہی جوش اور زور ہو آخر یہ سوچنا چاہیے تھا کہ آفتاب بہر حال آفتاب ہے اور ایک ذرہ کیسا ہی چمکیلا و درخشاں ہو بہر حال ذرہ ہے اس بنا پر یہ کہاں کی عقلمندی ہے کہ ذرہ کے صفات کو آفتاب کے صفات پر منطق کرنے کی کوشش کی جائے اور ذرا عنوان بدل کر یہ باور کرالیا جائے کہ اب آفتاب غروب ہو گیا ہے تو ذروں ہی سے کسب ضیا کرنا چاہیے۔"

نوٹ: کاش! اب بھی علماء دیوبند اپنے گریبان میں منہ ڈال کر سوچتے کہ اپنے علماء کی تعریف و توصیف اور آقائے دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی توہین و تنقیص میں ان کے افراط و تفریط کا کیا عالم ہے! جب پر نہ صرف علماء اہل سنت ہی بلکہ ان کی درس گاہ تربیت کا ایک فاضل بھی چیخ اٹھا۔ کلکتہ کے ایک سفر میں مجھے باوثوق ذرائع سے معلوم ہوا کہ اس تنقید و تبصرہ پر بجائے غور و فکر کرنے کے تھانوی صاحب کے متبعین نے کئی سو خط مدیر "برہان" کے پاس بھیجے کہ اپنی تحریر واپس لے لو تم نے علم و ادب کی بھری محفل میں ہماری عزت و آبرو لوٹ لی۔ فاضل دیوبند ہونے کے ناطہ تمہیں کچھ تو ہماری جنبہ داری کرنی تھی۔ یہ سب کچھ ہوتا رہا مگر فاضل اکبر آبادی ڈاکٹر اقبال کے اس شعر سے اپنا دل بہلاتے رہے۔

اپنے بھی خفا مجھ سے ہیں بیگانے بھی ناخوش
میں زہر ہلاہل کو کبھی کہہ نہ سکا قند

مدیر برہان کی مندرجہ ذیل تنقید مولوی عبدالباری ندوی کی اس عبارت پر ہے کہ مولانا تھانوی اپنے کو اکمل سمجھتے تھے حضرت فرمایا کرتے تھے اپنے کو اکمل سمجھنا جائز ہے افضل سمجھنا جائز نہیں۔

صحیح فرمایا ندوی صاحب نے جس نے اپنے کو حجتہ اللہ فی الارض سمجھا ہو۔ اگر اس نے اپنے آپ کو اکمل جانا تو کیا غضب ڈھایا اگر وہ اکمل نہ ہوتا تو حجتہ اللہ فی الارض ہی کیوں ہوتا گیا منطقی اصول کے تحت شکل اول کے یہ دو ٹکڑے ہیں کہ مولانا تھانوی حجتہ اللہ فی الارض تھے اور حجتہ اللہ فی الارض کا اکمل ہونا ضروری ہے حد اوسط کو ساقط کرنے کے بعد نتیجہ صاف ظاہر ہے کہ مولانا تھانوی کا اکمل ہونا ضروری ہے۔

خواہ شکل اول کے دونوں ٹکڑے محتاج دلیل ہوں یا سر تا پا غلط مگر نتیجہ تو آپ کے ہاتھ آہی جائے گا۔

آپ کی اس بقراطی پر فارابی' بو علی سینا' علامہ فضل حق خیر آبادی بھی اپنی اپنی قبروں میں تحسین و مرحبا کہتے ہوں گے ناظرین بھی خیال کرتے ہوں گے کہ میں نے کیسی خشک بحث چھیڑ دی۔ لیجئے بقول سودا میں نے اپنی گفتگو ختم کر دی۔

سودا خدا کے واسطے کر قصہ مختصر
اپنی تو نیند اڑ گئی تیرے فسانے میں

اب اکملیت کے زیر عنوان مدیر برہان کا تبصرہ ملاحظہ فرمایئے۔

برہان دہلی مئی ۵۲' ص ۲۹۷

"حضرت تھانوی کو اکمل سمجھنے کا یہ اثر تو اس کتاب میں عام طور پر اور جگہ جگہ نمایاں ہے جیسا کہ ہم پہلے بتا چکے ہیں۔ ان (تھانوی صاحب) کی اوصاف شماری میں اس درجہ غلو اور مبالغہ کیا گیا ہے کہ ان کو صحابہ و تابعین کیا معنی انبیاء سے بھی جا ملایا ہے اور دوسری جانب چونکہ کامل دین اور جامع دین وہی ہے جو مولانا تھانوی کے ارشادات اور قول و عمل سے ظاہر ہوتا ہے۔ اب بنا پر کہ وہ عمل اور فعل جو کہ اس سے مختلف ہو۔ خواہ اصل اسلامی تعلیمات کے اعتبار سے کتنا ہی صحیح اور درست ہو اسے بھی مردود قرار دیا جائے چنانچہ ہندوستان کی تمام اسلامی جماعتیں' تمام اسلامی ادارے' سب علمائے کرام و مشائخ مولف کی بارگاہ عدالت میں مجرم و خطاکار ہیں۔ ہم آگے چل کر جہاں محبت پر گفتگو کریں گے بتائیں گے کہ حضرت تھانوی ارباب عزیمت و دعوت میں سے نہیں تھے بلکہ حضرت شیخ محمد تھانوی اور دوسرے

سینکڑوں اکابر و مشائخ و علماء کی طرح ارباب رخصت میں سے تھے لیکن مولف جامع المجددین کی جرات و جسارت کا یہ عالم ہے کہ محض مولانا تھانوی کو اکمل مان لینے کی بنا پر علماء عزیمت اور ارباب جہاد فی سبیل اللہ پر بھی برس پڑے ہیں اور ان میں بھی کیڑے نکالنے کی کوشش کی ہے۔

نوٹ: اس کے بعد فاضل دیوبند مولانا سعید احمد اکبر آبادی حضرات دیوبند کی بارگاہ نبوت و رسالت میں مطلق العنانی اور اس کی رسول دشمنی سے متاثر ہو کر "شرک فی الرسالہ" کے زیر عنوان رقم طراز ہیں جس کی حیثیت علماء دیوبند کے حق میں لمحہ فکریہ کی ہے اور علماء اہل سنت کے جائز مطالبے پر تائید و حمایت کی ہے۔

برہان دہلی فروری ۵۲ء ص ۱۰۸

شرک فی الرسالہ اس مقام پر ایک نہایت اہم اور ضروری نکتہ جسے اپنے مرشد کے ساتھ خالی عقیدت و ارادت رکھنے والے مرید اکثر بھول جاتے ہیں۔ ہمیشہ یاد رکھنا چاہیے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات میں کسی کو شریک ماننا شرک فی اللہ اور کفر ہے اسی طرح آں حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اوصاف و کمالات نبوت میں کسی کو شریک جاننا شرک فی الرسالۃ اور عظیم ترین معصیت ہے۔

گھائل تری نظر کا بنوع دگر ہر ایک
زخمی کچھ ایک بندہ درگاہ ہی نہیں

نوٹ: مدیر برہان کی اس صاف اور واضح تحریر کے بعد رسالہ الامداد میں لا الٰہ الا اللہ اشرف علی رسول اللہ والی عبارت کو پھر ذہن میں تازہ کر لیجئے اور اس میں مولانا تھانوی کی رضامندی کہ اس میں کوئی مضائقہ نہیں چونکہ میں متبع سنت ہوں اور تمہیں مجھ سے غایت درجے کی محبت ہے۔ لہٰذا پڑھو اور خوب جی بھر کر پڑھو گویا کھلے بندوں مولانا تھانوی نے اپنی نبوت و رسالت کا اقرار کیا۔ اس کا نام "شرک فی الرسالۃ" نہیں بلکہ دعویٰ نبوت ہے۔ اب علماء اہل سنت سے نہ پوچھیے بلکہ فاضل دیوبند مولانا سعید احمد اکبر آبادی سے دریافت کیجئے کہ ایسے شخص کے لئے قانون شریعت کا کیا حکم ہے۔

اس بات کو تو تقریباً ہر مسلمان جانتا ہے کہ جس طرح کسی نبی کی نبوت کا انکار کفر ہے۔ ایسے ہی غیر نبی کی نبوت کا اقرار بھی کفر ہے اور کفر پر راضی ہونا بھی کفر ہے۔ یہ شریعت کی ایک کھلی ہوئی روشن دلیل ہے نہ تو فلسفہ کا کوئی عقیدہ لاینحل ہے اور نہ ہی منطقی اینچ پینچ کی بھول بھلیاں جس میں بال کی کھال نکالی جائے یا بات کا بتنگڑ کیا جائے۔ اسی ضمن میں تھانہ بھون کے ایک دوسرے پیر پرست کی بڑ اور ہذیان ملاحظہ فرمایئے جو پیر پرستی کی بحرانی کیفیت میں علی العموم ایسے ہی آئیں بائیں شائیں ہانکا کرتا ہے۔

رسالہ الاحسان' جلد ۲ شمارہ ماہ محرم الحرام ۷۵ ۱۳ھ / ستمبر ۱۹۵۵ء صفحہ ۴

"دوسرے آپ (مولانا تھانوی) نے اپنے نائبین کی ایک جماعت چھوڑی کہ اہل زمانہ اپنے نئے نئے واقعات اور جدید حالات میں ان حضرات سے فیض یاب ہو سکیں نیز اس لئے کہ یہ حضرات طالبین کی ضروریات اور حالات کے مطابق راہ حق کی طرف ان کی رہنمائی فرماتے رہیں اور اس طرح آپ کے بعد بھی آپ کا فیض باقی رہے منجملہ انہیں حضرات کے مرشدی و مولائی محی السنہ والاخلاق ماحی البدعت و النفاق حضرت مولانا شاہ محمد وصی اللہ صاحب دامت برکاتہم واصنہم بھی ہیں۔ آپ کی جامعیت اور کمال کے بارے میں اپنا خیال تو یہ ہے۔

آفاقہا گردیدہ ام مہر بتاں ورزیدہ ام
بسیار خوباں دیدہ ام لیکن تو چیزے دیگری

یا

حسن یوسف دم عیسیٰ ید بیضا داری
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

اسی کا نام ہے "شرک فی الرسالۃ"

نوٹ: یعنی جس طرح آدم سے مسیح علیہ السلام تک جتنے بھی انبیاء و رسل آئے وہ علیحدہ علیحدہ اوصاف و کمالات کے حائل تھے مگر رسول کائنات خاتم النبیین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں وہ تمام فضائل و کمالات مجموعی حیثیت سے پائے جاتے تھے ایسے ہی معاذ اللہ ثم معاذ اللہ شاہ وصی اللہ صاحب خلیفہ مولانا تھانوی بھی انبیاء و رسل

کے کمالات کے جامع ہیں۔

پنبہ کجا کجا نہم تن ہمہ داغ داغ شد

مدیر الاحسان نے اپنی اس ناپاک و نارواعبارت میں دو دعوے کئے ہیں۔

(۱) گویا شاہ وصی اللہ ایسے ہی جامع کمالات نبوت ہیں جس طرح سرکار رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

"اس میں رسول کائنات کے ساتھ ہمسری و برابری کا دعویٰ ہے۔"

(۲) حضرت یوسف حضرت موسیٰ علیہما السلام میں جو کمالات انفرادی طور پر تھے وہ مجموعی طور پر شاہ وصی اللہ میں ہیں۔

"اس میں ان جلیل القدر انبیاء ورسل کی توہین ہے جو موجب کفر ہے۔"

آنکھیں اگر ہیں بند تو پھر دن بھی ہے رات
اس میں قصور کیا ہے بھلا آفتاب کا

اگر کوئی سر پھر انبیاء ورسل کی عظمت و تقدیس کو نہ مانے تو اس میں ان کا کیا بگڑ جائے گا۔ البتہ اس خبط الحواس کو ایمان کے لالے پڑ جائیں گے اور سچ تو یہ ہے کہ اگر صاحب ایمان ہوتا تو ایسا لکھتا ہی کیوں؟

اور مجھے تو تعجب ہے جناب شاہ وصی اللہ صاحب یہ سب دیکھ سن کر خاموش رہے اور کوئی توبہ نامہ تک نہ شائع کرایا گیا۔ اگر ایسے ہی شاہ صاحبان کو محی السنہ اور ماحی البدعت کا ٹائٹل دیا جائے گا تو گمراہ بدعتی کن کو کہا جائے گا؟ اپنے پجاری کی والہانہ عقیدت دیکھ کر شاہ صاحب بھی پھولے نہ سمائے ہوں گے اور دل ہی دل میں خیال کیا ہو گا اگر ایسے ہی دس پانچ اور مل گئے تب تو تعویذ و گنڈے کی مارکیٹ گرم ہی ہو جائے گی۔ انہیں شاہ صاحبان کو دیکھ کر ڈاکٹر اقبال نے کہا ہے

یہی شیخ حرم ہے جو چرا کے بیچ کھاتا ہے
گلیم بو ذرودیق اویس و چادر زہرا

اب سے پہلے تو آپ نے مولانا گنگوہی اور مولانا نانوتوی کے معاشقہ کی سرگزشت ملاحظہ فرمائی ہے اب مولانا تھانوی کی عبرت انگیز و نصیحت آموز شادی کا حال سنئے جو انہوں

نے آخری عمر میں کسی کمسن لڑکی سے کی تھی جس شادی کو مولانا تھانوی نے تقرب الی اللہ اور حصول درجات کا ذریعہ قرار دیا ہے یعنی چلہ و مجاہدات سے جو باتیں انہیں حاصل نہ ہوئی تھیں بیگم صاحبہ کے آتے ہی وہ تمام مراتب انہیں حاصل ہو گئے۔ ایسے ہی فیض بخش و عزت مآب شادی پر فاضل دیوبند مولانا سعید احمد اکبر آبادی کا تبصرہ ملاحظہ فرمائیے۔

برہان دہلی ۵۲، ص ۱۰۵ بحوالہ "جامع المجددین" ص ۴۲۶

محبت اثر کرتی ہے چپکے چپکے
محبت کی خاموش چنگاریاں ہیں

"مولانا تھانوی جیسا کہ خود فرماتے ہیں دوسرا نکاح محبت دلی کے اقتضاء سے کرتے ہیں، لیکن شہرت و وجاہت خانگی چپقلش کی وجہ اور برادری میں چہ میگوئیوں کی وجہ سے اس واقعہ کے سبب مولانا تھانوی کو جو ضغط دماغی (Comlef) پیش آ گیا ہے اس کی وجہ سے اپنے فعل کی تاویل و توجیہہ میں عجیب عجیب باتیں کہتے ہیں حالانکہ سیدھی بات یہ تھی کہ میں نے عقد ثانی کیا اور یہ شرع میں ناجائز نہیں ہے بس بات ختم ہو جاتی لیکن مولانا تھانوی کبھی تو فرماتے ہیں کہ بے ساختہ ذہن میں آیا کہ بہت سے درجات موقوف ہیں۔ سقوط جاہ بدنامی پر جن سے تو اب تک محروم ہے پس اس واقعہ (یعنی شادی) میں حکمت یہ ہے کہ تو بدنام ہو گا اور حق تعالیٰ درجات عطا فرمائیں گے کبھی مولانا تھانوی فرماتے ہیں ایک مصلحت یہ بھی ظاہر ہوئی کہ اس سے پہلے موت کی محبوبیت کی دولت نصیب نہ تھی الحمد للہ کہ اس واقعہ (شادی) سے یہ دولت بھی نصیب ہو گئی پھر ارشاد ہوتا ہے مجھ کو ثواب آخرت سے کم دلچسپی تھی۔ اب معلوم ہوا کہ یہ ایک قسم کی کمی اور استغنا تھی الحمد للہ کہ اس کمی کا تدارک ہو گیا اس کے بعد مولانا تھانوی کا ارشاد ہے کہ حلم و تحمل کا ذوق نہ تھا خدا تعالیٰ کا احسان ہے کہ یہ کام بھی (بعد شادی) پورا ہو گیا اس کے علاوہ اور بھی بہت سی مصلحتیں لکھی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ "مولانا تھانوی" نے نکاح ثانی کیا سلوک و معرفت اور طریقت و حقیقت کی صبر آزمائش منزلیں بیک جنبش قدم طے کر لی ہیں جو ملکات و فضائل و کمالات روحانی و باطنی سالہا سال کے بعد مجاہدہ

اور ریاضت شاقہ کے بعد بھی حاصل نہیں ہوتے وہ عقد ثانی کرتے ہی فوراً مولانا (تھانوی) کو حاصل ہو گئے۔"

(برہان دہلی فروری ۵۲ء ص ۱۰۶)

"غور کیجئے فطرت انسانی کی یہ کتنی بڑی اخلاقی کمزوری ہے کہ ایک شخص کوئی کام محض لذت نفس اور حظ جسمانی کے لئے کرتا ہے لیکن اپنے عقیدت مندوں میں اپنا وقار رکھنے کے لئے اس کو کمالات وملکات روحانی وباطنی کے حصول کا ذریعہ قرار دیتا ہے خیر یہ سب کچھ تو تھا ہی۔ اس سے بڑھ کر غضب یہ ہے کہ مولانا تھانوی حضرت زینب کے ساتھ آں حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نکاح کا واقعہ بیان فرما کر اپنے فعل کو سنت اضطراری اتباع قرار دیتے ہیں اور دو واقعوں میں سات وجوہ مشابہت ومماثلت کا پتہ دیتے ہیں حالانکہ یہ صاف ظاہر ہے کہ کہاں ایک پیغمبر جس کی ہر قوت بدرجہ کمال اور غیر معمولی ہوتی ہے اور کہاں ایک وہ شخص جس کے لئے ایک بیوی بھی زائد از ضرورت ہو۔

جس طرح مولانا تھانوی کی عادت خوردہ گیری اور ایک معمولی سی بات میں تشقیقات اور احتمالات کی بھر مار دینے کی تھی اس طرح اگر کوئی شخص نکتہ چینی پر آجائے تو مولانا تھانوی کی مذکورہ بالا مصلحتوں اور حکمتوں کو بآسانی مجروح کر سکتا ہے۔

۱۔ بدنامی حاصل کرنا محمود نہیں مذموم ہے حدیث میں ہے کہ تہمت کی جگہوں سے بچو۔

۲۔ موت کی محبوبیت بے شک مستحسن ہے مگر لقائے رب کے لئے یا جہاد فی سبیل اللہ کی غرض سے اس کے برخلاف دنیا سے گھبرا کر موت طلب کرنا بزدلی اور نامرادی ہے جو اسلام میں مذموم وقبیح ہے۔

۳۔ ثواب آخرت سے جتنی کم دلچسپی ہو اسی قدر اچھا ہے تاکہ عبادت بالکل بے غرض وبے لوث ہو۔

۴۔ حلم وتحمل ہی محمود ہے جو طاقت وقوت کے ساتھ ہو بیچارگی کے عالم میں غصہ پی جانا حلم نہیں کہلاتا۔

۵- واقعہ نبوت میں اور اس واقعہ میں زمین و آسمان کا فرق ہے کیونکہ آں حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نکاح آسمان پر ہوا اور یہ زمین پر آں حضرت نے حضرت زینبؓ کا نکاح حضرت زید سے کیا تھا جو آپ کے عزیز قریب نہ تھے۔ مولانا (تھانوی) نے اپنی منکوحہ کا نکاح اپنے بھانجے سے کیا۔ حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیوہ نہیں ہوئی تھیں بلکہ حضرت زید کی مطلقہ تھیں (صفحہ ۱۰۷ مولانا کی بیوی مولانا کے ساتھ عقد سے قبل بیوہ ہو گئی تھیں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت حفصہ کو طلاق رجیعہ دی تھی اور مولانا تھانوی نے خود اس بیوی کو طلاق رجیعہ دی جن کا یہ معاملہ تھا۔ پھر ایک شخص یہ بھی سوال کر سکتا ہے کہ مولانا تھانوی جس کو سنت اضطراری اتباع فرماتے ہیں۔ یہ آخر اعمال مندوبہ و مستحبہ کی کون سی قسم ہے اور کیا شریعت میں اس کی کوئی اہمیت ہے۔

نوشتہ

بات سیدھی کوئی صاحب کی نظر نہیں آتی
آپ کی پوشاک کو کپڑا بھی آڑا چاہیے

ناظرین نے ملاحظہ فرمالیا کہ "شادی" کے ایک واقعہ پر مولانا تھانوی نے کتنے پینترے بدلے اور کیسے کیسے بل کھائے۔ مریدین و معتقدین پر رنگ جمانے اور زہد و تقدس کا رعب گانٹھنے کے لئے کتنے شوشے پیدا کئے مگر فاضل دیوبند مولانا سعید اکبر آبادی نے سارا بھرم کھول دیا۔

ناظرین خود بھی خیال فرمائیں کہ مولانا تھانوی فرماتے ہیں کہ شادی سے پہلے مجھے موت محبوب و پسندیدہ نہ تھی مگر بعد شادی میرے قلب و جگر میں موت کی محبوبیت سما گئی۔ کیوں نہ ہو جب شادی ہی کے لئے زندہ تھے تو موت سے کیونکر پیار ہو سکتا تھا موت سے پیار تو بعد شادی ہونا ہی چاہیے تھا

جب تک ملے نہ تھے تو جدائی کا تھا ملال
اب یہ ملال ہے کہ تمنا نکل گئی

کتنے پتے کی بات کہی ہے فضل اکبر آبادی نے "موت کی محبوبیت" ویلک مستحسن ہے

مگر لقائے رب کے لئے یا جہاد فی سبیل اللہ کی غرض سے اس کے بر خلاف دنیا سے گھبرا کر موت طلب کرنا بزدلی و نامرادی ہے جو اسلام میں مذموم و قبیح ہے۔

مدیر برہان کے مندرجہ بالا ٹکڑوں سے مولانا تھانوی اور ان کی بیگم صاحبہ کی نااتفاقی و خانہ جنگی و باہمی چپقلش کا پتہ چلتا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا تھانوی کی زندگی دوبھر ہو گئی تھی اب موت کی دہائی دینے کے سوا چارہ کار ہی کیا تھا۔ بقول مرزا غالب

قید حیات و بند غم اصل میں دونوں ایک ہیں
موت سے پہلے آدمی غم سے نجات پائے کیوں

جب تک مولانا تھانوی نے شادی نہ کی تھی اس وقت تو چپکے چپکے یہ شعر گنگناتے رہے۔

دم نزع چلی آؤ خدارا
میں اپنی موت کو بھی ٹال دوں گا

کیا تعجب کہ تسبیح کے دانوں پر بھی یہی شعر رہا ہو مگر شادی ہوتے ہی پتہ چل گیا کہ ایسی زندگی سے موت بہتر ہے۔ دماغ بدل گیا طبیعت بدل گئی شادی کا سارا نشہ ہرن ہو گیا" یا حسرتا و احسرتاہ" کے نالہ شبگیر نے راز افشا کر دیا۔ اب تو مولانا تھانوی یہ فرمانے لگے ۔

کس طرح فریاد کرتے ہیں بتا دو قاعدہ
اے اسیران چمن میں نوگرفتاروں میں ہوں

ایسے ہی مولانا تھانوی فرماتے ہیں کہ شادی سے پہلے مجھے حلم و تحمل محمود و پسندیدہ نہ تھا لیکن بعد شادی مزاج میں تحمل و بردباری کی صلاحیت پیدا ہو گئی۔ فاضل دیوبند مولانا سعید احمد اکبر آبادی نے بات بہت ہی صاف و عریاں کہہ دی کہ "حلم و تحمل وہی محمود ہے جو طاقت کے ساتھ ہو بیچارگی کے عالم میں غصہ پی جانا حلم نہیں کہلاتا" یعنی جب تک مریدوں اور شاگردوں سے سابقہ رہا اس وقت تو مولانا تھانوی پر حلم و تحمل کی پرچھائیں نہ پڑ سکی۔ وہ کبھی خیال میں بھی نہ لا سکے کہ تحمل و بردباری کس چڑیا کا نام ہے اسب کو بات بات پر ڈانٹتے ڈپٹتے رہے۔ چنانچہ خود الہ آباد کے ایک صاحب تھانہ بھون کی خانقاہ گئے۔ دوران قیام میں ایک دن کسی بات پر آنجناب نے مولانا تھانوی کو ٹوک دیا۔ بس اتنی سی بات پر تھانوی صاحب کے قہر و

جلال کا کوہ آتش فشاں پھٹ پڑا اور فرمایا کہ ابھی اس کم بخت کو میری خانقاہ سے باہر کر دو۔ یہ مجھ سے سیکھنے آیا ہے یا میری اصلاح کرنے آیا ہے؟ متوسلین کے ساتھ تو تھانوی صاحب کی ڈانٹ ڈپٹ کا یہ عالم تھا مگر شادی کے ہوتے ہی جب نیا سابقہ گلے پڑ گیا تو بھیگی بلی بن کر حلم و تحمل کی راہ اختیار کر لی۔ یہ تو فرما نہ سکے کہ اس بارگاہ عالی میں دم مارنے کی مجال نہیں یہاں تک "تک تک دیدم دم نہ کشیدم" پر عمل کرنا پڑتا ہے جو کچھ بھی زبان فیض ترجمان سے نکل جائے آمنت کہنے کے سوا مجال انکار نہیں اسی کو اکبر الٰہ آبادی نے اپنے انداز میں اس طرح کہا ہے

اکبر کبھی ڈرے نہیں دشمن کی فوج سے
لیکن اگر ڈرے ہیں تو بیوی کی فون سے

چنانچہ خود فاضل دیوبند مولانا سعید احمد اکبر آبادی مولانا تھانوی کی بد خلقی کا ذکر کرتے ہوئے رقم طراز ہیں کہ۔

"آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا خلق مبارک یہ تھا کہ خود بھوکے رہتے اور مہمان کی خاطر تواضع کرتے تھے اس کا کام خود اپنے ہاتھ سے کرتے تھے لیکن ہمارے مولانا تھانوی کا یہ حال ہے کہ "مہمانی بند" اور اگر کسی مہمان نے ازراہ مروت کھانے میں اپنے ساتھ کسی کو شریک کر لیا ہے تو بس اس کی شامت ہی آگئی ہے رات کے وقت دیوان خانہ میں اگر ٹھہر گیا ہے تو شکنجہ میں کس دیا گیا ہے۔"

چنانچہ فاضل دیوبند ایک مقام پر خود اپنی آپ بیتی کا تذکرہ یوں کرتے ہیں۔

برہان دسمبر ۱۹۵۲ء، ص ۳۶۶

"مولانا (تھانوی) کی تشدد پسندی اور درشت مزاجی کی جو روایات سننے میں آتی رہتی تھیں ان کا اثر یہ ہوا کہ قیام دیوبند کے زمانہ میں بارہا جی چاہنے کے باوجود مولانا کی خدمت میں حاضری کی جرات کبھی نہیں ہوئی جامع المجددین میں اس طرح کے واقعات نظر سے گزرے تو یہ اثر اور قوی ہو گیا۔"

مولانا تھانوی کی سنگ دلی و درشت مزاجی کا واقعہ سن کر مجھے محترمی عالی جناب حکیم سید قمر الاسلام صاحب دہلوی مقیم حال بمبئی کے مطلب کی ایک ادبی نشست یاد آگئی جس میں

مولانا ابو الوفاء صاحب فصیحی مولانا عبدالقیوم علی گڑھی۔ مولانا زاہد القادری مفتی آستانہ، حکیم نجم الہدیٰ صاحب گیاوی بھی شریک تھے اور مجلس کا ہر شخص اپنے پسندیدہ اشعار سنا رہا تھا قمر میاں کا ایک شعر آپ کی ضیافت طبع کے لئے حاضر ہے۔

میں سر تا پا صعوبت کش مگر اک دل ہی نازک ہے
وہ سر سے پاؤں تک نازک مگر اک دل ہی پتھر ہے

نوٹ: تھانہ بھون کے خانہ ساز مجدد کی بد خلقی، درشت مزاجی و تشدد پسندی کا حال فاضل دیوبند کی زبانی آپ نے سن لیا جس سے تھانوی ڈھول کے پول کا صحیح اندازہ ہو گیا ہو گا اور یہ بات بھی سمجھ میں آگئی ہو گی کہ مریدین نے تھانوی صاحب کو اچھالنے میں کیسے کیسے غلط پروپیگنڈوں کو آلہ کار بنایا ہے۔

اب جامع المجددین کی حسب ذیل عبارت پر فاضل اکبر آبادی کا تبصرہ ملاحظہ فرمایئے۔

۱- "تھانوی صاحب سے متعلق مولوی عبدالباری صاحب ندوی تحریر فرماتے ہیں کہ علم و عمل میں حدود کی رعایت اس درجہ تھی کہ لوازم بشریت کے ساتھ اس سے زائد کا تصور دشوار ہے۔

۲- اس عدل کے اہتمام کی انتہا یہ تھی کہ ایک "بیوی" کی باری میں دوسری بیوی کا خیال لانا بھی تھانوی صاحب خلاف عدل خیال فرماتے کہ جس کی باری ہے اس کی طرف توجہ میں کمی ہو گی جو حق تلفی ہے۔"

(برہان دہلی مارچ ۵۲ء از صفحہ ۱۶۷ تا ۱۷۶)

"حضرت تھانوی صاحب اپنی دو بیگمات کے درمیان جو عدل قائم رکھتے تھے وہ ایک امر واقع ہے اور کوئی شبہ نہیں کہ اپنے بعض فضائل و خصائص کی طرح وہ اس میں بھی بہت ممتاز تھے لیکن جناب مولف نے اس کو جس آب و تاب کے ساتھ بیان کیا ہے اسے دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ فلسفہ کا ایک استاذ سابق تو در کنار کوئی معمولی درجہ کی سمجھ رکھنے والا بھی ایسی بات نہیں کہہ سکتا۔ اس کے بعد مولانا تھانوی کا ایک واقعہ لکھ کر دوسروں پر چھینٹے اڑانے اور کچوکے لگانے کی جو خو مولف نے پیدا کر لی ہے اس کے مطابق فرماتے ہیں بھلا یہاں تک ذہن بھی کس کا جا سکتا ہے۔ سوائے

اس کے جو اپنے قلب کی ہر جنبش کی نگرانی کرتا اور ہمہ وقت اپنے کو اللہ تعالیٰ کے حضور میں پاتا اور اس کو حاضر و ناظر جانتا ہو۔" غور کیجئے جناب مولف نے حضرت تھانوی کے انتہائی عدل بین الزوجین کی جو کیفیت بیان کی ہے وہ عقلی و منطقی اور نفسیاتی طور پر کس قدر غلط اور بے معنی ہیں اور ساتھ ہی اس سے کس طرح آں حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تنقیص ہو جاتی ہے۔ عقلی اور نفسیاتی طور پر اس کے غلط ہونے کی وجہ یہ ہے کہ انسانی خیال پر کبھی روک ٹوک نہیں لگائی جاسکتی اس پر ہرگز پہرہ نہیں بٹھایا جاسکتا۔ یعنی آپ کسی خیال کی نسبت لاکھ عہد کریں کہ اسے اپنے دل یا دماغ میں گھسنے ہی نہ دیں گے آپ اس میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔

(چند سطر بعد)

عربی کا ایک شاعر کہتا ہے۔

ذکرتك والخطی یخطر بیننا

وقد نهلت منا المنفقة السمر

(ترجمہ) "پیاری میں نے تجھ کو اس وقت بھی یاد کیا جب کہ گندمی رنگ کے تیز دھارے والے خطی نیزے (میدان جنگ میں) ہمارے خون سے اپنی پیاس بجارہے تھے اور کھٹا کھٹ چل رہے تھے۔"

اس خیال کے آنے میں نہ میلوں اور کوسوں کی مسافت حائل ہوتی ہے اور نہ زنداں و محن کی آہنی اور اونچی دیواریں۔

شعر:

خیال لام السلسبیل و دونها

مسیرة شهر البرید المذبذب

(ترجمہ) میری محبوبہ ام سلسبیل کا خیال میرے پاس آتا ہے حالانکہ میرے اور اس کے درمیان میں ایک تیز رفتار قاصد کی ایک مہینہ کی مسافت ہے۔ ایک دوسرا شاعر کہتا ہے۔

عجبت لمسراها وانی تخصلت

الی وباب السجن دونی مغلق

(ترجمہ) "میری محبوبہ کا خیال معلوم نہیں کس طرح میرے پاس چلا آیا جب کہ قید خانہ کا دروازہ میرے اوپر بند تھا۔"

اس بناء پر مولف کا یہ دعویٰ کہ حضرت تھانوی ایک بیوی کی باری میں دوسری بیوی کا خیال لانا بھی خلاف عدل سمجھتے تھے سر تاپا غلط اور بے بنیاد ہے جیسا کہ ہم نے ابھی اشارہ کیا۔ جناب مولف کے خیال میں غالباً حضرت مولانا تھانوی کے فضل و کمال کا اعتراف اس وقت ہو ہی نہیں سکتا جب تک کہ ایک نہایت معصومانہ انداز میں دوسرے حضرات پر فقرے نہ کسے جائیں اور ان پر طنز و تعریض نہ کی جائے لیکن نہایت افسوس اور بڑی شرم کی بات ہے کہ موقع پر وہ حبک الشی یعمی و یعصم (بسا اوقات کسی شے کی محبت انسان کو اندھا و بہرا بنا دیتی ہے) کے مطابق اس حد تک آگے بڑھ گئے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تنقیص کر بیٹھے ہیں تاریخ و سیر اور احادیث کی کتابوں میں صاف طور پر مذکور ہے کہ حضرت سرور کونین کو حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے اتنی محبت تھی کہ آپ دوسری بیویوں کی باری کے دنوں میں حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا ذکر سوز و گداز کے ساتھ اس طرح فرمایا کرتے تھے کہ ازواج مطہرات کو بعض اوقات ناگوار تک ہو جاتی تھی۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بعد آپ کو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے محبت تھی اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی اسے جانتی تھیں لیکن اس کے باوجود فرماتی ہیں کہ میں نے خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو نہیں دیکھا لیکن مجھ کو جس قدر ان پر رشک آتا تھا کسی اور پر نہیں آتا تھا اس کی وجہ یہ تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہمیشہ ان کا ذکر کیا کرتے تھے ایک مرتبہ میں نے اس پر اپنی آزردگی کا اظہار کیا تو آپ نے فرمایا کہ خدا نے مجھ کو ان کی محبت دی ہے۔ (صحیح مسلم فضائل خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا)

غور کیجئے مولانا تھانوی کے نزدیک تو دوسری بیوی کا خیال لانا خلاف عدل ہے لیکن یہاں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم صرف خیال ہی نہیں لاتے بلکہ ذکر بھی

فرماتے ہیں اور ذکر بھی ایک دو دفعہ نہیں بھول چوک سے نہیں بلکہ ہمیشہ عمداً و قصداً

(چند سطر بعد)

اسی طرح آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے بہت محبت تھی تاریخ و سیر کی کتابوں میں کثرت سے واقعات مذکور ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ اس محبت کا اظہار مختلف طریقوں سے کرتے تھے حد یہ ہے کہ مرض اور وفات میں آپ کسی دوسری بیوی کے گھر میں مقیم تھے کہ دریافت فرمایا کل میں کسی کے گھر میں رہوں گا۔ ازواج مطہرات منشائے مبارک سمجھ گئیں سب نے کہا آپ جہاں چاہیں قیام فرمائیں۔ وقت آ گیا تھا کہ یہ خاکدان عالم آفتاب نبوت کے جسد عنصری سے محروم ہو جائے اس لئے ضعف اس درجہ ہو گیا تھا کہ خود چل نہیں سکتے تھے حضرت علی اور حضرت عباس دونوں بازو تھام کر حضرت عائشہؓ کے حجرے میں لائے اور بالآخر یہاں ایک ہفتہ قیام فرمانے کے بعد رفیق اعلیٰ سے جا ملے۔ غور کرو کتنا نازک مقام ہے۔ سید کونین کے اس دنیا سے رحلت کا وقت آ گیا ہے۔ ایسے موقع پر ہر رفیقہ حیات کی طبعی طور پر خواہش ہو سکتی تھی کہ آپ کی وفات انہیں کے حجرہ میں ہو تاکہ اس موقع سے فائدہ اٹھا کر زیادہ سے زیادہ کسب سعادت کا شرف حاصل ہو اور پھر دوسری بیویوں کا دن بھی ہے لیکن آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دل میں حضرت عائشہ کے ساتھ غیر معمولی محبت کی وجہ سے اس وقت جو آرزو ہے آپ اس کو پوشیدہ نہیں رکھتے لیکن غایت خلق و کرم کے باعث زبان اشارہ سے اس کا اظہار فرماتے ہیں۔

(چند سطر بعد)

غور کرو ان سب واقعات سے کیا ثابت ہوتا ہے یہی نا کہ دل میں خیال کا لانا کجا آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایک بیوی کی باری میں دوسری حرم محترم کا ذکر کرتے تھے اور ان کے ساتھ اپنی محبت کا اظہار بھی فرماتے تھے۔

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو معلوم تھا کہ اس سے دوسری بیویوں کو "اذا احد اھما سخطت الاخری" کے مطابق طبعی طور پر ناگوار ہوتی ہے لیکن عدل

انہیں چیزوں میں ہو سکتا ہے جو انسان کے خود اپنے اختیار میں ہو اور محبت چونکہ غیر اختیاری چیز ہے۔

جو لگائے نہ لگے اور بجھائے نہ بجھے

اس لئے اس بنا پر اس میں عدل کا سوال بھی پیدا نہیں ہوتا تو تاہم کمال عبدیت کا تقاضا یہ تھا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ازواج مطہرات میں عدل فرماتے تھے اور ساتھ ہی دعا کرتے تھے۔

اللهم هذه قسمتی فیما املك فلا تلمنی فیما تملك والا املك — اے اللہ! یہ میری تقسیم ان چیزوں میں ہے جنکا میں مالک ہوں پس تو مجھ کو ملامت نہ کر ان چیزوں میں جن کا تو مالک ہے۔

اب اس کے مقابل مولوی عبدالباری صاحب مولف جامع المجددین کا بیان پڑھئے کہ مولانا تھانوی ایک بیوی کی باری میں دوسری بیویوں کا خیال لانا خلاف عدل سمجھتے تھے اور بتایئے کہ العیاذ باللہ کیا اس جملہ کا حاصل یہ نہیں ہے کہ اس معاملہ میں مولانا تھانوی کا مقام آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بھی اونچا ہے کہ جو کام آپ (یعنی سرور کونین) نہ کر سکے وہ مولانا تھانوی نے کر کے دکھا دیا۔ پھر مولانا عبدالباری ندوی نے مذکورہ بالا جملہ کے بعد جو یہ لکھا ہے کہ۔

"بھلا یہاں تک ذہن بھی کس کا جا سکتا ہے تو اس کی زد کس پر پڑتی ہے۔"

برہان' دہلی مئی ۱۹۵۲، ص ۲۹۶

ممکن ہے بعض قارئین کو یہ خیال ہو کہ ایک ذرا سا فقرہ اور اس پر یہ طویل گفتگو "چھوٹی سی بات تھی جسے افسانہ کر دیا" لیکن اصل یہ ہے کہ تمام گمراہیوں کا سرچشمہ اپنے کو اکمل سمجھنا ہی ہے اس سے پہلے شخصیت پرستی پیدا ہوتی ہے اور یہ آگے چل کر اوتار یا دیوتا یا الوہیت کے عقیدے کی شکل اختیار کر لیتی ہے"

برہان' دہلی فروری ۱۹۵۲، ص ۱۱۰

"یہ عقیدت مفرطہ اچھے اچھے علماء کو بھی بسا اوقات کس طرح افراط و تفریط میں مبتلا کر کے بارگاہ رسالت میں بالواسطہ گستاخی کا سبب بنتی ہے۔"

برہان دہلی' مارچ ۱۹۵۲ء صفحہ ۱۷۶

"ایک بلند پایہ بزرگ کو صرف اس کے اس مرتبہ و مقام تک محدود رکھنے کا جذبہ ہو اس کے برخلاف اگر پہلے سے مان لیا گیا ہے کہ اس بزرگ کو جامع المجددین ہی ثابت کرنا ہے تو پھر ظاہر ہے کہ جو بھی بے اعتدالی ہو اور اس بے اعتدالی کی زد میں اکابر مشائخ و علماء کا کیا ذکر پیغمبر اور پیغمبر کے ساتھی بھی آ جائیں تو ذرا مستبعد نہیں۔

اے کاش! لائق مصنف کو معلوم ہوتا کہ کم بخت شیطان کے راہ مارنے کے طریقے ایک نہیں ہزاروں ہیں کہیں یہ بدی کے راستے پر لگا کر انسان کو خسر الدنیا والآخرۃ کا مصداق بناتا ہے اور کبھی نیکی میں غلو پیدا کر کے اس راہ سے بے راہ کر دیتا ہے۔"

نوٹ: اگر علماء اہل سنت کی طرف سے یہ آواز اٹھائی جاتی کہ مولف جامع المجددین مولوی عبدالباری ندوی نے توہین رسالت کر کے اپنی دنیا و آخرت برباد کی تو اب تک ایک قیامت برپا ہو گئی ہوتی تھانہ بھون سے نجد تک کہرام مچ گیا ہوتا مگر فاضل اکبر آبادی کی تنقید و تبصرہ پر ساری دیوبندیت دم بخود ہو کر سسک رہی ہے تھانہ بھون کا ہر پجاری سر بگریباں ہے مگر توفیق توبہ نصیب نہیں ہو رہی ہے جب پیر و مرشد ہی بغیر توبہ چل بسے تو ان غریب پجاریوں کو توبہ کی پونجی کہاں سے ہاتھ آئے؟ اسی کو کہتے ہیں خدائی مار' کہنے والے نے سچ کہا ہے کہ اللہ کے یہاں دیر ہے اندھیر نہیں ہے۔ اب تک تو حضرات دیوبند یہ کہہ کر راہ فرار اختیار کرتے تھے کہ ہماری کتابوں سے علماء بریلی و علماء بدایوں کو للہی بغض ہو گیا ہے؟ اب فرمائیں کہ مولانا سعید احمد اکبر آبادی کے لئے کیا فتویٰ ہے؟

ناظرین نے اچھی طرح محسوس کر لیا ہو گا کہ جامع المجددین میں جابجا سرور کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تنقیص و توہین کی گئی ہے اور مولانا تھانوی کو مرتبہ نبوت سے بھی بڑھانے کی کوشش کی گئی ہے یہی ہے دیوبندی مشن کا مطمع نظر اور مقصود کہ سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنے جیسا بشر' ذرہ ناچیز سے کمتر' چمار سے زیادہ ذلیل' گاؤں کا چودھری' بڑا بھیا' مر کر مٹی میں ملنے والا' حشر میں اپنے انجام سے بے خبر' کی تبلیغ کرو اور جب مولانا کی باری آئے تو سر منڈا کے پائجامہ چڑھا کے' گلے پھاڑ پھاڑ کر خوب اچک اچک کر یہ

کہنا وہ اکمل تھے حجۃ اللہ فی الارض تھے۔ مجدد اعظم تھے ان کے پاؤں کو دھو کر پینا نجات اخروی کا سبب ہے اور کیا کہنا ہے ہمارے مجدد اعظم کا کہ انہوں نے عدل بین الزوجتین کے معاملہ میں وہ کر دکھایا جس کو رسول خدا بھی نہ کر سکے۔ یہی وجہ ہے کہ اب ہم دیوبندی محمد رسول اللہ کی بجائے اشرف علی رسول اللہ کا کلمہ پڑھنے لگے ہیں۔

اب ہم دیوبندیوں کو محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ضرورت نہیں ہے جو خود اپنی بیٹی کے کام نہ آسکیں گے اور انہیں یہ بھی معلوم نہیں کہ قیامت میں ان کے ساتھ کیا معاملہ ہوگا۔ اب ہم لوگوں کے لئے تو حضرت تھانوی بہت کافی ہیں۔ ان کا پاؤں نہ مل سکے گی تو ان کی قبر ہی دھو کر پی لیا کریں گے جو ہماری نجات کا باعث ہوگا۔

کاش اب بھی حضرات دیوبند سوچتے کہ اس پیر پرستی اور مریدوں کی بیجا نیاز مندی نے مولانا تھانوی کا دماغ اتنا اونچا کر دیا تھا کہ لا الٰہ الا اللہ اشرف علی رسول اللہ پڑھواتے اور اس پر اپنی رضامندی کی مہر ثبت کرتے اور دیوبندی مکتبہ فکر کا یہ عالم کہ آج تک وہ الامداد کی اس عبارت کو جزو ایمان بنائے ہے اور سیف یمانی میں مولانا منظور نعمانی نے اس عبارت کی توجیہہ و تاویل پر وہ گل کھلائے ہیں کہ انہیں بھی دیکھ کر اب شرم آتی ہوگی مگر یہ نہ ہو سکا کہ تقویۃ الایمان ہی کی روشنی میں یہ کہہ دیتے کہ چونکہ اس کا ظاہر ٹھیک نہیں لہٰذا اس کو خارج کر کے توبہ کرنی چاہیے۔

خدا جانے کیا ہو گیا ہے علماء دیوبند کو کہ توبہ کا نام سنتے ہی انہیں بخار آجاتا ہے کوئی کریلا اور گلاب جامن سے چڑتا ہے مگر حضرات دیوبند توبہ سے چڑتے ہیں۔

مولانا تھانوی نے اپنی دوسری شادی کے بعد ایک مجددانہ و عارفانہ خطبہ ارشاد فرمایا تھا جس پر فاضل دیوبند مولانا سعید احمد اکبر آبادی کا تبصرہ ملاحظہ فرمایئے اور اندازہ کیجئے کہ کس بحرانی کیفیت میں جناب تھانوی صاحب نے یہ خطبہ دیا تھا ابتدائے عشق میں مولانا (تھانوی) مولانا محمد علی جوہر کے اس شعر پر عمل پیرا تھے۔

عشق ہی باعث تکوین جہاں ہے غافل
تو نے سمجھا ہے اک شغل ہے بیکاری کا

اور بعد عشق کیا حالت ہوئی اس کو خطبہ میں ملاحظہ فرمایئے۔

برہان، مارچ ۵۲ء زیر عنوان "تعدد ازدواج اور شوہر کا دستور العمل"

"اور سنئے حضرت مولانا تھانوی نے غالباً عقد ثانی کے بعد اپنے ذاتی تجربات سے متاثر ہو کر تعدد ازدواج کے مسئلہ پر ایک خطبہ ارشاد فرمایا ہے جس میں تعدد ازدواج کو ہر روایتی صراط مستقیم کی طرح بال سے باریک اور تلوار سے تیز تر بتایا گیا ہے اور یہاں تک فرمایا ہے "من نکروم شما حذر بکنید" پھر آگے چل کر اس میں جو قباحتیں، دشواریاں اور صعوبتیں ہیں ان کا تذکرہ کرنے کے بعد تعدد میں پڑنا یا تو دنیا برباد و تلخ کرنا ہے اور یا آخرت و دین کو تباہ کرنا ہے۔ اس سلسلہ میں ہماری گزارش ہے کہ بے شبہ ہوس رانی اور لذت نفس کے لئے خواہ مخواہ تعدد ازدواج کی راہ اختیار کرنا اسلامی تعلیمات کی روشنی میں پسندیدہ نہیں ہے لیکن یہ چیز اس درجہ قبیح اور لائق اجتناب بھی نہیں ہے جتنی کہ مولانا تھانوی کے بیان سے ظاہر ہوتی ہے۔"

نوٹ: ؎

ابتدائے عشق ہے روتا ہے کیا
آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا

ابتدائے عشق میں تو یہ عالم تھا کہ یہی "شادی" تقرب الی اللہ کا ذریعہ بنی تھی چلہ، مجاہدہ، ریاضت، عبادت، مشقت سے جو مراتب و درجات تھانوی صاحب کو نہ حاصل ہو سکے تھے وہ بیک جنبش قدم بیگم صاحبہ کے آتے ہی حاصل ہو گئے یا تو سر تا پا وہ فرشتہ رحمت ہی بن کر آئی تھیں یا پھر رحمت ہی زحمت ثابت ہوئیں۔

چرا کارے کند عاقل کہ باز آید پشیمانی

کاش یہ فلسفہ پہلے ہی مولانا تھانوی سوچ لئے ہوتے مگر اس کو کیا کہیے کہ پیچھے سے سوچنے کی عادت تھی۔ افسوس تھانوی صاحب کو شادی خانہ بربادی کا احساس اس وقت ہوا جب کہ دنیا و آخرت دونوں برباد ہو گئیں بقول جگر ؎

ٹوٹ پڑتا ہے دفعتاً جو عشق
بیشتر دیر پا نہیں ہوتا

کس قدر حیرت کی بات ہے کہ تھانوی صاحب اگر دوسری بیوی سے نباہ نہ کر سکے تو یہ

کیوں سمجھ بیٹھے کہ ساری دنیا انہیں کی طرح ہے' کچھ نہ سہی تو کم از کم نص قرآنی کا لحاظ کرتے کہ قرآن مجید نے مسلمانوں کو بیک وقت چار بیویوں کی اجازت دی ہے تو کیا معاذ اللہ قرآن مجید بھی مسلمانوں کو دنیا و آخرت کے برباد کرنے کی تلقین کر رہا ہے آخر ش صحابہ کرام اور بہت سے اولیائے عظام نے کئی کئی شادیاں کیں تو کیا العیاذ من ذالک ان سب لوگوں نے بقول تھانوی اپنی دنیا و آخرت برباد کی۔ آج بھی بہت سے کھاتے پیتے صحت مند و توانا لوگ کئی شادیاں کرتے ہیں ان میں عدل بھی باقی رکھتے ہیں معمولات دینی و دنیاوی میں کوئی فرق نہیں آتا مگر مولانا تھانوی ہیں کہ سب کو ایک ہی ڈنڈے سے ہانک رہے ہیں۔ ان کی نظر میں "سب دھان بائیس (۲۲) پنسیری ہے" کہاں تو تھانوی صاحب شادی سے پہلے اور شادی کے وقت اتنا مگن تھے کہ خواہ بدنامی یا رسوائی ہو مگر شادی ہو کر رہے گی اور اس پر طرفہ تماشہ یہ کہ خواہش نفس ولذت جسمانی کو اتباع سنت کا اضطراری جذبہ قرار دیا گیا مگر یہ کیا کہا بیگم صاحبہ کا پہنچتے ہی انہوں نے مولانا تھانوی کے نام نہاد تصوف و طریقت کا حلیہ ٹاٹ کر دیا اور وہ درگت بنائی کہ ایڑی کا پسینہ چوٹی اور چوٹی کا پسینہ ایڑی پر آ گیا ہے۔

اب بیچارے اتنے گھبرائے کہ قرآن و سنت سبھی بھول بیٹھے اور عالم بد حواسی میں فرمانے لگے کہ جس کو اپنی دنیا و آخرت برباد کرنی ہو وہ دوسری شادی کر لے۔ مولانا تھانوی کا یہ حال پڑھ کر غالب کا ایک شعر یاد آگیا ہے۔

عشق نے غالب نکما کر دیا
ورنہ ہم بھی آدمی تھے کام کے

اب مولانا تھانوی کے مجددانہ خطبہ پر فاضل دیوبند سعید احمد اکبر آبادی کے پند و نصائح ملاحظہ فرمائیں۔

برہان مارچ ۵۲ء ص ۱۷۴

"مناسب یہ تھا کہ حضرت مولانا تھانوی اس مسئلہ پر گفتگو کرتے وقت ذرا وسعت نظر سے کام لیتے اور شخصی نفع و ضرور کے علاوہ قومی مفاد و امضاء اور اجتماعی مصالح و حکم کو بھی پیش نظر رکھتے۔ خیر یہ مسئلہ تو اپنی جگہ الگ نظر و بحث کا محتاج ہے۔ عرض کرنے کا مقصد یہ ہے کہ تعدد و ازدواج کی قباحتوں کو بیان فرمانے کے بعد

مولانا(تھانوی) نے ان لوگوں کے لئے جو اس میں مبتلا ہی ہو جائیں ایک دستور العمل بھی لکھا ہے جس میں آپ نے شوہر کو بارہ ہدایات دی ہیں۔ان میں سے تین ہدایتیں نمبر ۷'۸'۹ حسب ذیل ہیں۔

۱- ایک کے ساتھ محبت کا اظہار دوسری کے سامنے نہ کرے۔

۲- ایک کی تعریف دوسری سے نہ کرے۔

اب مولانا تھانوی کی ان ہدایات کو ملاحظہ فرمایئے اور ساتھ ہی ساتھ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سیرت مقدسہ کے جو بعض واقعات اوپر بیان کئے گئے ہیں ان پر نگاہ ڈالئے تو معلوم ہوگا کہ۔

۱- ایک کے لئے ساتھ محبت کا اظہار دوسرے کے سامنے کرتے تھے۔

۲- ایک کی تعریف دوسرے سے کرتے تھے۔

۳-اور ایک کا تذکرہ بھی دوسرے سے کرتے تھے۔

اب فرمایئے آپ کس کو حق اور قابل اتباع قرار دیں گے؟ہمارے فاضل مولف (مولانا عبدالباری ندوی) کا مولانا تھانوی کی مذکورہ بالا ہدایات کے متعلق ارشاد علی الاطلاق ہے کہ نسخوں کے مجرب و تیر بہدف ہونے میں شبہ نہیں ہر ہر جز حکیمانہ و عارفانہ ہے۔اگر مولف کا یہ دعویٰ صحیح ہے تو وہ بتائیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نسبت ان کا ارشاد کیا ہوگا؟

نوٹ: ۔

تناقص کے پیچھے تعارض کا شور
تعارض کی دم میں تناقص کی ڈور

فاضل اکبر آبادی ایک ہی تعارض و تناقص میں حیران و ششدر ہیں' حالانکہ علماء دیوبند کی عبارات میں تناقص و تعارض کی حیثیت "سلسلہ غیر متناہی" بمعنی "لا تقف الی حد" کی ہوتی جا رہی ہے جو تسلسل منطقیوں کی نظر میں محال تھا وہ اب ممکن الوقوع ہوتا جارہا ہے واضح رہے کہ وہابیوں اور دیوبندیوں کی نظر میں مولانا اسماعیل' مولانا گنگوہی مولانا تھانوی کی حیثیت معتبرنائی کی ہے۔ جیسے کہ ایک واقعہ مشہور ہے۔

کسی شہر میں کوئی حجام پہنچا
ملاقات حجمان سے کر کے بولا
کہ بی بی تمہاری ہوئیں آج بیوہ
میاں تم کو اس غم میں ماتم ہے زیبا
سنا جب انہوں نے بہت روئے پیٹے
کہ افسوس بیوی ہوئی میری بیوہ
تو احباب نے آ کر ان کو بتایا
کہ بیوہ ہوئی کیسے تم تو ہو زندہ
لگے کہنے قاصد بھی تو معتبر ہے
پھر اس کو میں کس طرح سمجھوں گا جھوٹا

بالکل یہی حال علماء دیو بند کا ہے۔ مولانا سعید احمد اکبر آبادی لاکھ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ فرمایا ہے اور اس کے خلاف مولانا تھانوی نے یہ فرمایا۔ لہٰذا کس پر عمل کیا جائے؟ تو جواب ایک ہوگا اور صرف ایک کہ "ہم مولانا تھانوی پر اعتبار کر چکے ہیں" معتبر نائی کی بات جھٹلائی نہیں جاتی کیا آج کی دنیا میں اس سے بھی بڑھ کر شخصیت پرستی کی کوئی جیتی جاگتی مثال مل سکتی ہے کہ خود دیو بند کا ایک فاضل کہہ رہا ہے کہ مولانا تھانوی کی یہ ہدایات مصلح اعظم سرور کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سیرت مقدسہ کے خلاف ہیں اس کے باوجود حضرات دیو بند خواب خرگوش میں پڑے سانس ڈکار تک نہیں لیتے۔ گویا یہ گوارا ہے کہ رسول کائنات سے رشتہ اور ناطہ ٹوٹ جائے مگر حکیم الامت مولانا تھانوی کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹنے۔ اب جس کی عقل ماری گئی ہے۔ وہ علماء دیو بند کی ہاں میں ہاں ملاتا رہے اور ان کی جی حضوری ہی کو حاصل زندگی سمجھے لیکن خدا نے جس کو تھوڑی بہت عقل دی ہے وہ سوچ سکتا ہے کہ علماء دیو بند کی نظر میں رسول کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی کیا حیثیت ہے اور ان کے خانہ ساز مجدد اعظم مولانا تھانوی کی کیا حیثیت ہے؟

اب اسی مضمون کی دوسری کڑی پر فاضل دیو بند مولانا سعید احمد اکبر آبادی کا تبصرہ ملاحظہ فرمائیے۔

برہان ۱۹۵۲ء ص ۱۱۶ خلیفہ منصور یا ہارون الرشید کا ایک واقعہ بیان کرنے کے بعد مدیر برہان تحریر فرماتے ہیں۔

"یہاں اس واقعہ کے نقل کرنے کا مقصد صرف یہ دکھانا ہے کہ حضرت مالک بن

انس ایسا امام عالی مقام اپنے ہی اجتہادات واستنباطات کو ہر ایک کے لئے لازمی قرار نہیں دیتا لیکن ہمارے فاضل مولف (مولانا عبدالباری ندوی) کا ارشاد ہے کہ حضرت تھانوی مجدد نہیں جامع المجددین تھے اور ان کو پانا اور ان کا دامن تھامنا دین کے اصل وپاک سرچشمہ تک پہنچنے اور عمل کی دینی ودینوی برکات وثمرات حاصل کرنے کے لئے ضروری ولابدی ہے۔"

نوٹ: امام اعظم ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا کہ قرآن وحدیث کی روشنی میں یہ میری اپنی رائے ہے اور جس پر مجھے قدرت تھی اس میں یہی بہترین رائے ہے اگر کوئی اس سے عمدہ رائے لائے تو وہ اولی بالصواب ہے امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جب تم میرے کلام کو حدیث کے مخالف پاؤ تو میرے کلام کو دیوار پر پھینک دو۔ امام احمد حنبل رحمتہ اللہ علیہ نے اسی سے ملتی جلتی بات ارشاد فرمائی۔ امام یوسف وامام زفر فرماتے ہیں کہ ہمارے قول سے فتویٰ دینا اس وقت تک درست نہیں تاوقتیکہ مفتی یہ نہ جان لے کہ یہ بات میں نے کہاں سے کہی۔

ائمہ مجتہدین کے حزم واحتیاط کا یہ عالم تھا مگر تھانوی کے پجاری مولانا عبدالباری ندوی ارشاد فرماتے ہیں کہ "مولانا تھانوی کو پانا اور ان کا دامن تھامنا اصل وپاک سرچشمہ تک پہنچنے اور عمل کی دینی ودینوی برکات وثمرات حاصل کرنے کے لئے ضروری ولابدی ہے۔"

رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، امام ابو حنیفہ، امام یوسف، امام محمد وغیرہم کا دامن ہاتھ میں آئے یا نہ آئے مگر مولانا تھانوی کا دامن ہاتھ آنا ضروری ولابدی ہے اے کاش علماء دیوبند کی چکنی چپڑی باتوں پر سر دھننے والے کبھی یہ بھی سوچ سکتے ہیں کہ ۔

نگاہ لطف کی اک اک ادا نے لوٹ لیا
وفا کے بھیس میں اک بے وفا نے لوٹ لیا

جامع المجددین کی ایک اور عبارت پر فاضل اکبر آبادی کا آخری تبصرہ ملاحظہ کریجئے تو پھر حفظ الایمان کی عبارت پر علماء دیوبند کی قلابازیاں ملاحظہ فرمایئے۔

برہان فروری ۱۹۵۲ء ص ۱۱۲ و ۱۱۳

"حضرت تھانوی علیہ الرحمۃ کا سب سے نمایاں اور بڑا کمال راقم احقر (مولوی عبدالباری ندوی) کی نظر میں یہ تھا کہ علم و عمل کی حدود میں رعایت اس درجہ تھی کہ حضرات انبیاء کا تو ذکر نہیں ورنہ لوازم بشریت کے ساتھ اس سے زائد کا تصور دشوار ہے اور اس میں یقیناً اس نعمت کو دخل تھا کہ اللہ تعالیٰ نے بسطۃً فی العلم کے ساتھ بسطۃً فی العمل کا بھی وافر حصہ عطا فرمایا تھا جسمانی خلقت ظاہری و باطنی حواس کی صحت اور نتیجہ اعتدال مزاج کی لطافت میں بھی مجدد امت کی ذات نبی امت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پرتو تھی۔"

برہان دہلی فروری ۵۲ ص ۱۱۴

"حضرات انبیاء کا تو ذکر ہی نہیں ورنہ لوازم بشریت کے ساتھ اس سے زائد کا تصور دشوار ہے۔ اس عبارت کا مطلب بجز اس کے اور کیا ہو سکتا ہے کہ تابعین و تبع تابعین اور ائمہ عظام و صدیقین و شہداء تو کیا مولانا تھانوی کا مقام صحابہ سے بھی اونچا تھا کیونکہ صحابی سب ایک ہی مرتبے کے نہیں تھے ان میں آپس میں بھی فرق مراتب تھا اور لوازم بشریت کے ساتھ اس سے زائد کا تصور ہی نہ ہوتا۔ یہ سب سے اونچا مرتبہ ہے۔ اس بناء پر مولانا تھانوی فرداً فرداً ہر ایک صحابی سے اونچے نہ سہی بعض صحابہ سے جو دوسرے صحابہ کے مقابلے میں مفضول تھے۔ ان سے لامحالہ تھانوی صاحب اونچے ہو ہی گئے۔"

کاش اب بھی اہل نظر سوچتے کہ دارالعلوم دیوبند، تبلیغی جماعت اور جمعیۃ العلماء ہند کے نام پر مسلمانوں کا دین و ایمان کس بری طرح غارت کیا جا رہا ہے اور ایک "سنی" کو مٹانے کے لئے کتنے حربے استعمال کئے جا رہے ہیں؟

کرم کوشیاں ہیں ستم کاریاں ہیں
بس اک دل کی خاطر یہ تیاریاں ہیں

دوستو! دیوبندیت اور اہل سنت یہ دو مکتبہ فکر ہیں توحید و رسالت پر گفتگو کرتے ہوئے علمائے دیوبند کا یہ کہنا ہے کہ رسول خدا ہمارے جیسے بشر، ذرہ ناچیز سے کمتر اور چمار سے زیادہ

ذلیل تھے۔ معاذاللہ۔ اور علمائے اہل سنت کا یہ کہنا ہے

اللہ کا محبوب بھی کم پایہ نہیں ہے
واں جسم نہیں ہے تو یاں سایہ نہیں ہے

مقدمے کی پوری روداد تم نے سن لی اب فیصلہ تمہارے ہاتھ ہے یہاں جبر و اکراہ کا سوال نہیں ہے یہ تو دین و ایمان کا سودا ہے جہنم کے بھڑکتے ہوئے شعلے اور جنت کے حسین و دیدہ زیب محل دونوں پس پردہ ہیں۔ خواہ رسول کا دامن تھام کر جنت کا داخلہ لو یا ان سے کترا کر اور انہیں گالیاں دے کر جہنم کی آگ میں اپنا ٹھکانا بناؤ یاد رکھو۔

گندم از گندم بروید جو ز جو
از مکافات عمل غافل مشو

گیہوں بونے والا گیہوں کاٹتا ہے اور جو کی کھیتی کرنے والا جو کاٹتا ہے۔ اس لئے تمہیں بھی اپنے عمل سے غافل نہیں رہنا چاہیے۔ رسول خدا کو گالیاں دے کر تم جنت نہیں لے سکتے۔ دشمن رسول اور باغی مصطفیٰ کے لئے تو جنت کی خوشبو بھی نہیں آئے گی جنت تو ان کی اور ان کے غلاموں کی ہے۔ امام احمد رضا خان فاضل بریلوی نے کتنی پیاری بات فرمائی ہے۔

وہ جہنم میں گیا جو ان سے مستغنی ہوا
ہے خلیل اللہ کو حاجت رسول اللہ کی

گفتگو یہ ہو رہی تھی کہ مولوی کاندھلوی نے کہا کہ پہلے تو میں حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کو اس صدی کا مجدد سمجھتا تھا لیکن اب میں حضرت مولانا تھانوی کو نہ صرف مجدد بلکہ مظنون کہ حضرت (تھانوی) کا درجہ مجددیت سے عالی ہو۔

مولوی یحییٰ کاندھلوی نے تو بات اشارے کنائے میں کہی تھی مگر مولف جامع المجددین مولوی عبدالباری ندوی نے صاف صاف کھلے بندوں کہہ دیا کہ مولانا تھانوی کا مرتبہ صحابہ اور رسول خدا سے بھی بلند و بالا تھا جس کی تفصیل فاضل دیوبند مولانا سعید احمد اکبر آبادی کے تبصرہ میں گزر چکی ہے۔

اب حفظ الایمان جیسی رسوائے زمانہ کتاب کی ایک دلخراش کفر آمیز و غارت گر ایمان عبارت پر علمائے دیوبند کی علمی بے مائیگی 'باہمی دھینگا مشتی 'تھکا فضیحتی' ملاحظہ کیجئے بقول کسی

شاعر۔

جیسا موسم ہو مطابق اس کے میں دیوانہ ہوں
مارچ میں بلبل ہوں جولائی میں پروانہ ہوں

یہی حال اس عبارت پر حضرات دیوبند کا ہے کہ انہیں کسی کروٹ چین نہیں اصل عبارت یہ ہے۔

حفظ الایمان، مولوی اشرف علی تھانوی ص ۷

"پھر یہ آپ کی ذات مقدسہ پر علم غیب کا حکم کیا جانا اگر بقول زید صحیح ہو تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس غیب سے مراد بعض غیب ہے یا کل اگر بعض علوم غیبیہ مراد ہیں تو اس میں حضور کی تخصیص ہے ایسا علم تو زید و عمر بلکہ ہر صبی و مجنون بلکہ جمیع بہائم کے لئے حاصل ہے۔

دل کے پھپولے جل اٹھے سینے کے داغ سے
اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

حفظ الایمان کی یہی وہ عبارت ہے جس پر ملک کے طول و عرض میں مناظرہ و مجادلہ ہوتا رہتا ہے علماء عرب و عجم نے اس گندہ اور کفری عبارت سے نہ صرف اظہار بیزاری کیا بلکہ اس کے قائل کو کافر و مرتد قرار دیا اور اس سے رجوع کرنے و توبہ کرنے کی تلقین کی گئی چونکہ اس عبارت میں آقا دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی کھلی توہین ہے جو علماء اہل سنت و علماء دیوبند کے درمیان متفقہ طور پر موجب کفر ہے۔ علامہ قاضی عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ نے شفا شریف میں یہاں تک تحریر فرمایا ہے کہ اگر کوئی شخص رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نعل مبارک کو تحقیراً "نعیل" یعنی حضور کی جوتی کو جوتڑیا کہہ دے تو ایسا شخص کافر اور واجب القتل ہے چونکہ اس شخص نے آقائے دو جہاں کی اس نعل مبارک کی تنقیص کی جو پائے نبوت سے مس ہو چکی ہے اور قدم ناز نبوت سے اسے اک گونہ نسبت حاصل ہے۔

ان سب کے باوجود شاتم رسولؐ بارگاہ نبوت کے گستاخ و بے ادب مولانا تھانوی کے کان پر جوں تک نہ رینگی۔ محض یہ خیال کرتے ہوئے کہ بات مشتہر ہو چکی ہے مجدد

مدرسہ، دارالافتاء، خانقاہ، خواص و عوام غرضیکہ کوچہ و بازار تک یہ بات پہنچ گئی ہے لہٰذا اب توبہ کرنے میں سبکی و رسوائی ہو گی۔ دنیا کافر کہے یا مرتد، مسلمان لڑیں یا مریں، مناظرہ ہو یا مجادلہ، عظمت اسلام باقی رہے یا لٹ جائے، عرب و عجم میں غصے کا اظہار ہو یا نفرین و ملامت، یہ سب کچھ گوارا ہے مگر نوک قلم پر آئی ہوئی بات واپس نہ لی جائے گی۔

مری مایہ ناز و شہرۂ آفاق عبارت پر قوم مسلم مجھ سے کائی کی طرح چھٹ جائے تو مجھے کیا غم! اسلامت رہیں انگیریز بہادر اور ان کی راجدھانی کہ چھ سو روپے ماہانہ "ان داتا" کی طرف سے گزر اوقات کے لئے مل ہی جاتے ہیں۔ اور میرا بھائی مظہر علی سی آئی ڈی کے بڑے عہدے پر فائز ہے جب چاہوں گا اس عبارت پر معترضین کے خلاف رپٹ دلوا کر ایک ایک کو چن کر ڈیڑھ لاکھ کے مکان میں بند کرادوں گا "سیاں بھئے کوتوال اب ڈر کاہے کا ہے"

یہ ظاہر ہے کہ مسلمان اتنی رقم نہ دے سکتا تھا جو انگریز بہادر کے خزانے سے مل رہی تھی۔ انگریز اپنے حربے میں کامیاب اور تھانوی صاحب سنہری سکوں کی جھنکار پر والا و شیدا تھی۔ یہی تھی انگریز کی ڈپلومیسی چال جس کے بل بوتے وہ صدیوں سے زائد بھارت کی سرزمین پر مسیحی پرچم لہراتا رہا۔ انگریز خود تو سات سمندر پار کر گیا مگر حفظ الایمان، تقویۃ الایمان، بہشتی زیور، براہین قاطعہ، الشہاب الثاقب، تحذیر الناس، صراط مستقیم، فتاویٰ رشیدیہ جیسی شر انگیز کتابیں مناظرہ کے لئے چھوڑ گیا جس سے ہندی مسلمانوں کا چین اور سکھ جاتا رہا۔ یہ ایک ایسی درد انگیز اور دکھ بھری کہانی ہے جس کو لکھتے ہوئے قلم کا جگر شق ہوا جاتا ہے۔

قیامت خیز ہے افسانہ پردرد و غم میرا
نہ کھلواؤ زباں میری نہ اٹھواؤ قلم میرا

مختصر یہ ہے کہ اس عبارت پر بھارت کی زمین انگارہ اگل رہی تھی اور آسمان آگ برسا رہا تھا۔ بات کچھ ہلکی پھلکی نہ تھی ناموس رسالت کا سوال تھا جس پر بیدار مغز و زندہ دل مسلمان سر دھڑ کی بازی لگا دیتا ہے نہ جانے کتنے جوان ہتھیلی پر سر لئے اور کاندھے پر کفن ڈالے میدان عشق و محبت میں یہ کہتے ہوئے کود پڑے ۔

سرفروشی کی تمنا اب ہمارے دل میں ہے
دیکھنا ہے زور کتنا بازوئے قاتل میں ہے

مسلمان ہزار گنہگار و سیہ کار سہی مگر اس کے سینے میں ایمان بھرا دل اور اس کی رگوں میں عشق رسول کا گرم گرم خون ہے وہ اپنی نجی عزت و آبرو پر صبر بھی کر سکتا ہے مگر آمنہ کے لال محبوب کردگار سرکار محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عزت و عظمت پر خون کا آخری قطرہ قربان کر دینے میں اپنی سعادت و نجات سمجھتا ہے۔

ملک کی بھرپور آبادی میں کہرام مچا تھا کہ حفظ الایمان کی عبارت واپس لے لو۔ علماء اہل سنت کا چین و سکون جاتا نہ جانے کتنے مسلمانوں نے اپنے اوپر دانہ پانی حرام کر لیا کہ ایسی زندگی سے بہتر ہے جان کی بازی لگا دینا جس میں جیتے جی سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی توہین، تنقیص کا روح فرسا منظر دیکھنا پڑے۔ بوڑھے، جوان، مرد، عورتیں سبھی حفظ الایمان کی عبارت پر خون کے آنسو رو رہے تھے۔

الٰہی! کیوں نہیں اٹھتی قیامت ماجرا کیا ہے

مگر مولانا تھانوی اور ان کے مقلدین خم ٹھوک ٹھوک کر دعوت مناظرہ دیتے رہے حالانکہ علماء اہل سنت یہ جانتے تھے

نہ خنجر اٹھے گا نہ تلوار ان سے

یہ بازو مرے آزمائے ہوئے ہیں

لیکن اہل سنت کا ہوشمند و مستقبل آشنا طبقہ یہ نہ چاہتا تھا کہ آپس میں مناظرہ و مباحثہ کی نوبت آئے ورنہ مسلمانوں میں پھوٹ پڑ جائے گی جس سے ان کے دامن اتحاد و اتفاق کی دھجیاں تار تار ہو جائیں گی علماء اہل سنت پوری اعتدال پسندی و سنجیدگی سے تھانوی صاحب اور ان کے حامیین کو سمجھاتے رہے کہ الا انسان مرکب من الخطاء والنسیان انسان کوئی فرشتہ نہیں اس کی تو خمیر میں خطاء و نسیان ہے۔ اگر آپ سے لغزش و خطا ہو گئی تو کیا تعجب؟ دنیا کی عظیم ترین ہستیوں کے زبان و قلم نے ٹھوکر کھائی ہے۔ پھر آپ جیسے لوگوں کا ٹھوکر کھانا تو امر یقینی ہے لہٰذا یہ مقام ضد اور ہٹ دھرمی کا نہیں ہے بلکہ کفر و ایمان کا سوال ہے سوچئے اور ہزار بار سوچئے کہ یہ کچھ وحی الٰہی نہیں جس میں ترمیم و تنسیخ کی گنجائش نہ ہو۔ یہ تو آپ ہی کی عبارت ہے جس کے رد و بدل میں آپ کو سو فیصدی حق حاصل ہے مگر افسوس کہ اس معقول اور واضح مطالبہ پر مولانا تھانوی نے کوئی توجہ نہ کی۔ شاید انہیں اس اندیشے نے

اپنی غلط روش پر اڑے رہنے پر مجبور کیا ہو کہ عبارت واپس لینے پر کہیں حلقہ معتقدین میں کمی نہ ہو جائے اور میری لٹتی ہوئی آبرو دیکھ کر انگریز بہادر بھی مجھ سے آنکھیں پھیر کر گھر سے باہر نہ کر دیں اور اس شعر کا مصداق بننا پڑے ؎

نکلنا خلد سے آدم کا سنتے آئے تھے لیکن
بہت بے آبرو ہو کر ترے کوچے سے ہم نکلے

سچ ہے! جنت ہاتھ آئے نہ آئے مگر پیرس اور لندن کا باغیچہ تو مل جائے!! افسوس کہ حیات مستعار و زندگی ناپائیدار کے عیش عارضی کی خاطر نہ جانے انسان کیا سے کیا کر گزرتا ہے۔

وہ عشرت موت ہے یارب جو نظر پر ڈال دے پردے
وہ دولت قہر ہے جو دل کو تجھ سے بے خبر کر دے

اے پروردگار عالم! اب اس سے بڑھ کر قیامت کی اور کیا نشانی ہو گی کہ تیری خدائی میں ایسے بھی سرکش اور باغی ہیں جو تیرا کھاتے ہیں اور تیرے ہی محبوب کو گالیاں دیتے ہیں!

اے کائنات کے پالنہار! اب بات گھر سے باہر آچکی ہے آج انسانوں کی کھلی آبادی میں تیرے محبوب کے علم پاک کو جانور، پاگل مجنون کے علم جیسا کہا جا رہا ہے۔ شیطان اور ملک الموت کے علم کو نص قرآنی سے ثابت کیا جاتا ہے مگر آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے دلارے کے لئے علم غیب ماننے والوں کو مشرک کہا جاتا ہے۔

اے خالق ارض و سما! یہ کیسا اندھیر ہے کہ نماز میں گائے بیل کا خیال لانے سے تو نماز ہو جائے مگر تیرے پیارے محبوب سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا خیال لانے سے نماز فاسد ہو جائے۔

اے کائنات کے مالک و مختار! یہ وقت تیرے محبوب کے جاں نثاروں پر کتنا کٹھن اور ان کی عقیدت و محبت کا کیسا سنگین امتحان ہے کہ ہم جیتے جی تیرے محبوب کی بارگاہ بیکس پناہ میں گالیوں کی بوچھاڑ دیکھ رہے ہیں آج نہ جانے کتنی ایسی رسوائے زمانہ کتابیں ہیں جس میں تیرے محبوب کی عظمت و تقدیس پر حملہ ہے اور اسلامی لیبل پر کتنے اسٹیج ہیں جس پر دن دیہاڑے ناموس رسالت کی بے حرمتی پر شعلہ بار تقریریں ہیں۔

اے رب قدیر! ہم تیرے امتحان کے قابل نہیں اپنی عجز و ناتوانی کا احساس رکھتے ہوئے ہم تیری بارگاہ عدالت میں عہد و پیمان کرتے ہیں کہ ہم عمر کے آخری لمحہ تک تیرے اور تیرے رسول کے دشمنوں پر نفرین و ملامت کرتے رہیں گے اور ان کی ہر گستاخ و بے ادب تحریر و تقریر کا دندان شکن جواب دیتے رہیں گے تو ہمیں اس راہ میں استقلال و استحکام عطا فرما اور ہمارے سینے کو اپنی اور اپنے رسول کی محبت کا گنجینہ بنا دے۔

اے علیم و خبیر! تو دلوں کے بھید جاننے والا ہے تو جانتا ہے کہ ہمارا یہ اختلاف زر و زمین کی بنیاد پر نہیں' جائیداد و دولت کے پیش نظر نہیں! محض تیرے محبوب کی بارگاہ میں وفاداری کا سوال ہے جو تیرا اور تیرے رسول کا ہے وہ ہمارے گلے کا ہار ہے اور جو تیرے مصطفیٰ کا باغی ہے اس سے ہمیں کوئی رشتہ و تعلق نہیں۔ ہمارا تو مسلک یہ ہے۔

چھٹ جائے اگر دولت کونین تو کیا غم
چھوٹے نہ مگر ہاتھ سے دامان محمدؐ

بات کہاں سے کہاں پہنچی۔ عرض یہ کر رہا تھا کہ حفظ الایمان کی گندی عبارت پر ہندی مسلمان تڑپ رہا تھا اور علمائے دیوبند ماتھا ٹیکے تاویل و توجیہہ کی راہیں تلاش کر رہے تھے۔ آخرش تھانہ بھون' گنگوہ' دیوبند' سہارن پور کے اکابر و اصاغر دارالندوہ میں جمع ہوئے۔ یہ وہی دارالندوہ ہے جس کا صدر علی الاطلاق شیخ نجدی ہے چنانچہ جب شیخ ہی کی صدارت میں حفظ الایمان کی عبارت پر ایک مجلس مشاورت منعقد ہوئی مولانا تھانوی بہت ہی مضمحل اور نڈھال تھے۔ کسی نے اشارے کی زبان میں دریافت کیا آخرش یہ مردنی کیسی؟ تو تھانوی صاحب یہ کہہ کر خاموش ہو گئے۔

دیکھ لو روئے رنگ ناکامی
یہ نہ پوچھو کہ بیکسی کیا ہے

اس جواب پر حاضرین مجلس کو بڑا ترس آیا اور انتہائی رد و قدح کے بعد یہ بات طے کر لی گئی کہ عبارت واپس لینے میں بڑی رسوائی و بدنامی ہو گی ہم لوگ کہیں منہ دکھانے کے قابل نہ رہ جائیں گے اپنے و غیر سبھی ہماری علمی بے مائیگی پر آوازے کسیں گے اور طرح طرح کے فقرے چست کریں گے گویا ہمارے علم و فضل کا جنازہ نکل جائے گا۔ لہٰذا سلامتی اسی میں ہے

کہ رسول خدا کا دامن چھوڑ کر بقراط و سقراط کے دامن میں پناہ لو۔ زبان و لغت ہمارا ساتھ دے نہ دے اپنی من گھڑت دلیلیں لے کر میدان میں پھاٹ پڑو۔

کچھ تو لگے گی دیر سوال و جواب میں

یہ سنتے ہی تھانہ بھون کے مجدد اعظم جناب تھانوی صاحب کے سوکھے سوکھے ہونٹوں پر مسکراہٹ کھیل گئی "ڈوبنے کو تنکے کا سہارا" آگے بڑھ کر اپنے چہیلے چاپڑ اور ذریت کی پیٹھ پر شاباش کا ہاتھ رکھا اور یہ کہتے ہوئے کہ مجھے آج کے دن تم جیسے سپوتوں سے یہی امید تھی "کھلکھلا کر ہنس پڑے"

بات ختم ہوتے دیکھ کر شیخ نجدی نے اجازت چاہی کہ اب جلسے کی کاروائی ختم ہونی چاہیے۔ مگر ایک طرف سے آواز آئی کہ ابھی ایجنڈے کی ایک دفعہ باقی رہ گئی ہے یعنی ان لوگوں کو نامزد کر دیا جائے جو اس عبارت پر قرآن و حدیث کی دلیل سننے کے علاوہ عوام الناس کی "دلیلیں" بجائے سننے کے کھانے کو تیار ہوں۔

ایجنڈے کی معقولیت پر سب کی گردن جھک گئی اور یکایک مجلس پر سناٹا چھا گیا اور آنکھوں آنکھوں میں گفتگو شروع ہو گئی۔

پیغام دیا ہے کبھی پیغام لیا ہے
نظروں سے محبت میں بڑا کام لیا ہے

چنانچہ ارکان مجلس نے اشاروں ہی اشاروں میں کچھ لوگوں کا انتخاب کر لیا اور یہ اعلان کرتے ہوئے کہ مولوی مرتضی حسن در بھنگی، مولوی حسین احمد ٹانڈوی، مولوی عبد الشکور لکھنوی، مولوی منظور احمد سنبھلی کو اس اہم کام کے لئے تجویز کیا گیا ہے۔ جلسے کی کاروائی ختم کر دی گئی۔ یہ سنتے ہی اربعہ عناصر اپنے بزرگوں کی خدمت میں یہ کہتے ہوئے آداب بجالائے۔

قرعہ فال بنام من دیوانہ زوند

حفظ الایمان کی آنے والی گفتگو پر یہ ایک تمہیدی نظریہ تھا۔ اب دار الندوہ کی مجوزہ اسکیم کے پیش نظر ان چاروں حضرات کی قلابازی اور مبلغ علم ملاحظہ فرمایئے لیکن دیوبندی سورماؤں کو اکھاڑے میں دیکھنے سے پہلے تھانوی صاحب کے مریدین و متوسلین کا ایک خط پڑھ لیجئے جس سے آپ کو اندازہ ہو سکے کہ حفظ الایماں کی اس ایمان سوز عبارت پر نہ صرف

علماء اہل سنت ہی کو اعتراض تھا بلکہ تھانوی صاحب کے مخلص مریدین سے نہ رہا گیا تو خط بھیج کر یہ درخواست والتجا کی کہ حکیم الامت سے بصد منت و سماجت عرض داشت ہے کہ حفظ الایمان کی عبارت خارج کر دی جائے یا ایسی مناسب ترمیم ہو جائے جس سے رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی توہین و تنقیص کا شائبہ تک نہ رہ جائے۔ اب اس خط کی اصل عبارت ملاحظہ فرمائیے۔

دیکھ اس قوم کی تذلیل نہ ہونے پائے
اپنے ایوان میں جس قوم کی آواز ہے تو

تغیر العنوان فی بعض عبارات حفظ الایمان صفحہ ۱۸ مصنفہ مولانا اشرف علی تھانوی۔
۷ اصفر ۱۳۴۲ھ کو ایک خط حیدر آباد دکن سے جس کے کاتب کا عنوان عامہ مخلصین حیدر آباد دکن تھا اور ذریعہ جواب منگانے کا ایک معین مولوی صاحب تھے آیا اس خط میں حفظ الایمان کی ایک مشہور عبارت کے متعلق جس پر مہربانوں کا اعتراض مشہور ہے دی تھی کہ اس کی ترمیم کر دی جائے اور مقتضیات ترمیم کا اجتماع اور موانع ترمیم کا ارتفاع الفاظ میں ظاہر کیا تھا۔

۱- ایسے الفاظ جن میں مماثلت علمیت غیبیہ محمدیہ کو علوم مجانین و بہائم سے تشبیہ دی گئی ہے جو بادی النظر میں سخت سوئے ادبی کو مشعر ہے کیوں ایسی عبارت سے رجوع نہ کر لیا جائے۔

۲- جس میں مخلصین وحامیین جناب والا کو حق بجانب جواب دہی میں سخت دشواری ہوتی ہے۔

۳- وہ عبارت تو آسمانی اور الہامی عبارت نہیں کہ جس کی مصدرہ صورت اور ہیئات عبارت کا علی حالہ و بالفاظہ باقی رکھنا ضروری ہے۔

۴- یہ سب جانتے ہیں کہ جناب والا کسی دباؤ سے متاثر ہونے والے نہیں اور نہ کسی سے کوئی طمع جاہ و مال جناب کو مطلوب ہے بجز اس کے کہ عام طور پر جناب والا کی بے نفسی کا اعتراف اور حکیم الامت کی شان سے جو توقع تھی وہ پوری ہو سکے۔
اور اس مشورہ کے ساتھ یہ سوال بھی تھے کہ۔

۱- حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علوم غیبیہ جزیہ محمدیہ زید وعمرو غیرہ کی مماثل ہیں یا نہیں؟

۲- اور جو شخص اس مماثلت کا قائل ہو اس کا کیا حکم ہے؟

۳- اور غیبیہ جزیہ محمدیہ کمالات نبوت میں داخل ہیں یا نہیں؟ انتہی مکتوب ۔

نہ ہو جائے کوئی خاطر کبیدہ
بڑا نازک تعلق ہے دلوں کا

مندرجہ بالا شعر کے پیش نظر حیدر آباد کے حامیین و مخلصین نے کیسا عاجزانہ و نیاز مندانہ عریضہ حاضر کیا مگر تھانوی صاحب ہیں کہ "مرغے کی ایک ٹانگ" کے مطابق ہم تو جو کچھ لکھ چکے وہ پتھر کی لکیر ہے آسمانی والہامی کتابوں میں نسخ ہوتا رہے مگر حکیم الامت کی شان مجددیت کے خلاف ہے کہ وہ اپنی کسی عبارت کو خط نسخ سے مجروح کریں ۔

ہے مریدوں کو تو حق بات گوارا لیکن
شیخ و ملا کو بری لگتی ہے درویش کی بات

ناظرین نے حیدر آباد کے خط سے یہ اندازہ کر لیا ہو گا کہ خود مولانا تھانوی کے حامیین کو حسب ذیل باتوں کا اعتراف ہے۔

(۱) اس عبارت میں علوم غیبیہ محمدیہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مجانین و بہائم سے مماثلت دی گئی ہے۔

(۲) اس عبارت میں بڑی بے ادبی ہے۔

(۳) اس عبارت پر معترضین کو ہم مخلصین و حامیین کوئی حق بجانب جواب نہیں دے پاتے "یہ اور بات ہے کہ دھاندلی کرتے ہیں۔"

(۴) جب کہ یہ کوئی آسمانی والہامی عبارت نہیں تو اس کو علیٰ حالہ باقی رکھنا کچھ ضروری نہیں۔

(۵) لہٰذا مناسب یہی ہے کہ اس عبارت سے رجوع کر لیا جائے ۔

سنانے چلے ہیں انہیں قصہ غم
بہت دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر

حالات کی نزاکت سے متاثر ہو کر پریشان حال مریدین نے مندرجہ بالا پانچ دفعات پر مشتمل عریضہ مولانا تھانوی کی خدمت میں حاضر کیا۔ ان غریبوں کا خیال تھا کہ "تھانہ بھون" آنند بھون" کا ہم قافیہ ہے۔ ہو سکتا ہے کہ کچھ ہم لوگوں کو بھی سکھ و آنند کی بھیک مل جائے تھانوی صاحب نے ان کی ساری آرزوؤں پر پانی پھیر دیا۔ تھانوی صاحب کے اندھے معتقدین شکستہ خاطر ہونے کے باوجود یہ کہتے رہے ؎

یہ آستان یار ہے صحن حرم نہیں
جب رکھ دیا ہے سر تو اٹھانا نہ چاہیے

گویا بزبان حال وہ کہہ رہے تھے کہ ہمیں جنت نہ چاہیے مولانا تھانوی کا دامن چاہیے خواہ جہنم ہی میں جائیں۔

لیکن جن کی ایمانی فراست نے بھانپ لیا ان پر حق واضح ہو گیا کہ گوبر و غلیظ پر عطر کیوڑے کا چھڑکاؤ کارگر نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا وہ یہ کہہ کر الگ ہو گئے ؎

صداقت چھپ نہیں سکتی بناوٹ کے اصولوں سے
خوشبو آ نہیں سکتی کبھی کاغذ کے پھولوں سے

اس گروہ کا کہنا تھا کہ ہمیں رسول کریمؐ کے دامن میں پناہ لے کر جنت میں جانا ہے مولانا تھانوی کی بے جا حمایت میں ہمیں جہنم میں جھلسنا منظور نہیں اور ان میں ایک تیسرا طبقہ معتدل و صلح کل حضرات کا پیدا ہو گیا جو یہ کہہ کر اپنے منہ "میاں مٹھو" بنتے ہیں۔

تم ایسوں سے فقط صاحب سلامت دور کی اچھی
نہ تم سے دوستی اچھی نہ تم سے دشمنی اچھی

ان کا کہنا ہے کہ ہم لوگ بہت ہی معتدل و نازک مزاج ہیں نہ تو جہنم کی تپش برداشت کر سکتے ہیں اور نہ ہی روز روز کی ٹھنڈی ہوا اس آ سکتی ہے لہٰذا ہمیں تو جنت اور جہنم کا درمیانی حصہ "اعراف" چاہیے تاکہ دونوں سے راہ و رسم رہ سکے کبھی جنت کی دہلیز پر اور کبھی جہنم کی ڈیوڑھی پر۔

لَا اِلٰی هٰؤُلَاءِ وَلَا اِلٰی هٰؤُلَاءِ ۔ اِلَّا الَّذِیْنَ ۔ اِلَّا الَّذِیْنَ

گویا یہ "اعرافی" لوگ ہیں۔

گفتگو یہ ہو رہی تھی کہ دارالندوہ نے حفظ الایمان کی عبارت پر مناظرہ کے لئے مولوی مرتضی حسن، مولوی حسین احمد، مولوی عبدالشکور اور مولوی منظور کا انتخاب کیا۔ اب آپ ان چیدہ چیدہ حضرات کی وہ تاویل و توجیہہ ملاحظہ کیجئے جس پر مولانا تھانوی عمر بھر خاموش رہے جو ان کی رضامندی کی دلیل ہے اب تھانوی صاحب کے وفاداروں کی شاطرانہ چالیں دیکھئے اور حق وفاداری کی داد دیجئے ۔

شاید اسی کا نام ہے مجبوری وفا
تم جھوٹ کہہ رہے ہو مجھے اعتبار ہے

توضیح البیان فی حفظ الایمان مولفہ مرتضی حسن چاندپوری ثم دربھنگی صفحہ ۸ مطبع قاسمی دیوبند باہتمام مولوی طیب۔

"واضح ہو کہ ایسا کا لفظ فقط مانند اور مثل کے معنی میں مستعمل نہیں ہوتا بلکہ اس کے معنی اس قدر اور اتنے کے بھی آتے ہیں جو اس جگہ متعین ہیں۔"

یعنی حفظ الایمان والی عبارت میں لفظ "ایسا" اتنا اور اس قدر کے معنی میں ہے مانند یا مثل کے معنی میں نہیں ہے۔

توضیح البیان صفحہ ۱۷

"عبارت متنازعہ فیہا میں لفظ ایسا بمعنی اس قدر اور اتنا ہے، پھر تشبیہ کیسی۔"

یعنی حفظ الایمان کی عبارت میں لفظ ایسا معنی میں اتنا اور اس قدر کے ہے تشبیہ کے معنی میں نہیں ہے اب سنئے صدر دیوبند مولوی حسین احمد ٹانڈوی کی۔

سمجھتے تھے رہے گی جنگ محدود گل و بلبل
مگر تخریب نظم گلستان تک بات جا پہنچی

الشہاب الثاقب علی المسترق الکاذب صفحہ ۱۱ مولوی حسین احمد ٹانڈوی مطبع قاسمی دیوبند

"حضرت مولانا" تھانوی "عبارت میں لفظ ایسا فرما رہے ہیں لفظ اتنا تو نہیں فرما رہے ہیں اگر لفظ اتنا ہوتا تو اس وقت البتہ یہ احتمال ہوتا کہ معاذاللہ حضور علیہ السلام کے علم کو اور چیزوں کے برابر کر دیا۔"

یعنی اس عبارت میں لفظ "ایسا" تشبیہ کے لئے ہے۔ اگر اتنایا اس قدر ہوتا توالبتہ قباحت لازم آتی ہے یہ تاویل مولوی مرتضی کی تاویل کے بالکل برعکس ہے۔

آگے مولوی حسین احمد تحریر فرماتے ہیں۔

"اس سے بھی قطع نظر کرلیں تو لفظ ایسا تو کلمہ تشبیہ کا ہے۔"

مولانا نانڈوی کی یہ عبارت ہے جس نے لفظ "ایسا" پر کلمہ تشبیہ کی آخری مہر لگادی۔

خلاصہ کلام:۔ مولوی مرتضیٰ حسن در بھنگی کا کہنا ہے کہ لفظ "ایسا" تشبیہ کے لئے نہیں ہے بلکہ معنی میں اتنا یا 'اس قدر' کے ہے۔ البتہ اگر تشبیہ کے معنی میں ہوتا ہے تو توہین نبوت ہوتی ہے جو موجب کفر ہے اور مولوی نانڈوی کا کہنا یہ ہے کہ لفظ "ایسا" تشبیہ کے لئے ہے۔ اگر معنی میں اتنایا اس قدر کے ہوتا تو توہین رسالت ہوتی ہے جس سے کفرلازم آتا۔

نتیجہ کلام:۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ مولوی مرتضیٰ کی تاویل کی بناء پر مولوی حسین احمد پر کفرلازم آتا ہے اور مولوی حسین احمد کی تاویل و توجیہہ کے پیش نظر مولوی مرتضی کافر ہوتے ہیں اور آج کے دیوبندی ان دونوں حضرات کو اپنا مقتدا و پیشوا جانتے ہوئے دونوں کے پیرو ہیں لہٰذا دونوں کا کفر تمام دیوبندیوں نے اپنے حق میں قبول کیا اور قبول کفر کا نتیجہ ظاہر ہے۔

منظور ہے گزارش احوال واقعی
اپنا بیان حسن طبیعت نہیں مجھے

اظہار حقیقت:۔ بات اپنی طرف سے کچھ نہیں کہی گئی بلکہ حفظ الایمان کی گندہ عبارت پر مولوی مرتضیٰ اور مولوی حسین احمد کی توجیہہ و تاویل کا جو نتیجہ تھا وہ ظاہر کر دیا گیا ہے کس قدر شرم کی بات ہے کہ آپس میں ایک دوسرے کو کافر بناتے رہے مگر یہ توفیق نہ ہوئی کہ اس عبارت کو خارج کر کے کوئی واضح اور صاف عبارت درج کر دیتے جو بالکل بے غبار ہوتی۔ سچ کہا ہے جگر نے

اللہ جسے توفیق نہ دے انسان کے بس کا کام نہیں
فیضان محبت عام تو ہے عرفان محبت عام نہیں

ابھی مولوی مرتضیٰ اور مولوی حسین احمد میں یہ بحث چل رہی تھی کہ اکھاڑے کے

تیسرے پہلوان منظور سنبھلی بھی لنگوٹ باندھ کر "ھل من مبارز" کہتے ہوئے مولوی مرتضیٰ کی ہمنوائی میں میدان جنگ میں اتر پڑے ۔

بھاگو گے پھینک پھینک کے تیغیں لڑائی سے
لومرد ہو تو اب نہ سرکنا لڑائی سے

اب سنئے مولوی منظور سنبھلی کی "فتح بریلوی کا دلکش نظارہ" صفحہ ۳۲

"حفظ الایمان کی اس عبارت میں بھی "ایسا" تشبیہ کیلئے نہیں ہے بلکہ وہ یہاں بدون تشبیہ کے "اتنا" کے معنی میں ہے"

صفحہ ۴۰ کی دوسری عبارت

"حفظ الایمان کی عبارت میں بھی جیسے کہ میں بدلائل قاہرہ ثابت کر چکا ہوں وہ (یعنی لفظ ایسا) بغیر تشبیہ کے اتنا کے معنی میں ہے۔"

صفحہ ۴۸ کی تیسری عبارت

"ایسا تشبیہ کے علاوہ دوسرے معنوں میں بھی مستعمل ہوتا ہے اور حفظ الایمان کی عبارت میں وہ بلا تشبیہ کے اتنا کے معنی میں مستعمل ہے۔"

صفحہ ۴۴ کی چوتھی عبارت

"حفظ الایمان کی اس عبارت میں بھی "ایسا" تشبیہ کے لئے نہیں ہے۔"

گویا مولوی منظور و مولوی مرتضیٰ اس بات پر متفق ہیں کہ لفظ "ایسا" تشبیہ کے لئے نہیں ہے بلکہ معنی میں "اتنا" یا "اس قدر" کے ہے۔ چنانچہ صفحہ ۳۵ پر رقم طراز ہیں۔

"اگر بالفرض اس عبارت کا وہ مطلب ہوا جو مولوی سردار احمد صاحب بیان کر رہے ہیں جب تو ہمارے نزدیک بھی موجب کفر ہے۔"

اب سے تقریباً پچیس برس پہلے مولوی منظور صاحب و سلطان المناظرین امام المدرسین حضرت مولانا سردار احمد صاحب قبلہ کے درمیان حفظ الایمان کی اسی عبارت پر ایک مناظرہ بریلی شریف میں منعقد ہوا جس کی صدارت سیدی و مرشدی استاذ محترم مجاہد ملت حضرت مولانا الحاج محمد حبیب الرحمان صاحب قبلہ بانی دار العلوم جامعہ حبیبیہ الہ آباد نے فرمائی تھی۔ مولانا سردار احمد صاحب قبلہ کا یہ فرمانا تھا کہ لفظ "ایسا" تشبیہ کے لئے ہے

اور مولوی منظور صاحب کا کہنا تھا کہ لفظ "ایسا" معنی میں "اتنا" یا "اس قدر" ہے اسی کا تذکرہ کرتے ہوئے مولوی منظور صاحب نے یہ کہا کہ اگر اس عبارت کا وہ مطلب ہوا جو مولوی سردار احمد صاحب بیان کر رہے ہیں جب تو ہمارے نزدیک بھی موجب کفر ہے۔

اب سے پہلے یہ بات گزر چکی ہے کہ مولوی حسین احمد صاحب کا یہ کہنا ہے کہ لفظ "ایسا" محض تشبیہ کے لئے ہے۔ اب ناظرین ہی فیصلہ فرمائیں کہ مولوی منظور صاحب کے اس اقرار کے بعد مولوی حسین احمد صاحب پر شریعت اسلامی کا کیا حکم ہے۔

ناظرین ذرا وسعت نظر سے کام لے کر یہ خیال فرمائیں کہ دیوبندی چہار دیواری میں کس بری طرح تکفیر بازی کا بازار گرم ہے۔ یہ تو حضرات دیوبند کا ایک پسندیدہ محبوب ترین مشغلہ ہے کہ جب ذرا سی فرصت ملی تکفیر کی مشین گن کو چالو کر دیا اور پھر "آؤ دیکھا نہ تاؤ" زد پر جو بھی آتا گیا ٹھوکتے گئے جس طرح بچھو ڈنگ مارنے میں اپنی فطرت سے مجبور ہے ایسے ہی علماء دیوبند مسلمانوں کو کافر مشرک اور بدعتی بنانے میں اپنی فطرت و جبلت سے مجبور ہیں ان کی مثال تو ایسی ہے جیسے "سپیرا" جس کے کاندھے پر دو پٹاریاں ہوتی ہیں ایک پٹاری میں "اجگر" اور دوسری میں "ناگن" ایسے ہی حضرات دیوبند کے کاندھے پر بھی دو پٹاریاں ہوتی ہیں ایک میں "شرک کا اجگر" اور دوسری میں "بدعت کی ناگن" اور جس طرح سپیرا خود اجگر و ناگن سے مانوس و بے خوف ہوتا ہے۔ کبھی اس کو گلے کا ہار بناتا ہے اور کبھی وہی ناگن اس کی کلائیوں میں چوڑی کی طرح لپٹ جاتی ہے مگر دیکھنے والوں کا رونگٹا رونگٹا کھڑا ہو جاتا ہے ایسے ہی علماء دیوبند کے لئے ان کا خود ساختہ شرک و بدعت اوڑھنا بچھونا ہے مگر غریب مسلمانوں کے جگھٹے میں یہ شعبدہ بازی کہ اجمیر گئے تو شرک اور محفل میلاد کیا تو بدعتی اچھا مولوی قاسم صاحب نانوتوی کلیر شریف جاتے وقت رڑکی ہی سے پیدل ہو جاتے تھے اور شاہ جہانپوری حضرات[1] بہرائچ شریف کے عرس میں حاضر ہوتے ہیں اور گاندھی جی کے ساتھ مولوی حفظ الرحمان صاحب ناظم جمعیۃ العلماء ہند نے خواجہ قطب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی درگاہ شریف

---

[1] گنگا رام، جمنا داس

میں قوالی سنی ان کے لئے یہ سب جائز ہے مگر مسلمانوں سے یہ بازی گری کہ ۔

اندھیر نگری چوپٹ راجا
ٹکے سیر بھاجی ٹکے سیر کھاجا

کے مطابق دیوبند کی مارکیٹ میں شرک و بدعت کی قیمت ٹکے سیر بھی نہ رہ گئی۔

یہ سب انگریز بہادر کی کرشمہ سازی ہے بقول مولانا سید عبد الحق صاحب قادری کے کہ "جس میں آگ لگا کر جمالو دور کھڑی ہیں۔"

اپنا تو نشیمن جل رہا ہے اور انگریز بہادر سات سمندر پار سے تالی بجا رہے ہیں مگر آج تک علماء دیوبند کو ہوش نہ آیا۔

ابھی مولوی منظور صاحب، مولوی مرتضیٰ صاحب اور مولوی حسین احمد صاحب کے درمیان جنگ ہو رہی تھی کہ اکھاڑے کے چوتھے پہلوان مولوی عبد الشکور لکھنوی یہ کہتے ہوئے سامنے آئے ۔

اپنے محل پہ دوستو رخنہ گری ہے خودکشی
تم بھی اسی جہاز میں ہم بھی اسی جہاز میں

بات ایسی کہنی چاہیے کہ "سانپ مر جائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے" یہ کیا تماشا ہے کہ ایک شخص کا اسلام ثابت کرنے کے لئے سب کی بنیادیں کھوکھلی کئے دیتے ہو بھلا بتاؤ تو کہ ان تاویلات و توجیہات کی بنا پر ہم میں کون مسلمان رہ گیا!! اگر "ایسا" تشبیہ کے معنی میں لیا جائے تو مولوی مرتضیٰ اور مولوی منظور سے رشتۂ حیات ٹوٹ جائے اور اگر "اتنا" یا "اس قدر" کے معنی میں لیا جائے تو مولوی حسین احمد کافر ہوئے جاتے ہیں۔ لہٰذا میری رائے مانو اور توجیہ و تاویل کے چکر میں نہ پڑو۔ یہ ایسی مخدوش اور الجھی ہوئی عبارت ہے کہ جس قدر تاویل کے ہیر پھیر میں الجھو گے اسی قدر اعتراضات کے دلدل میں پھنستے جاؤ گے یہ ممکن نہیں کہ کانٹے تمہارے گل بن کر گلے کا ہار بن جائیں۔ سوچو تو سہی کیا یہ ہو سکتا ہے کہ آسمان کے بکھرے ہوئے تاروں کی انجمن میں تاریکیٔ شب پر سپیدۂ سحر کا دھوکا ہو۔

شب دیجور تاروں سے سنورتی ہے عبث شیدا
بری صورت کسی کو کب بھلی معلوم ہوتی ہے

یہی حال اس بے جان عبارت کا ہے جو توجیہہ و تاویل کے حسین دوپٹے میں دیدہ زیب نہیں بن سکتی تاویل کی حسین چلمن مرجھائے ہوئے چہرے کا روکھا پھیکا پن نہ چھپا سکے گی۔ یہ وہ خزاں رسیدہ چمن ہے جس پر تاویلات کی "موسلادھار بارش بھی بہار نہ لا سکے گی لہٰذا دیوانہ نہ بنو بدحواس ہونے سے کام نہیں بنتا۔ عقل و خرد سے کام لو۔

لکھنوی صاحب نے اپنی پوری لکھنویت سے کام لیتے ہوئے میدان جنگ کے تھکے ماندے سپاہیوں کو مخاطب کیا اور ان کی ساحرانہ طرز خطابت پر سب کے سب جنگجو سپاہی ہمہ تن سوال بن کر کھڑے ہو گئے اور یک زبان ہو کر سب نے کہا معلوم ہوتا ہے خدا نے ہم لوگوں کے حق میں فرشتہ رحمت بنا کر بھیجا ہے لہٰذا اب دیر نہ کیجئے۔ بتائیے بتائیے!! ہاں جلد بتائیے وہ فرار کی کونسی راہ ہے جس سے ہمیں چھٹکارا مل سکے یہ سنتے ہی خارجی صاحب ارشاد فرماتے ہیں۔

نصرت آسمانی صفحہ ۲۷

"کہ جس صفت کو ہم مانتے ہیں اس کو رذیل چیز سے تشبیہہ دینا یقیناً توہین ہے اور رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات والا میں صفت علم غیب نہیں مانتے اور جو ماننے اس کو منع کرتے ہیں۔ لہٰذا علم غیب کی کسی شق کو رذیل چیز میں بیان کرنا ہرگز توہین نہیں ہو سکتی۔"

دیکھا آپ نے کہ گرو گھنٹال کتنی دور کی کوڑی لائے "رہے بانس نہ باجے بانسری" سب سے آسان طریقہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے علم غیب ہی کا انکار کر دیا جائے۔ تشبیہ یا اتنا اس قدر کا سوال تو اس وقت ہوتا ہے جبکہ رسول خدا کے لئے علم غیب مانا جائے ہم خود بھی نہیں مانتے ہیں اور ماننے والوں کو منع کرتے ہیں کہ خبردار! رسول خدا کے لئے علم غیب نہ ماننا ورنہ حفظ الایمان کی عبارت کا ہم جواب نہ دے سکیں گے "یہ بات مولوی عبدالشکور صاحب نے مونگیر کے مناظرہ میں کہی تھی۔

لکھنوی صاحب بات تو کہہ گئے مگر اندرون خانہ سے واقف نہ تھے۔ اس لئے ان کا خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکا۔ چنانچہ بات ختم ہونے کے بجائے اور بڑھ گئی۔ "گھر کا بھیدی لنکا ڈھائے" کے مطابق دربھنگی صاحب علم غیب رسولؐ کے ثبوت میں کتابیں لے کھڑے

ہو گئے۔

چھڑا تھا بزم میں کل تذکرہ مژگان و ابرو کا

بڑھی کچھ اس قدر تیغ و سناں تک بات جا پہنچی

چنانچہ اب عبدالشکور صاحب پر مولوی مرتضیٰ حسن دربھنگی کا پہلا وار ملاحظہ فرمائیے۔

توضیح البیان علیٰ حفظ الایمان ص ۱۳

"بیان بالا سے یہ ثابت ہو گیا کہ سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو جو علم غیب حاصل ہے نہ اس میں گفتگو ہے اور نہ یہاں ہو سکتی ہے۔

اس عبارت میں علم غیب رسول کا اقرار ہے۔

اب صفحہ ۴ کی عبارت سنئے۔

"حفظ الایمان میں اس امر کو تسلیم کیا گیا ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو علم غیب باعطاالٰہی حاصل ہے۔"

ایسے ہی الشہاب الثاقب صفحہ ۱۱۴ پر مولانا ٹانڈوی رقم طراز ہیں۔

"غرضیکہ لفظ عالم الغیب کے معنی میں مولانا (تھانوی) نے دو شقیں فرمائی ہیں اور ایک شق کو سب میں موجود مانتے ہیں یہ نہیں کہہ رہے ہیں کہ جو علم غیب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حاصل تھا وہ سب میں موجود ہے بلکہ اس معنی کو سب میں موجود مانتے ہیں۔"

اسی طرح روداد مناظرہ بریلی کے صفحہ ۸۰ پر مولوی منظور صاحب سنبھلی نے اقرار کیا۔

"تمام کائنات حتی کہ نباتات و جمادات کو بھی مطلقاً بعض غیوب کا علم حاصل ہے اور یہی حفظ الایمان کی عبارت کا پہلا اہم جزو ہے۔"

اور صفحہ ۹۴ پر آں جناب فرماتے ہیں۔

"حفظ الایمان کی عبارت میں توہین کا شائبہ بھی نہیں اور اس میں زید و عمر اور صبیان و مجانین اور حیوانات و بہائم کے لئے مطلق بعض غیب کا علم تسلیم کیا گیا ہے نہ کہ وہ علم جو واقع میں سرور کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حاصل ہے۔"

نتیجہ:- اب اکھاڑے کے تین پہلوان مولوی مرتضیٰ، مولوی حسین احمد اور مولوی منظور ایک طرف ہو گئے اور لکھنوی صاحب تنہا پڑ گئے۔ اس طرح لکھنوی صاحب کی حسرت و آرزو پر اوس پڑ گئی اور اپنا سامنہ لے کر رہ گئے گویا وہ تینوں حضرات اس امر کے قائل ہوئے کہ رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو غیب تھا اور لکھنوی صاحب کو اس سے انکار رہا۔ لہٰذا تھانہ بھون کی فوج کے دو ٹکڑے ہو گئے۔ نفس علم غیب کے ہونے اور نہ ہونے کے اختلاف پر لکھنوی صاحب ایک طرف اور ملیٹری کے تین فوجی افسر ایک طرف اور لفظ "ایسا" تشبیہ کے لئے ہے یا اتنا و اس قدر کے معنی میں ہے۔ اس اختلاف کی بنیاد پر ٹانڈوی صاحب اکیلے ہیں اور مولوی مرتضیٰ و مولوی منظور ایک طرف۔

ابھی آپس میں یہ اختلاف چل ہی رہا تھا کہ در بھنگی صاحب نے سنبھلی صاحب سے فرمایا۔ کاش! مولوی حسین احمد سلمہ ہم دونوں کی بات مان لئے ہوتے کہ "ایسا" تشبیہ کے لئے نہیں ہے بلکہ معنی میں اتنا یا اس قدر کے ہے تو ہم لوگ اس بھونچال سے نکل کر ساحل سے ہمکنار ہو گئے ہوتے تو برا ہو ٹانڈوی سلمہ کا کہ اردو محاورات تک سے بے خبر و نا آشنا ہیں انہیں اتنا بھی شعور نہ ہو سکا کہ زبان اردو میں لفظ "ایسا" کے کیا معنی ہیں۔ غضب خدا کا ٹانڈوی نے اپنی الشہاب الثاقب صفحہ ۱۱۱ پر لکھ دیا کہ حفظ الایمان میں لفظ "ایسا" تو کلمہ تشبیہ کا ہے۔ کاش ٹانڈوی سلمہ میری کتاب توضیح البیان صفحہ ۱۳ کی یہ عبارت دیکھ لئے ہوتے۔

"عبارت حفظ الایمان میں "ایسا" کہ تشبیہ کے لئے لینا غلط ہے۔ اس لئے کہ اس صورت میں عبارت حفظ الایمان میں ایک اور کلام محذوف ماننا پڑے گا بلکہ تشبیہ کی صورت میں عبارت حفظ الایمان کا مطلب ہی خبط ہو جائے گا۔"

اسی لئے صفحہ ۱۴ پر بادل کی گھن گرج سے زیادہ بلند آہنگ ہو کر میں نے یہ لکھ دیا ہے کہ۔

"جس کی عقل سلیم میں اب بھی مطلب نہ آئے اور پھر بھی یہ کہے کہ انہیں اس عبارت میں سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو صریح گالی ہے یا کم سے کم یہ عبارت تنقیص شان والا کو موہم ہے تو چاہیے کہ وہ اپنی خوش قسمتی پر روئے۔ کلام کا قصور نہیں اس کی عقل کی خوبی ہے۔"

یعنی جو شخص یہ کہے کہ اس عبارت میں لفظ "ایسا" تشبیہ کے لئے ہے اس کو اپنی عقل سلیم پر ماتم کرنا چاہیے۔ یہ عبارت کا قصور نہیں بلکہ اس کا ذہنی فتور ہے اس لئے صدر دیوبند مولوی حسین احمد کو اپنی خوش فہمی پر رونا چاہیے۔ اختتام گفتگو پر مولانا نادر بجتنی نے مولانا سنبھلی سے فرمایا بھلا بتاؤ تو سہی کہ کس قدر قانونی موشگافی اور ذہنی کاوش کے بعد حفظ الایمان کی الجھی ہوئی عبارت کا ہم لوگوں نے ایک حل تلاش کیا تھا مگر عزیزی حسین احمد نے لڑکپن سے کام لیتے ہوئے ایک نئی شق پیدا کر کے ہماری الجھنوں میں مزید اضافہ کر دیا۔

سلجھ جاتی ہے اک الجھن تو مشکل اور بڑھتی ہے
کسی صورت محبت کی پریشانی نہیں جاتی

ابھی مولوی مرتضیٰ صاحب یہ فرما ہی رہے تھے کہ اپنی مسند صدارت پر مولوی حسین احمد نے فرمایا "ناس ہو مولانا مرتضیٰ اور مولوی منظور کا کہ میں نے مولانا تھانوی کے بچت اور فرار کی ایک راہ نکالی تھی کہ لفظ "ایسا" تشبیہ کے لئے ہے "معنی میں اتنا یا اس قدر کے نہیں ہے مگر وہ دونوں "در بجتنی و سنبھلی" خم ٹھوک کر میرے پاس آ گئے کہ تم غلط کہتے ہو لفظ "ایسا" تشبیہ کے لئے نہیں بلکہ معنی میں اتنا یا اس قدر کے ہے اے کاش! وہ دونوں میری بات تسلیم کر لیتے تو حفظ الایمان کی عبارت اعتراضات کے دلدل سے نکل کر بالکل بے غبار و روشن ہو جاتی۔ دیکھو تو سہی کہاں تو ہم دوسروں سے لڑنے گئے تھے مگر آپس ہی میں لڑ کر ایک دوسرے کا پیراہن چاک کر بیٹھے اعتراضات کا ختم ہونا تو درکنار نہ جانے اعتراضات کے کتنے شاخسانے پھوٹ پڑے اور سوالات کے نئے نئے پہلو پیدا ہو گئے۔"

ابھی صدر دیوبند یہ فرما ہی رہے تھے کہ کسی طالب علم نے دبی زبان سے حیدر آباد کے مخلصین و حامیین کے خط کا ذکر کرتے ہوئے عرض کیا کہ جب اس عبارت میں اتنے الجھاوے ہیں تو اس خط کے پیش نظر آپ لوگ اس سے رجوع کیوں نہیں کر لیتے؟

یہ سنتے ہی صدر دیوبند کی پیشانی پر پسینہ آ گیا شرم و خجالت سے گردن جھک گئی مگر یہ کہتے ہوئے بات آئی گئی کر دی کہ "میاں! اب تو تیر ترکش سے نکل چکا ہے اور بات طشت از بام ہو چکی ہے افسوس تو یہ ہے کہ بات کسی غیر کی نہیں بلکہ اپنے ہی استاد بھائی کی ہے۔ لہٰذا اب تو قیامت تک ان کو نباہنا پڑے گا اور کیا تمہارا یہ خیال ہے کہ ہم اور مولانا تھانوی اپنی

کمزوریوں اور خامیوں سے بے خبر ہیں ایسا نہیں ہے۔

یہ راز و نیاز محبت ہیں ناصح
نہ میں بے خبر ہوں نہ وہ بے خبر ہیں

ہم دونوں حفظ الایمان کی عبارت کے سقم اور خرابی پر اچھی طرح مطلع ہیں۔

ادھر مولانا ندوی اپنے طلباء میں بیٹھ کر ماتم کر رہے تھے کہ اسی درمیان میں اکھاڑے کے چوتھے کھلاڑی مولوی عبدالشکور صاحب نے لکھنو پاتالہ کی ایک نشست میں ارشاد فرمایا ذرا دیکھو تو اپنوں کا بھولا پن۔

کیا اس لئے تقدیر نے چنوائے تھے تنکے
بن جائے نشیمن تو کوئی آگ لگا دے

حفظ الایمان کی عبارت پر مدتوں سر پیٹنے و دیدہ ریزی کرنے کے بعد میں نے جواب کی ایک عمدہ شکل پیدا کی تھی جس میں اتنا اس قدر اور تشبیہ کا کوئی سوال ہی نہ تھا صاف صاف کہہ دیجئے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو علم غیب تھا ہی نہیں۔ مگر نہ پوچھئے ان تینوں (مولوی مرتضیٰ، مولوی حسین احمد، مولوی منظور) کی بقراطی کا عالم کہ سعادت مندی و توانائی سے تسلیم کر لینے کے بجائے ہمارے سامنے سینہ تان کر کھڑے ہو گئے کہ تم غلط اور جھوٹ کہتے ہو۔ اور اس پر بیگانہ و طفلانہ حماقت یہ کہ اپنی ہی کتابیں الٹ الٹ کر مجھے دکھانے لگے کہ مولانا تھانوی علم غیب رسولؐ کے قائل تھے خیال تو فرمایئے کہ مجھ سے مناظرہ کرنے کا وقت تھا غیر ہی کیا کم تھے مناظرہ کے لئے آج کل تو ان سے ہی ناطقہ تنگ ہے "ہور کم از کم یہ لوگ اتنا تو سوچتے کہ جھوٹ سچ سے نہیں ثابت کیا جاتا "جھوٹ کو جھوٹ ہی سے ثابت کرنا پڑتا ہے۔

اے کاش او وہ تینوں میری بات مان لیتے تو سارا جھگڑا ختم تھا مگر ان لوگوں نے آپس کی جنگ سے دوسروں کے ہاتھ ایک آہنی تلوار دے دی جو صبح قیامت تک ہماری گردن پر کھٹا کھٹ چلتی رہے گی اور نہ جانے ہماری آنے والی نسل ہمارے متعلق کیا رائے قائم کرے گی!

ہائے افسوس کہ غیروں کے ہاتھ تو اپنا آشیانہ یوں ہی بھسم ہو رہا تھا مگر اپنے بھی ساتھ

نہ دے سکے۔

آگ دی صیاد نے جب آشیانے کو مرے
جن پہ تکیہ تھا وہی پتے ہوا دینے لگے

حالانکہ جو بات میں نے کہی تھی کچھ اپنی طرف سے نہیں کہی تھی۔ مولانا رشید احمد گنگوہی بھی کچھ ایسا ہی فرما چکے ہیں۔

ابھی ہے اختلاف جام و مینا راز کی حد تک
نہ جانے کیا ہو گر پیر مغاں تک بات جا پہنچی

اب سنئے پیر مغاں جناب مولوی رشید احمد گنگوہی کی کہ جن سے اللہ تعالیٰ نے وعدہ کر لیا تھا کہ جھوٹ ان کی زبان سے نہ نکلوائے گا۔ خواہ وہ خود بولنا رہے۔"

فتاویٰ رشیدیہ جلد سوم صفحہ ۳۷

"علم غیب خاصہ حق تعالیٰ کا ہے اس لفظ کو کسی تاویل سے دوسرے پر اطلاق کرنا ایہام شرک سے خالی نہیں۔"

فتاویٰ رشیدیہ جلد دوم صفحہ ۱۰

"یہ عقیدہ رکھنا کہ آپ کو علم غیب تھا صریح شرک ہے۔"

اب اس سے پہلے یہ بات معلوم ہو چکی ہے کہ مولانا تھانوی، مولانا مرتضیٰ حسن، مولانا ٹانڈوی اور مولانا منظور سنبھلی یہ سب کے سب اس بات کے قائل ہیں کہ بہ عطائے الٰہی رسول خدا کو علم غیب حاصل تھا۔

ابھی تک تو مولانا تھانوی کے اسلام کی خیر منائی جا رہی تھی اور انہیں مسلمان ثابت کرنے کے لئے ریت کی دیوار اٹھائی جا رہی تھی مگر اسی درمیان میں خانقاہ گنگوہ سے ایٹم بم اور ہائیڈروجن بم دونوں کے دھماکے کی وحشت ناک آواز آئی کہ علم غیب خاصہ حق تعالیٰ ہے۔ یہاں تک کسی تاویل سے بھی اس کا اطلاق دوسروں پر درست نہیں اس لئے رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے علم غیب ماننا صریح شرک ہے ابھی آواز کے سنتے ہی تھانوی سورماؤں کے پاؤں تلے سے زمین کھسک گئی۔ اوسان خطا کر بیٹھے اور عالم بدحواسی میں ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے چہروں پر ہوائیاں اڑنے لگیں۔ بغلیں جھانکنے لگے منہ اتر گیا طبیعت

نڈھال ہو گئی اداس ہو کر آپس میں کہنے لگے اگر بریلی بدایوں مارہرہ اور خیر آباد وغیرہ کی آواز ہوتی تو ہم قوم سے یہ کہہ کر اپنا پیچھا چھڑا لیتے کہ ان لوگوں سے ہماری پرانی جنگ ہے جب سے ہماری کفری عبارتوں پر ان لوگوں نے ہمیں کافر کہا اس دن سے ہم انہیں بدعتی کہتے ہیں اگر چہ اب سے پہلے ہم بھی انہیں بدعات کے مرتکب تھے اور ان مراسم کو بدعت حسنہ سمجھ کر کرتے تھے اور یہ "سنی" تو اولیاء اللہ کی قبروں پر محض نیاز و فاتحہ کے لئے جاتے ہیں لیکن جب ہمیں ان بدعات میں غلو تھا تو نیاز و فاتحہ تو ایک طرف "نانوتہ" کے بزرگوں کی قبر کی مٹی تک اکھاڑ لاتے تھے۔ یہ تھا ہماری قبر پرستی کا عالم اور یہ "سنی" تو اجمیر و کلیر میں جوتا پہن کر چلتے ہیں مگر ہمارے پیر مغاں گنگوہی صاحب تو آستانہ گنگوہ کے پاخانے کا احترام کرتے تھے اور یہ سنی تو اپنے پیروں اور بزرگوں کی محض دست بوسی و قدم بوسی کرتے ہیں لیکن ہماری عقیدت کیشی کا یہ عالم تھا کہ مولانا تھانوی کے پاؤں دھو کر پینے کو نجات اخروی کا سبب سمجھتے تھے۔

تذکرۃ الرشید حصہ اول صفحہ ۱۱۳

"مولوی عاشق الٰہی میرٹھی دیوبندی نے کہا واللہ العظیم مولانا تھانوی کے پیر دھو کر پینا نجات اخروی کا سبب ہے۔"

لیکن ان سینوں کی جلن اور ان سے بغض و عناد کی بنا پر ان تمام چیزوں کو ہم بدعت سیہ کہتے ہیں اب قبر سے مٹی لانا تو در کنار خواجہ اجمیر کے گنبد پر نجاست پھینکتے ہیں اور اولیاء کرام کی قبر پر جانے والوں کو بدعتی اور قبر پجو کہتے ہیں۔

ہاں اگر سنی حضرات ہمیں کافر کہنا چھوڑ دیں تو ہم انہیں بدعتی کہنا چھوڑ دیں جس طرح اب سے پہلے عرس میلاد قیام میں حصہ لیتے تھے اور اس کو وجہ سعادت جانتے تھے پھر ان تمام مراسم میں حصہ گیر ہو جائیں اور یہ تو ہمارے باپ دادا سے ہوتا چلا آیا ہے چنانچہ ہمارے روحانی لکڑ دادا حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی تو ہر سال محفل میلاد شریف منعقد کرتے اور کھڑے ہو کر صلوٰۃ و سلام پڑھتے اور اس میں لذت محسوس کرتے جیسا کہ ہفت مسئلہ میں درج ہے مگر اس کو کیا کہیے

نچا مارا ہے یکسر کیا عرب اور کیا عجم سب کو
خدا غارت کرے اس اختلاف دین و مذہب کو

جب سے ہم لوگ اس اختلاف میں الجھے شبرات کا حلوہ عید کی سیوئیں محرم کا کھچڑا گیارھویں کا پلاؤ میلاد کی شیرینی سب ہم پر حرام ہو گئی حالانکہ شبرات کے ایک دن آگے پیچھے سے حلوہ کھاتے ہیں سال کے مختلف حصوں میں سیوئیں کھاتے ہیں محرم کے علاوہ کھچڑا اور کھچڑی بھی کھاتے ہیں حلوائی کی دکان پر رس گلا اور گلاب جامن دونوں کھاتے ہیں مگر ان تاریخوں میں اب کھاتے ہوئے شرم آتی ہے۔ چونکہ اب ہم سنیوں کی ضد میں اس کو بدعت کہہ چکے ہیں بانہہ پکڑنے کی لاج ہے ورنہ ہم بھی جانتے ہیں کہ یہ نہ تو بدعت ہے اور نہ حرام البتہ یہ ضرور ہے کہ چند پیسوں کی بچت ضرور ہو جاتی ہے مگر خدا غارت کرے "فلمی دنیا" کو کہ نیاز و فاتحہ کو شرک و بدعت کہہ کر جو پیسہ بچا لیتے ہیں وہ سینما کی نذر ہو جاتا ہے اس سے اچھا تو یہی تھا کہ اپنے ماں باپ کی فاتحہ ہی دلاتے خدا جانے کیا ہو گیا ہے ہمارے علماء دیوبند کو شرک و بدعت پر تو خوب خوب لچھے دار تقریریں کرتے ہیں مگر کبھی سینما کے خلاف نہیں بولتے۔ معلوم نہیں ان لوگوں کی طرف سے انہیں کتنی رقم مل گئی ہے۔

ابھی انگریزی اخبار دی میسج (THE MASSAGE) کے لئے بمبئی میں ایک لاکھ سے زائد کا چندہ ہوا تھا جس میں فلم ایکٹروں نے بھی کافی حصہ لیا تھا۔ ہو سکتا ہے انہیں سب وجوہ نے زبانوں پر تالے لگا دیے ہوں۔ بہر حال کچھ بھی ہو نیاز و فاتحہ سے تو روپے کی بچت ہو جاتی ہے مگر سینما لوٹ لیتا ہے۔

اس مقام پر مجھے مولانا برہم چاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی ایک بات یاد آئی۔ ایک دفعہ موصوف کو وہابیوں اور دیوبندیوں نے اپنے جلسے میں مدعو کیا اور وہاں کے جلسے کے ساتھ ایک نشست مشاعرے کی بھی تھی جس کی طرح یہ تھی۔

میلاد و فاتحہ کا بھی کرنا حرام ہے

اراکین جلسہ نے مولانا کو بھی شرکت مشاعرہ پر مجبور کیا۔ چنانچہ آپ نے اس پر گرہ لگائی جو سننے سے تعلق رکھتی ہے۔

کنجوس مکھی چوس وہابی کے مال پر

میلاد و فاتحہ کا بھی کرنا حرام ہے

بات بہت دور آگئی گفتگو یہ تھی کہ مولانا تھانوی، مولانا مرتضیٰ حسن دربھنگی، مولانا ٹانڈوی اور مولانا منظور سنبھلی ان لوگوں نے علم غیب رسول کا اقرار کیا لکھنوی صاحب نے جنگ کی جذباتی روش میں گنگوہی صاحب کے دامن میں پناہ لیتے ہوئے ظاہر کر دیا کہ رسول خدا کے لئے علم غیب ماننا صریح شرک ہے اور جب اس پر بھی یاران طریقت مطمئن نہ ہو سکے تو لکھنوی صاحب نے امام الطائفہ مولوی اسماعیل دہلوی کی تقویۃ الایمان پڑھ کر سنانی شروع کر دی جو آخری سپر اور ڈھال تھی۔

تقویۃ الایمان صفحہ ۲۳

"غیب کا دریافت کرنا اپنے اختیار میں ہو، جب چاہے کر لیجئے۔ یہ اللہ صاحب ہی کی شان ہے۔

گویا دیوبندیوں کا خدا کوئی جاہل و کندہ ناتراش ہے اسے علوم غیبیہ بالفعل حاصل نہیں بلکہ اس میں قوت ہے کہ جب ضرورت آن پڑے تو خزانہ غیب کھول کر سب ضرورت معلوم کرے اور پھر اس کو مقفل کر کے کنجی اپنے قبضہ میں لے کر اپنی پرانی کرسی پر بیٹھ جائے جو اس کے بیٹھنے سے چرچر بولتی ہے یہ ہے دیوبندی مکتبہ فکر میں توحید کا تصور! العیاذ باللہ من ذالک

ایسے ہی تقویۃ الایمان صفحہ ۱۰ پر امام الوہابیہ والدیابنہ رقم طراز ہیں۔

"پھر خواہ یوں سمجھے کہ یہ بات ان کو اپنی ذات سے ہے یا خواہ اللہ کے دینے سے غرض اس عقیدے سے ہر طرح شرک ثابت ہوتا ہے۔"

گنگوہی صاحب اور دہلوی صاحب کے نادر شاہی حکم نے تھانوی صاحب کی رہی سہی عزت کو خاک میں ملا دیا اور یہ سنتے ہی میدان جنگ کے شہسواروں میں پھوٹ پڑ گئی بالآخر حفظ الایمان کی عبارت اعتراضات کے جس نشانے پر تھی وہیں کی وہیں رہ گئی بلکہ تھانہ بھون کے نو آزمودہ نا تجربہ کار سپاہیوں نے اپنے تفوق و برتری کے اظہار میں سوالات و جوابات کا ایک ختم نہ ہونے والا سلسلہ قائم کر دیا اور ان کی پوری جد و جہد "کوہ کندن و کاہ بر آوردن" کی حیثیت بھی نہ پیدا کر سکی اور باہمی پنجہ آزمائی اور تکفیر بازی کے یہ تھکے ماندے سپاہی اپنا اپنا

مورچہ چھوڑکر تھانہ بھون کارخ کر گئے۔

واضح رہے کہ دارالندوہ کی مجوزہ اسکیم فیل ہو چکی ہے اور بات ختم ہونے کے بجائے باہمی افتراق وانتشار کا باعث بن گئی اور دوسروں سے نبرد آزماہونا تو درکنار آپس کی جنگ میں ایک ایک کی ہڈیاں چیخ گئیں کافرگری کا بازار کچھ اس طرح گرم ہوا کہ جیب وگریباں کی دھجیاں سلامت نہ رہ سکیں۔ چنانچہ اشتہارات اور کتابوں کا بقچے سر پر لئے افتاں وخیزاں ہانپتے کانپتے "ان داتا" کی بارگاہ میں حاضری کے لئے روانہ ہوئے۔

تھانہ بھون پہنچتے ہی مولانا تھانوی نے اپنے جنگجو شکست خوردہ سپاہیوں کا پرتپاک خیر مقدم کیا "گرگ باراں دیدہ" کے پیش نظر تھانوی صاحب نے ہر ایک کو اپنے سینے سے لگایا اور ہر ایک سے ناتمام مسکراہٹ کے ساتھ ارشاد فرمایا کہ میری جیت کے لئے یہی کیا کم ہے کہ اس میدان میں اکیلا نہ رہ گیا۔ یہ بات اور ہے کہ مواخذہ کی لسٹ میں سرفہرست میرا نام ہو گا اور حسب ترتیب اسی فہرست میں تم سب کا نام ہو گا۔

اور حفظ الایمان کی عبارت پر اب تک جو گولہ باری کی تھی اس کے نشانے پر تنہا میری کھوپڑی تھی۔ دیکھو میرے سر پر ایک بال نہ رہ گیا۔ خدا کا شکر ہے کہ تم لوگوں نے حفظ الایمان کی تائید کر کے مجھ کو اکیلا نہ چھوڑا اور آئندہ کے لئے بھی تم سے یہی توقع ہے کہ تزلزل اور تذبذب کی خاردار جھاڑیوں میں نہ الجھو گے بلکہ ہر جگہ میری تائید وحمایت میں پیش پیش نظر آؤ گے یاد رکھو آج تم نے میرا ساتھ دیا ہے کل قیامت میں شاتمان رسول کے لئے بارگاہ خداوندی سے جو جگہ متعین کی جائے گی۔ اس میں اس وقت تک نہ جاؤں گا تاوقتیکہ تم سب کو وہاں پارسل نہ کرادوں۔

تھانوی صاحب کی مندرجہ بالا سیاسی گفتگو سے سپاہیوں کی جان میں جان آئی ورنہ ان غریبوں کا اس اندیشے سے خون خشک ہوا جارہا تھا کہ کہیں خانقاہ کے شکنجے میں کس دیئے گئے تو خدا ہی حافظ۔

اب مجلس برخاست ہونے والی تھی کہ مولوی عبدالشکور صاحب لکھنوی نے اشارے کی زبان میں دریافت فرمایا کہ "عالی جاہ ہم سنیوں کے مقابل تو اس پہ گری کے ایسے ایسے داؤ دکھلائیں گے کہ انہیں چھٹی کا دودھ یاد آجائے گا اور جب اپنی ہار دیکھیں گے تو سلامت رہے

ہمارا "تھانہ بھون" کہ حکومت کے جتنے تھانے ہیں وہ سب اسی ہیڈ کوارٹر کی برانچ ہیں۔ ہم عالی جاہ کے ارشادات فرمودات کے بموجب "یارسول اللہ" کا نعرہ تو بلند نہیں کر سکتے ورنہ شرک ہمارا گلا گھونٹ دے گا۔ البتہ جب اپنی شکست کا یقین کامل ہو جائے گا تو "یا پولیس المدد" کا نعرہ لگاتے ہوئے "تھانوں" میں پہنچ جائیں گے اور نقص امن بلوہ اور فساد کے نام پر مناظرہ کی روک تھام کر کے ساری کارروائی ختم کرا دیں گے مگر "عالی جاہ" یہ تو فرمائیں کہ پھوٹ آپس میں پڑ گئی ہے اور اس کا کیا علاج ہے؟

تھانوی صاحب یہ سنتے ہی اپنی اس مسند پر بیٹھ گئی جس کے اوپر ایک کتبہ آویزاں تھا اور بہ خط جلی یہ تحریر تھا۔ نشست گاہ جامع المجددین حجۃ اللہ فی الارض اکمل الناس اور برادری آئی ڈی وغیرہ وغیرہ اور انتہائی تمکنت ونخوت سے فرمایا کہ پہلے تم لوگ اپنے اختلافات بیان کرو تب میں اپنی رائے دے سکتا ہوں۔ یہ سنتے ہی لکھنوی صاحب نے عرض کیا۔

"عالی جاہ! میرا کہنا یہ تھا کہ مولانا تھانوی صاحب علم غیب رسول کے قائل نہیں۔"

نہ پوچھئے بس اتنی سی بات پر مولانا مرتضیٰ مولانا ٹانڈوی مولوی منظور یہ سب کے سب بری طرح مجھ پر برس پڑے حالانکہ میں نے اپنے دعوے کی دلیل میں فتاویٰ رشیدیہ اور تقویۃ الایمان سے بھی حوالہ پیش کیا مگر ان لوگوں نے گویا نہ ماننے کی قسم کھالی ہے۔ اب عالی جاہ ارشاد فرمائیں کہ اس بارے میں کیا حکم ناطق ہے جس سے سکون قلب حاصل ہو؟

تھانوی صاحب دیکھو تم نے تو ایسی بات چھیڑ دی کہ کہنے والی بات بھی کہنی پڑ گئی۔

چھپا رکھا تھا جس کو مدتوں سے دل میں اے انور
ہزار افسوس وہ شرح و بیاں تک بات جا پہنچی

کیا تمہیں معلوم نہیں کہ مولانا رشید احمد گنگوہی وہی ہیں جن کے حسب ونسب پر مولانا اسماعیل دہلوی نے بڑا سنگین حملہ کیا ہے۔

چنانچہ تقویۃ الایمان صفحہ ۲۵ کی عبارت سنو۔

"کوئی نام رکھتا ہے علی بخش پیر بخش غلام محی الدین۔ یہ سب جھوٹے مسلمان بچ شرک میں گرفتار ہیں۔"

پھر تقویۃ الایمان صفحہ ۶۴ پر ہے۔

"کوئی نام رکھتا ہے نبی بخش، ستیلا بخش، گنگا بخش سو یہ آدمی مردود ہو جاتے ہیں۔"

بقول مولانا گنگوہی جس تقویۃ الایمان کا پڑھنا اور رکھنا عین اسلام ہے اور اس کے تمام دلائل کتاب اللہ اور احادیث سے ماخوذ ہیں۔ جب ایسی کتاب کا قانون تم نے سن لیا تو اب مولانا رشید احمد گنگوہی کا پدری نسب نامہ سنو۔

تذکرۃ الرشید صفحہ ۱۳

"رشید احمد ابن ہدایت احمد بن پیر بخش بن غلام حسین بن غلام علی۔"

اور مادری نسب نامہ دیکھو۔

"رشید احمد بن کریم النساء بنت فرید بخش بن قادر بخش بن محمد صالح بن غلام محمد۔"

اب تم لوگ خود ہی فیصلہ کرو کہ پیر بخش کا پوتا اور فرید بخش کا نواسہ تقویۃ الایمان کی روشنی میں کیا ہوا۔ بات چونکہ اپنے گھر کی ہے ورنہ میں خود ہی صراحۃً کہہ دیتا۔ لیکن تم لوگوں کی عقل و دانش پر بھروسہ ہے کہ میرا مقصد گفتگو سمجھ لیا ہوگا۔ اور زحمت تو یہ آن پڑی ہے کہ تقویۃ الایمان کو عین اسلام کہہ کر مولانا گنگوہی نے خود ہی اپنے پاؤں پر کلہاڑی ماری ہے ورنہ یہ ممکن تھا کہ ہم جواب کی کوئی شکل پیدا کرتے اور ہاں کیا تم لوگوں نے بہشتی زیور نہیں دیکھا۔ میں نے بھی تو یہی لکھا ہے جو تقویۃ الایمان میں مولانا اسماعیل نے تحریر فرمایا ہے "معلوم ہوتا ہے کہ تم لوگ کتابوں کا مطالعہ نہیں کرتے۔" اس لئے میری آخری نصیحت ہے کہ حوالہ میں مولانا گنگوہی کا نام پیش کرتے وقت بڑی احتیاط سے کام لینا۔ اگر یہ باتیں چھپ نہ گئی ہوتیں تو ہم انہیں ہضم کر لیتے مگر اب تو ان کی اشاعت ہو چکی ہے اپنے اور غیر سبھی مطلع ہیں۔ اس لئے اب یہ عبارتیں ہمارے حق میں ایسے ہی ہیں جیسے "سانپ کے منہ میں چھچھوندر" جو اگلتے نہ بنے نہ نگلتے بنے۔

ابھی سلسلہ کلام جاری تھا کہ لکھنوی صاحب پھر بول اٹھے۔

"عالی جاہ! ہم نے مانا کہ گنگوہی صاحب ایسے تھے یا ویسے تھے مگر حضرت مولانا اسماعیل صاحب بھی تو فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے علم غیب ماننا صریح شرک ہے کم از کم ان کی بات تو تسلیم کی جا سکتی ہے۔"

تھانوی صاحب نے فرمایا "پاگل نہ بنو، ہوش و خرد سے کام لو اور اپنی کتابوں کا مطالعہ

کرو۔ کیا تمہیں یہ نہیں معلوم کہ مولانا گنگوہی پر تو صرف ہماری اور مولانا اسماعیل کی تلوار چلی ہے مگر مولانا اسماعیل کو تمام ہی علماء دیوبند نے جاہل ملحد زندیق دین سے بے بہرہ اور نہ جانے کیا کیا لکھا ہے۔"

یہ سنتے ہی پورے مجمع پر سناٹا چھا گیا اور تھانوی صاحب نے ماتھے کا پسینہ پونچھتے ہوئے فرمایا کہ تمہیں میری باتوں پر اعتبار و بھروسہ نہ ہو تو حوالہ سنو۔

ایضاح الحق مرتبہ مولوی اسماعیل دہلوی صفحہ ۳۶٬۳۵

"تنزیہ او مقامی از زمان و مکان و جہت و اثبات رویت بلا جہت و محاورات ہمہ از قبیل بدعات حقیقیہ است اگر صاحب آں اعتقادات مذکورہ از جنس عقائد دینیہ شمارد۔"

سوال:- مولوی اسماعیل کی مذکورہ بالا عبارت پر استفسار کیا گیا۔ یعنی کیا ارشاد ہے علماء دین کا اس شخص کے بارے میں جو کہے کہ اللہ تعالیٰ کو زمان و مکان سے پاک اور اس کا دیدار بے جہت حق جاننا بدعت ہے اور یہ قول کیسا ہے بینوا و توجروا۔

الجواب:- یہ شخص عقائد اہل سنت سے جاہل بے بہرہ اور وہ مقولہ کفر ہے واللہ اعلم۔

بندہ رشید احمد گنگوہی

نوٹ:- یعنی مولانا رشید احمد گنگوہی نے مولوی اسماعیل دہلوی کو جاہل اور بے بہرہ اور ان کے قول کو کفر قرار دیا۔

اب اس جواب پر دوسرے اکابر علماء دیوبند کی تصدیق و دستخط ملاحظہ کیجئے۔

لاؤ تو قتل نامہ ذرا میں بھی دیکھ لوں
کس کس کی مہر ہے سر محضر لگی ہوئی

الجواب صحیح: اشرف علی عفی عنہ

"حق تعالیٰ کو زمان و مکان سے منزہ ماننا عقیدہ اہل ایمان ہے اس کا انکار الحاد و زندقہ ہے اور دیدار حق تعالیٰ آخرت میں بے کیف و بے جہت ہوگا مخالف اس عقیدہ کا بددین و ملحد ہے۔"

کتبہ عزیز الرحمٰن عفی عنہ (نشان مہر) مفتی مدرسہ دیوبند

الجواب صحیح: بندہ محمود حسن عفی عنہ مدرس اول دیوبند۔

"وہ ہرگز اہل سنت سے نہیں۔"

حررہ المسکین عبد الحق

الجواب صحیح: محمود حسن مدرس دوم مدرسہ شاہی مراد آباد

"ایسے عقیدے کو بدعت کہنے والا دین سے ناواقف ہے۔"

ابو الوفاء ثناء اللہ

خود آپ اپنی آگ میں جلنے کا لطف ہے
اہل تپش کو آتش سینا نہ چاہیے

تھانوی صاحب: اب تم لوگوں نے دیکھ لیا کہ مولوی اسماعیل کے جاہل زندیق ملحد وغیرہ ہونے پر تمام ہی علماء دیوبند کا اتفاق ہے لہٰذا حوالہ میں مولانا اسماعیل کا نام پیش کرتے ہوئے بڑی احتیاط برتنا۔ اس غریب کو اپنوں ہی نے آگ کی دہکتی ہوئی بھٹی میں جھونک کر خاکستر کر دیا۔ یہی سوچ کر تو اغیار نے شاہ صاحب کی طرف خصوصی توجہ نہیں کی کہ وہ آپ اپنی موت مر رہے ہیں۔

لکھنوی صاحب: عالی جاہ! کیا یہ بات آپ لوگوں کو معلوم نہ تھی کہ یہ عبارت مولانا اسماعیل کی ہے۔ آخر ش یہ کیسا ظلم ہے ان کے ساتھ!

تھانوی صاحب: تم نے بھی ایک کہی یہی معلوم ہوتا تو ایسا فتوی ہی کیوں دیتے "ارے یہ فتوی ہے یا گوٹھل چھری سے انہیں ذبح کرنا ہے" "میں نے تو مولانا گنگوہی کے فتوے پر اعتماد کرتے ہوئے تصدیق کر دی تھی مجھے کیا معلوم تھا کہ مولانا گنگوہی مولانا اسماعیل کی کتابوں سے اس قدر بے خبر ہوں گے۔ چنانچہ انہوں نے بھی بعد میں اظہار افسوس کیا۔ دیکھو فتاویٰ رشیدیہ حصہ دوم ص ۱۸۰

"ایضاح الحق بندہ کو یاد نہیں کیا مضمون اور کس کی تالیف ہے۔"

نوٹ: قتل کے بعد اب پشیمانی سے کیا فائدہ!

وہ آئے ہیں پشیماں لاش پر اب
تجھے اب زندگی لاؤں کہاں سے

ناظرین نے علماء دیوبند کے فتاویٰ کی حقیقت دیکھ لی کہ فتویٰ لاعلمی میں دیا گیا ہے اگر یہ

بات معلوم ہوتی کہ یہ مولانا اسماعیل کی عبارت ہے تو زندیق و ملحد و جاہل لکھتے ہوئے کانپ جاتا اور قلم ٹوٹ جاتا اور اگر آپ کو میری رائے سے اتفاق نہ ہو تو "ہاتھ کنگن کو آرسی کیا" ہے آج ہی اس عبارت پر علماء دیوبند سے استفسار کیجئے اور دیکھئے کہ اس عبارت پر جاہل و ملحد کہنے کے بجائے اس کی کتنی حسین تاویل کرتے ہیں جیسا کہ ابھی مولوی مہدی حسن مفتی دیوبند نے مولانا قاسم نانوتوی کی ایک عبارت پر لا علمی کے ماتحت کفر کا فتویٰ دیا ہے اور جماعت اسلامی والوں نے اسے اچھالنا شروع کر دیا مگر جب یہ بات علم میں آئی کہ یہ عبارت کسی اور کی نہیں بلکہ خود بانی دار العلوم دیوبند کی ہے تو "ہاتھ کے طوطے اڑ گئے" اور طرح طرح کی تاویلات سے اس عبارت پر ملمع سازی کرنے لگے جس کی تفصیل میں اگلے صفحات میں پیش کروں گا۔

مختصر یہ کہ ابھی تھانوی صاحب دہلوی صاحب پر علماء دیوبند کے اس فتوے کا حوالہ دے رہے تھے جس میں انہیں زندیق، جاہل اور ملحد وغیرہ کا فتویٰ دیا گیا ہے کہ اسی درمیان میں مولانا منظور سنبھلی بول اٹھے۔

سنبھلی صاحب: عالی جاہ! ہم نے تو یہ بھی سنا ہے کہ شاہ اسماعیل نے اپنی لغزشوں سے توبہ کر لی تھی۔

تھانوی صاحب: برخوردار! ابھی تم طفل مکتب ہو۔ کیا تم نے فتاویٰ رشیدیہ نہیں دیکھی کہ یہ اہل بدعت کا افتراء ہے اور کم از کم یہ تو خیال رکھتے کہ ہم لوگ اپنی لغزشوں اور غلطیوں سے رجوع نہیں کرتے۔ اگر ہم میں اتنا ہی احساس کمتری ہوتا یا ہم اس قدر بزدل و کمزور ہوتے تو اب تک حفظ الایمان کی عبارت واپس لے لیتے۔ غالباً تم شیخ نجدی کی تاریخ بھول گئے، دیکھو وہ راندۂ درگاہ کر دیا گیا مگر منہ کی نکلی ہوئی بات واپس نہ لی۔ اپنے اسلاف و اکابر کی تاریخ ہمیشہ یاد رکھنی چاہیے، ذرا سوچو تو سہی ہر چند حکم خداوندی ہوا مگر اس علم بردار توحید کی غیرت نے گوارا نہ کیا کہ یہ سر نیاز کہیں اور جھک جائے اور برابر وہ یہی کہتا رہا کہ مجھے تجھ سے کام نہ کہ آدم اور نور محمد سے (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم)۔

نہ غرض کسی سے نہ واسطہ مجھے کام اپنے ہی کام سے

ترے ذکر سے ترے فکر سے تری یاد سے ترے نام سے

ہمیں ننگ اسلاف نہیں بلکہ فخر اسلام بننا چاہیے جب تک ہمارے سامنے ایک سچے پکے کٹر موحد کی پرانی تاریخ موجود ہے تو ہم علماء موحدین کو اسی مشعل راہ بنانا چاہیے۔ چنانچہ میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ مولانا اسماعیل نے توبہ نہیں کی بلکہ یہ ان پر افترا ہے۔

دیکھو فتاوٰی رشیدیہ حصہ اول صفحہ ۶۲

"اور توبہ کرنا ان کا (مولوی اسماعیل دہلوی کا) بعض مسائل سے افتراء اہل بدعت ہے"

ابھی گفتگو ہو رہی تھی کہ مولانا ٹانڈوی نے عرض کیا۔

مولانا ٹانڈوی: عالی جاہ! آپ نے لکھنوی کو تو مطمئن کر دیا لیکن ہمارے اور دربھنگی صاحب اور سنبھلی صاحب کے درمیان جو اختلاف پڑ گیا ہے اس کا کیا حل ہے؟

تھانوی صاحب: وہ کیسا اختلاف ہے؟

ٹانڈوی صاحب: میرا کہنا یہ ہے کہ حفظ الایمان کی عبارت میں لفظ "ایسا" تشبیہ کے لئے ہے اور دربھنگی صاحب و سنبھلی صاحب کا کہنا یہ ہے کہ لفظ "ایسا" اتنا یا اس قدر کے معنی میں ہے۔ یہ سن کر تھانوی صاحب ذرا سنبھل کر بیٹھ گئے اور زبان حال سے کسی پنڈت جی کی ایک دلچسپ کہانی سنائی فرمایا کہ۔

ایک پنڈت جی سے کسی نے اپنی حاملہ بیوی کے لئے دریافت کیا کہ گروجی! ہماری بیوی کو لڑکا ہو گا یا لڑکی؟

پنڈت جی نے زائچہ و پترا دیکھ کر استادی داؤ استعمال کرتے ہوئے جواب دیا:

"بیٹا نہ بیٹی"

سائل کے رخصت ہونے کے بعد پنڈت جی کے چیلے نے دریافت کیا کہ گروجی! آپ نے ایسا کیوں فرمایا؟ ہو سکتا ہے کہ ایشور کی دیا ہو جائے اور بھگوان اپنے کرپا سے اس کی کوکھ بھر دیں۔

یہ سن کر پنڈت جی نے فرمایا: بیٹا! جائے استاد خالی است اس کو تم کیا جانو ابھی کچھ دنوں اور میرے چرنوں میں رہ کر ودیا حاصل کرو تب کہیں یہ بھید تمہاری گیان میں آسکیں

گے۔ اچھا تم مجھ سے قریب آؤ میں تمہیں بتاؤں۔ دیکھو اگر اس کو بیٹی ہو گئی تو اس کی اس طرح پڑھا سا جائے گا۔

بیٹی ----- نہ بیٹا

یعنی "نہ بیٹا سے متعلق ہوگا۔"

اور اگر بیٹا ہوا تو اس کو اس طرح لکھا پڑھا جائے گا۔

بیٹی نہ ----- بیٹا

یعنی "نہ "بیٹی سے متعلق ہو جائے گا۔

اور اگر کچھ نہ ہو تو بات واضح ہے بیٹی نہ بیٹا۔

یہ واقعہ سن کر تھانوی صاحب نے فرمایا: اس لئے مناسب یہ ہے کہ حفظ الایمان کی عبارت میں لفظ "ایسا" گول کر جاؤ۔ ج مناظرہ میں تشبیہ کے معنے لینے سے چھٹکارا مل جائے وہاں تشبیہ کے معنی لے لینا اور جس مناظرہ میں اتنا/اس قدر کے معنی میں جان بچ جائے وہاں اتنا کے معنی لے لینا اور جہاں کسی بھی معنی کے لینے میں رہائی نہ مل سکے تو کبھی تشبیہ کے معنی لینا اور کبھی اتنا کے معنی میں اور جب اس سے بھی نجات نہ ملے تو "یا پولیس المدد" کا سہارا تو کافی ہے۔ آخر یہ تھانہ بھون کا ہیڈ کوارٹر کس دن کام آئے گا لہٰذا میں تم تینوں کی تشریح و توضیح سے متفق ہوں۔ اب بات آگے نہ بڑھاؤ جو کچھ ہو گیا یہی کیا کم ہے۔

ساقی کا احترام بھی لازم ہے اے صبا
ہر ہر قدم پہ لغزش بے جا نہ کیجئے

یہ کہہ کر تھانوی صاحب نے اس افسانے کو یونہی ناتمام و ادھورا چھوڑ دیا جس پر رہتی دنیا تک حاشیہ آرائی ہوتی رہے گی یہ سن کر تھانہ بھون کے تھکے ماندے سورما و بہادر اپنے اپنے گھر کو لوٹے۔ ابھی کچھ دور چلے تھے کہ سنبھلی صاحب نے "بگل" بجا دیا جس پر سب کے کان کھڑے ہو گئے اور سنبھلی صاحب نے بڑی متانت سے عرض کیا "حضور والا! ابھی تک اس گفتگو کا یہ گوشہ میری سمجھ میں نہ آ سکا کہ ہم اس بات کے قائل ہیں کہ لفظ "ایسا" تشبیہ کے لئے نہیں ہے بلکہ معنی میں اتنا/اس قدر کے ہے۔ اگر تشبیہ کے لئے لیا جائے تو ہم بھی کہتے ہیں کہ اس میں رسول کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی توہین ہے جو موجب کفر ہے اور

مولانا نانڈوی کا یہ اصرار ہے کہ لفظ "ایسا" تو کلمہ تشبیہ ہے اور اس عبارت میں بھی تشبیہ کے لئے متعین ہے۔ اگر اتنایا اس قدر کے معنی میں لیا جائے تو نانڈوی صاحب کی نظر میں اہانت رسول ہوتی ہے جو موجب کفر ہے لہذا ہماری تاویل کی بنا پر مولانا نانڈوی پر کفر عائد ہوتا ہے اور مولانا نانڈوی کی بنیاد پر ہم دونوں کافر ہوئے جاتے ہیں اس لئے اگر امام احمد رضا فاضل بریلوی اور ان کے دوسرے ہم خیال و ہم عقیدہ علماء اہل سنت ہم لوگوں کی تکفیر کرتے ہیں تو وہ لوگ اپنے فتوے میں حق بجانب ہیں اور سچ تو یہ ہے کہ ان لوگوں نے اپنی طرف سے کوئی بات نہیں کہی ناحق ہم آئے دن ان سے الجھتے رہتے ہیں۔" یہ سن کر مولانا مرتضی حسن در بھنگی نے ارشاد فرمایا ۔

ساحل کو دیکھ دیکھ کے یوں مطمئن نہ ہو
کتنے سفینے ڈوبے ہیں ساحل کے پاس بھی

در بھنگی صاحب: کیا تمہیں معلوم نہیں اب سے پہلے میں اپنی کتاب اشد العذاب میں اس بحث کی وضاحت کر چکا ہوں۔ معلوم ہوتا ہے تمہارا مطالعہ بہت کمزور ہے۔

دیکھو اشد العذاب صفحہ ۱۳

"اگر خاں صاحب (یعنی امام احمد رضا فاضل بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے نزدیک بعض علماء دیوبند واقعی ایسے ہی تھے جیسا کہ انہوں نے سمجھا تو خاں صاحب (امام احمد رضا) پر ان علماء دیوبند کی تکفیر فرض تھی اگر وہ ان کو کافر نہ کہتے تو وہ خود کافر ہو جاتے 'جیسے علماء دیوبند نے جب مرزا صاحب (غلام احمد قادیانی) کے عقائد کفریہ معلوم کر لئے اور وہ قطعاً ثابت ہو گئے تو اب علماء اسلام پر مرزا صاحب اور مرزائیوں کا کافر و مرتد کہنا فرض ہو گیا اگر وہ مرزا صاحب اور مرزائیوں کو کافر نہ کہیں تو وہ خود کافر ہو جائیں گے۔ جو کافر کو کافر نہ کہے وہ خود کافر ہے"

نوٹ:

مجرم ان کو سمجھتا تھا قصور اپنا نکل آیا

حق تو یہ ہے کہ رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا منہ بولتا معجزہ ہے جس پر تمام ہی علماء دیوبند سر بگریباں و حیران ہیں 'مولانا مرتضیٰ حسن دیوبندی کی مندرجہ بالا عبارت سے آج

کے جگر الو لٹ جت دیوبندیوں کو ہی لینا پڑے۔

(۱) مثلاً آج کے ان پڑھ و نادان دیوبندی بڑے بھولے بھالے بن کر یہ کہتے ہیں کہ "کافر کو بھی کافر نہ کہنا چاہیے" مگر ان کے پیشوا مولوی مرتضیٰ حسن صاحب فرماتے ہیں "جو کافر کو کافر نہ کہے وہ خود کافر ہے۔"

(۲) ایسے ہی بعض ناخواندہ و بعض پڑھے لکھے دیوبندی یہ کہتے ہیں کہ مولانا تھانوی کا معاملہ ان کے ساتھ ہے نہ کہ ہمارے ساتھ۔ مگر مولوی مرتضیٰ حسن دیوبندی فرماتے ہیں کہ علماء دیوبند پر صرف مرزا غلام احمد کی تکفیر فرض نہ تھی بلکہ ان کے متبعین مرزائیوں کی تکفیر بھی فرض تھی۔ چنانچہ علمائے دیوبند نے مرزا صاحب اور مرزائیوں دونوں کو کافر و مرتد کہا ایسے ہی تھانوی صاحب اور تھانوی صاحب کے متبعین دونوں کا ایک ہی حکم ہوگا۔

(۳) ایسے ہی بعض دیوبندی بڑے سیدھے سادھے بن کر یہ کہتے ہیں کہ دیکھو امام احمد رضا فاضل بریلوی کی کتنی زیادتی ہے کہ انہوں نے بعض اکابر علماء دیوبند کو کافر کہہ دیا مگر مولوی مرتضیٰ حسن دیوبندی فرماتے ہیں کہ اگر مولانا احمد رضا خان صاحب علماء دیوبند کی کفریات پر مطلع ہونے کے بعد حضرات دیوبند کی تکفیر نہ کرتے تو وہ خود کافر ہو جاتے جیسا کہ علماء دیوبند مرزا صاحب کے کفر پر مطلع ہونے کے بعد اگر ان کی تکفیر نہ کرتے تو وہ خود کافر ہو جاتے لہٰذا یہ معاملہ ایسے ہی ہے جیسا کہ علماء دیوبند نے مرزا صاحب اور مرزائیوں کی تکفیر کی۔

آپ دیکھیں تو سہی ربط محبت کیا ہے
اپنا افسانہ ملا کر مرے افسانے میں

کاش! آج کے دیوبندی علماء اپنے مقتداء و پیشوا جناب مرتضیٰ حسن در بھنگی سابق مدرس و ناظم شعبہ تبلیغ دارالعلوم دیوبند جیسی شخصیت کے مندرجہ بالا اصولوں پر غور و فکر کرتے اور آستینیں چڑھا کر لڑنے کے بجائے نیک نیتی سے اپنے ایمان و عاقبت کی خیر مناتے جس میں ان کی بھی فلاح تھی اور کروڑوں مسلمان ان کے شر و فساد سے محفوظ ہو جاتے۔
مختصر یہ کہ مولانا مرتضیٰ حسن در بھنگی کی گفتگو سن کر مولوی منظور صاحب یہ کہہ کر

خاموش ہو گئے کہ ہماری مثال تو ایسی ہی ہے کہ "دوسروں کی آنکھ میں تنکا دیکھنے والے کو اپنی آنکھ کا شہتیر نظر نہیں آتا" ہم اب تک تو یہ سمجھتے تھے کہ علماء اہل سنت نے ہمارے ساتھ بڑی زیادتی برتی ہے مگر حقیقت آشکارا ہو گئی کہ ہم اپنے کیے کی سزا بھگت رہے ہیں جس کا کوئی علاج نہیں، مگر حضور والا یہ تو فرمائیں کہ جب ہماری پوزیشن اتنی کمزور ہے کہ تو ہم کس بل بوتے پر علماء اہل سنت سے مناظرہ کریں گے۔

سر منزل پہنچ کر پست ہمت ہوتی جاتی ہے

در بھنگی صاحب نے فرمایا بات تو تم سچ کہتے ہو مگر دیکھو اپنی جماعت میں ناک اونچی کر کے چلنا ہے اور امام المناظرین، سلطان المناظرین وغیرہ کا خطاب لینا ہے تو ہمت کر کے دو ایک مناظرے کر لینا اپنی روداد کی اشاعت تو اپنے ہاتھ رہے گی جس طرح چاہنا نمک مرچ لگا کر اس کی اشاعت کرنا سچ کو جھوٹ اور جھوٹ کو سچ اپنی ہار کو فتح مبین اور دوسروں کی جیت کو شکست فاش لکھتے ہوئے کون تمہاری کلائی تھام لے گا۔ خوب خوب ڈینگیں مارنا۔ اور ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ مناظرہ سے پہلے ہی روداد چھپا لینا، دوسرے حلقوں میں مناظرہ سے پہلے ہی تقسیم کرا دینا اور جس جگہ مناظرہ ہو وہاں بعد مناظرہ اس کو تقسیم کرانا۔

چنانچہ جمشید پور کے مناظرہ میں جو فاضل گرامی مولانا ارشد صاحب مفتی جمشید پور اور مولوی عبد اللطیف اعظمی استاد مولوی منظور احمد نعمانی سے اسی حفظ الایمان کی عبارت پر ہوا اس کی فتح مبین کا پوسٹر مناظرہ سے دو روز پیشتر کنک اور موناتھ بھنجن میں تقسیم ہو چکا مناظرہ سے پہلے اپنی جیت کا پوسٹر شائع کرتے وقت ایسے سفید جھوٹ پر نہ تو انہیں قرآن یاد آیا ہو گا اور نہ ہی حدیث ان سے تو محض میلاد و قیام اور عرس و فاتحہ کے ثبوت میں کام لیا جاتا ہے۔ حالانکہ جس مناظرہ کی فتح مبین کا اشتہار شائع کیا گیا ہے اس میں انہیں ایسی منہ کی کھانی پڑی کہ آج تک مولوی عبد اللطیف کو یاد ہو گا۔ فاضل گرامی مولانا ارشد قادری کے صرف اک سوال پر مولوی عبد اللطیف بوکھلا کر "کھسیانی بلی کھمبا نوچے" کے مطابق آئیں بائیں شائیں بانکنے لگے۔ پھر تو ایسی بے پر کی اڑائی جس پر تمام دیوبندیوں کی گردن شرم و ندامت سے جھک گئی۔ اسی عبارت میں بریلی شریف کا مناظرہ مولوی منظور صاحب اور مولانا سردار احمد

ا؎ نصرت خداوندی ۱۳۳۵ھ ص ۱۴۰

صاحب کے درمیان ہوا تھا جس میں بوکھلا کر مولوی منظور نے کہا۔

"رسول اللہ تو بھو کے مرا کرتے تھے۔" [1] معاذاللہ ثم معاذاللہ

اسی جملہ پر استاذ محترم مولانا محمد حبیب الرحمان صاحب قبلہ نے مولوی منظور کو گرجتی ہوئی آواز میں پھنکارا تھا کہ منظور! مناظرے کا مقصد یہ ہے کہ توہین نبوت سے تمہاری زبان روکی جائے اور افسوس کہ استخفاف نبوت تمہاری فطرت ثانیہ بن چکی ہے ایسے گھبر ہو کر بغیر گالی گلوچ کے تم اپنی گفتگو پر قابو یافتہ نہیں اگر تمہاری زبان میں کیڑے رینگ رہے ہیں جس سے تمہیں بغیر گالی دیئے چین نہیں تو سرکار دو عالم کو نہیں بلکہ حبیب الرحمان کو گالیاں دے لو۔

یاد رہے یہ حبیب الرحمان اسی مرد مجاہد کا نام ہے جو ناموس رسالت کی خاطر غازی پورہ سلطان پور جیل کی مشقتیں جھیل کر ابھی پندرہ مہینے کے بعد ضمانت پر رہا ہوا ہے جس کا نام سنتے ہی اصغر گونڈوی کا یہ شعر یاد آجاتا ہے۔

یہاں تو عمر گزری ہے اسی موج و تلاطم میں
وہ کوئی اور ہوں گے سیر ساحل دیکھنے والے

جہاں تک میری قوت حافظہ رفاقت کر رہی ہے حفظ الایمان کی اسی عبارت پر مولوی منظور سنبھلی اور شیر بیشہ اہل سنت مولانا حشمت علی خاں رحمتہ اللہ علیہ کے درمیان اوری ضلع اعظم گڑھ میں مناظرہ ہوا تھا اس مناظرہ میں مولوی منظور احمد صاحب کی بدحواسی کا کیا عالم تھا اس کی شہادت میں شیر کا نام ہی کافی ہے جن کے تعارف میں اکثر و بیشتر میں اس شعر سے کام لیتا ہوں۔

کس شیر کی آمد ہے کہ رن کانپ رہا ہے
رن ایک طرف چرخ کہن کانپ رہا ہے

ابھی ۹، ۱۰، ۱۱ نومبر ۱۹۵۸ء کو فخر ملت مولانا سید مظفر حسین صاحب کچھوچھوی کے زیر اہتمام ایک مناظرہ سرزمین احمد آباد میں ہونے والا تھا۔ مولانا کی تقریر پر بعض وہابیوں اور دیوبندیوں نے چھیڑ چھاڑ کی تھی لہٰذا مجاہد ملت مولانا محمد حبیب الرحمان صاحب قبلہ صدر آل انڈیا تبلیغ سیرت کے اس اصول پر عمل کرتے ہوئے کہ "چھیڑو مت چھیڑا جائے تو چھوڑو

مت" مولانا سید مظفر حسین صاحب نے دیوبندیوں کی اچھی طرح خبر لی۔ اس مناظرہ کے لئے شیر بیشہ اہل سنت مولانا حشمت علی خاں صاحب قبلہ مفتی کانپور، حضرت مولانا رفاقت حسین صاحب، مفتی سنبھل حضرت مولانا اجمل شاہ صاحب، سحبان الہند مولانا ابوالوفاء صاحب فصیحی، فاتح جمشید حضرت مولانا ارشاد صاحب قادری، فاضل بہاری حضرت مولانا محمد اسحاق صاحب خطیب جامع مسجد بورسد، عالم جلیل حضرت مولانا اشفاق حسین صاحب نعیمی مفتی جودھ پور، علمبردار اہل سنت حضرت مولانا حاجی علی محمد صاحب ناظم رضائے مصطفیٰ گجرات، دفتر انچارج تبلیغ سیرت مولانا نثار احمد صاحب مبارکپوری، فاضل گرامی مولانا محمد مشاہد رضا خاں صاحب پیلی بھیتی، راقم الحروف مشتاق احمد نظامی یہ سب کے سب پہنچ گئے تھے۔ مناظرے کی تاریخ وہی تھی جن دنوں ہندوؤں کی دیوالی پڑ رہی تھی اسی مناسبت سے خطیب عصر حضرت مولانا ابوالوفا صاحب فصیحی نے برجستہ ایک شعر کہا جس میں شیر بیشہ اہل سنت کا تعارف بھی ہے اور ساتھ ہی ساتھ یہ شعر روداد مناظرہ احمد آباد کا خلاصہ اور نچوڑ بھی ہے شعر سنئے اور غائبانہ طور پر فصیحی صاحب کو داد دیجئے ؎

اللہ رے کس شیر سے اب پڑ گیا پالا
ہندو کی دیوالی ہے وہابی کا دیوالہ

ابھی چند برس ہوئے حفظ الایمان کی اسی عبارت پر "کواتھ" ضلع آرہ (بہار) میں ایک مناظرہ ہوا تھا جس میں اہل سنت کی طرف سے مولانا ابوالوفا صاحب فصیحی اور دیوبندیوں کی طرف سے مولوی عتیق الرحمان صاحب مناظر تھے، اہل سنت کے اسٹیج پر فصیحی صاحب کے علاوہ سلطان المناظرین حضرت مولانا رفاقت حسین صاحب قبلہ شمس العلماء، حضرت مولانا محمد نظام الدین صاحب مدرس اول مدرسہ عالیہ رامپور، فاتح جمشید پور حضرت مولانا ارشد صاحب قادری اور راقم الحروف مشتاق احمد نظامی تھا اور دیوبندی اسٹیج پر مولوی عتیق الرحمان صاحب کے علاوہ تقریباً دو درجن مولوی ایں قدر اور آں قدر موجود تھے اس مناظرہ میں دیوبندیوں کی بدحواسی کی یہ کیفیت تھی کہ ان کا مناظر و کتاب کو اپنی پشت کے نچلے حصے پر لے کر کھڑا ہوا۔ اہل سنت کے مناظر سے نہ رہا گیا تو فصیحی صاحب نے اٹھ کر یہ فرمایا کہ مولانا کتاب کو مقام غلیظ سے ہٹا لیجئے اس میں کتاب کی توہین ہے۔ یہ سنتے ہی دیوبندی مناظر

نے کہا۔ مولانا چونکہ اس میں مولانا احمد رضا خاں صاحب کا نام ہے اس لئے اس کو مجھ سے کاٹ نہیں سکتا ہوں۔

ناظرین اسی سے دیوبندیوں کی علمی شرافت و سنجیدگی کا اندازہ کریں کہ وہ کس قدر گستاخ و بے ادب واقع ہوئے ہیں ہر چند اہل سنت کی طرف سے تہذیب و شرافت ادب احترام کی تلقین کی جائے مگر وہ اپنی کج بحثی پر مجبور ہیں "ملا آں باشد کہ چپ نہ شود" کے مطابق بکواس کرنے کو تیار رہتے ہیں۔

تقریباً ۱۹۸۵ء کی بات ہے برادر گرامی حضرت مولانا محمد سلیم صاحب خطیب جامع مسجد و مہتمم جامعہ عربیہ سلطان پور کی دعوت پر ایک جلسہ میں گیا تھا ان دنوں مولوی عبد الہادی دیوبندی کی دعوت پر مولوی یونس خالدی لکھنوی بھی سلطان پور میں آئے تھے چنانچہ مولوی یونس خالدی نے مجھے چیلنج مناظرہ دیا اور تقریباً تین دن تک تحریری مناظرہ کا سلسلہ جاری رہا ایک بار مولوی یونس صاحب نے مجھ سے دریافت کیا "آپ بحیثیت مسلم گفتگو کریں گے یا بحیثیت غیر مسلم؟"

چنانچہ ان کے اس جملہ پر میں نے حسب ذیل چند سوالات کئے۔

(۱) اسلام و ایمان کا فرق؟

(۲) ایمان کے بسیط و مرکب ہونے میں محدثین کے اختلافات کی وضاحت اور قول راجح کی تعیین؟

(۳) ارکان اسلام سے غیر کے وجوہ و اسباب؟

(۴) حقیقی، مجازی حیثیت کے لحاظ اقسام مع مثال

(۵) الف اسلام و ایمان دو مفہوم کلی ہیں یا جزئی؟

ب اگر جزئی ہیں تو نسبت اربعہ (تساوی، تباین، عام خاص مطلق، عام خاص من وجہ) میں کون سی نسبت ہے؟

ج اور اگر دو مفہوم جزئی ہیں تو جزئی حقیقی ہیں یا اضافی؟

د اور جزئی حقیقی و اضافی کا مفہوم کیا ہے؟

غرضیکہ اس جملے کے ہر ہر ٹکڑے پر میں نے سوالات قائم کئے اور آخر میں یہ بھی کہ

جائے گی۔

مولوی اسماعیل دہلوی نے تو اپنی کتاب "صراط مستقیم" میں اپنی یاوہ گوئی کے مطابق یہ لکھ مارا کہ نماز میں آنحضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا خیال لانا گائے بیل کے خیال لانے سے بدرجہا بدتر ہے۔ معاذ اللہ یعنی گائے بیل کے خیال میں ڈوب جانے سے تو نماز ہو جائے گی مگر رسول اللہ کے خیال لاتے ہی نماز فاسد ہو جائے گی۔ یہ ہے دیوبندی دھرم میں نماز کی حقیقت۔ مگر اب سنئے تھانوی صاحب کی۔

ملفوظات اشرف المعلوم بابت ماہ رمضان ۱۳۵۵ھ صفحہ ۸۴ نمبر ۲۹۸

"کسی نے خط میں لکھا کہ اگر آپ (تھانوی صاحب) کی صورت کا تصور کر لوں تو نماز میں جی لگتا ہے' فرمایا جائز ہے دو شرط سے ایک یہ کہ اعتقاد میں مجھے حاضر ناظر نہ سمجھے' دوسری شرط یہ ہے کہ اسکی اطلاع کسی کو نہ دے۔ یہ تصور خطرات کے علاج کے درجہ میں ہے کیونکہ یہ بھی توجہ الی اللہ ہونے کا ایک ذریعہ ہے اس سے توجہ اور یکسوئی الی اللہ ہو گی۔ پس مقصود کا مقدمہ ہے خود مقصود نہیں۔"

غضب خدا کا یہ اندھیر تو دیکھئے کہ محبوب کردگار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا خیال لانے سے نماز جاتی رہے گی مگر مولانا تھانوی کی صورت کا تصور' مقدمہ' عبادت اور توجہ الی اللہ کا ذریعہ قرار پائے کیوں نہ ہو۔

"خدا سر دے تو سودا دے کسی کو زلف پیچاں کا"

مولانا تھانوی صاحب کے درجات اس وقت تک پایہ تکمیل کو نہ پہنچے تاوقتیکہ بیگم صاحبہ نہ آگئیں یعنی مولانا تھانوی کی نماز میں بیگم صاحبہ کا تصور تقرب الی اللہ کا ذریعہ تھا اور مریدین کی نماز میں تھانوی صاحب کا تصور۔ البتہ یہ بات محل غور ہے کہ بیگم صاحبہ کی نماز میں کسی کا تصور توجہ الی اللہ کا ذریعہ تھا۔

صراط مستقیم کی عبارت کا تذکرہ کرتے ہوئے مجھے اپنے محب مخلص عندلیب گلشن رسالت جناب راز صاحب الہ آبادی کا ایک شعر یاد آگیا ۔

وہ سجدہ تو سجدہ ہوا ہی نہیں
کہ سر جھک گیا دل جھکا ہی نہیں

ایک بار جناب راز صاحب اپنے ایک ادبی دوست جناب امید صاحب ڈبیاری کو میرے پاس بغرض ملاقات لائے۔ دفتر پاسبان میں کچھ دیر شعر و سخن کی مجلس گرم رہی جناب امید صاحب وقت کے ایک کامیاب شاعر ہیں انہوں نے بھی اپنا کلام پیش فرمایا۔ جس کا ایک شعر موقع و محل کے مناسب حاضر ہے ۔

دانائے ناکامی زاہد کہ جبیں پر اس کی
داغ سجدہ تو بنا داغ محبت نہ بنا

حضرات دیوبند کا یہی حال ہے کہ پیشانی توے کی کالکھ سے زیادہ کالی ہو جائے مگر دلوں پر نور نبوت کی جھلک نہ پڑ سکے بقول احسان الہند جناب بیکل صاحب بلرامپوری کہ دیوبندیوں کے دل کی سیاہی پیشانی پر ابھر آئی ہے۔

تھانوی صاحب کی رسول دشمنی سے بھرپور ایک اور عبارت ملاحظہ کیجئے اور ان کی گندہ ذہنیت پر ماتم کیجئے۔

رسالہ الامداد ماہ صفر ۱۳۳۵ھ

"ایک ذاکر صالح کو مکشوف ہوا کہ احقر (اشرف علی تھانوی) کے گھر حضرت عائشہ آنے والی ہیں انہوں نے مجھ سے کہا میرا (اشرف علی کا) ذہن معا اسی طرف منتقل ہوا کہ کمسن عورت ہاتھ آئے گی کہ اس مناسبت سے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ سے نکاح کیا تو حضور کا سن شریف پچاس سے زائد تھا اور حضرت عائشہ بہت کم عمر تھیں وہی قصہ یہاں ہے۔"

نوٹ: ۔

ہر نقش محبت میں الٹا نظر آتا ہے
مجنوں نظر آتی ہے لیلیٰ نظر آتا ہے

یہی حال ہے تھانوی صاحب کا۔ کجا ام المومنین سیدہ طیبہ طاہرہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جن کی دینی فراست اور تفقہ فی الدین پر اجل صحابہ و خلفاء راشدین کو اعتماد و بھروسہ تھا جن کی شان عفت پر آیات کا نزول ہوا۔ صحابہ کے پر پیچ مسائل کی گرہوں کو جن کے ناخن تدبیر نے کھول دیا ہو جس نے بلاواسطہ درسگاہ نبوت سے فیض حاصل کیا ہو

جس کے مقدس وپاکیزہ حجرے میں بارہا جبرئیل امین وحی لے کر حاضر ہوئے ہیں ہاں وہی
سیدہ عائشہ جن کے لئے قرآن مجید کا ارشاد محکم ہے کہ۔

النبی اولی بالمومنین من انفسھم و ازواجہ امہاتھم

اور کہاں مولانا تھانوی کی بیگم جن کے آتے ہیں مولانا تھانوی کی دنیا و آخرت دونوں
برباد ہو گئیں۔ کہاں محبوب خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حرم محترم اور کہاں مولانا تھانوی کی
بیگم۔

چہ نسبت خاک را با عالم پاک

وہ سیدہ عائشہ جن کا تذکرہ قرآن مجید میں، جن کا ذکر جمیل احادیث رسول میں، جن
کے محاسن اخلاق تاریخ اسلام میں، غرضیکہ جن کا تذکرہ خانہ کعبہ و مسجد نبوی میں، مسجد و خانقاہ
میں جن کا تذکرہ صدیقین، صالحین، شہداء، ائمہ مجتہدین، اکابر محدثین، علماء و اولیاء کی
زبانوں پر غرضیکہ وہ عائشہ جن کا تذکرہ فرش پر، عرش پر، ملائکہ کی بزم قدس میں حتیٰ کہ
بارگاہ الوہیت میں۔

افسوس ہے کہ تھانوی صاحب کی ناپاک و نجس ذہنیت پر "چھوٹا منہ اور بڑی بات" اپنی
خباثت باطنی کی بنا پر فرماتے ہیں "وہی قصہ یہاں بھی ہے جیسا کہ محبوب کردگار اور سیدہ عائشہ
کی شادی کا تھا" معاذ اللہ ثم معاذ اللہ اور آنجناب کی بازاری بول تو ملاحظہ فرمائیے کہ "میں سمجھ
گیا کوئی کمسن عورت ہاتھ آئے گی" اس جملہ میں "ہاتھ آئے گی" کا ٹکڑا خصوصیت سے قابل
توجہ ہے۔ اہل ادب و زبان اچھی طرح واقف ہیں کہ اس کا موقع استعمال کیا ہے اور "کم سن
عورت ہاتھ آئے گی" کا جملہ مولانا تھانوی کے لذت نفسانی و جذبہ شہوانی پر کس حد تک غماز
ہے مریدین تو یہ سمجھ چکے تھے کہ حضرت پیر و مرشد شراب ضعیف و ناتواں ہو چکے ہیں مگر
پیر صاحب بڑھاپے میں بھی عشق بازی کر بیٹھے

جانبازوں کے سینے میں ابھی اور بھی دل ہیں
پھر دیکھئے اک بار محبت کی نظر سے

اس پر غضب یہ ڈھایا کہ اسی شادی کو تقرب الی اللہ کا ذریعہ قرار دیا "ایک تو کریلا اور وہ
بھی نیم چڑھا"

کچھ عجب اتفاق ہے اکابر علماء دیوبند کے جتنے بھی فضائل و مناقب ہیں وہ سب خواب ہی کے راستے آتے ہیں جب وحشت بڑھتی ہے تو کسی نہ کسی من گھڑت خواب سے اپنے مولویوں اور مدرسے کی فضیلت بیان کرتے ہیں۔ایک خواب ملاحظہ ہو۔

براہین قاطعہ مطبوعہ ساڈھورہ صفحہ ۲۶

"ایک صالح فخر عالم علیہ السلام کی زیارت سے خواب میں مشرف ہوئے تو آپ کو اردو میں کلام کرتے دیکھ کر پوچھا کہ آپ کو یہ کلام کہاں سے آگئی آپ تو عربی ہیں؟ فرمایا کہ جب سے علماء مدرسہ دیوبند سے ہمارا معاملہ ہوا ہم کو یہ زبان آگئی۔ سبحان اللہ اس سے رتبہ اس مدرسہ کا معلوم ہوا۔"

نوٹ: جناب امیر نے تو یہ فرمایا تھا کہ ۔

حضرت کا علم علم لدنی تھا اے امیر
حضرت وہیں سے آئے تھے لکھے پڑھے ہوئے

اس شعر میں مبالغہ سے کام نہیں لیا گیا بلکہ اس میں اس حدیث کا مفہوم ہے جیسا کہ رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔

علمنی ربی فاحسن تادیبی میرے رب نے میری بہترین تعلیم و تربیت فرمائی۔

یہ تو حضورؐ کا فرمانا ہے مگر علماء دیوبند کا یہ کہنا ہے کہ اس تعلیم میں کچھ کمی تھی جس کی تکمیل مدرسہ دیوبند میں ہوئی۔ مثلاً سرکار دو عالم اردو نہ جانتے تھے مگر اس وقت آئی جب ہم "علماء دیوبند سے سیکھا۔ یہ ہے استاد بننے کا جذبہ ملعون، کبھی تو بڑے بھائی کا رشتہ جوڑا اور کبھی استادی وشاگردی کا۔ اور خود آں جناب کی اُردو کا یہ عالم ہے کہ "آپ کو یہ کلام کہاں سے آگئی" اتنی خبر نہیں کہ کلام مذکر ہے یا مونث۔ مگر استاد بننے کا جذبہ شیطنت اکسا رہا تھا کہ لکھ مارو خواہ داغ کی روح اپنی قبر میں تڑپتی ہی کیوں نہ رہے۔ حضرت داغ نے اسی دیوبندی اردو کی تعریف میں کہا تھا ۔

اردو ہے جس کا نام ہمیں جانتے ہیں داغ
سارے جہاں میں دھوم ہماری زباں کی ہے

داغ نہ سہی تو کوئی جانشین داغ ناخدائے سخن حضرت نوح ناروی سے دریافت کرے کہ اس دیوبندی اردو نے آپ کی شاعرانہ فطرت اور نازک طبیعت پر کیا ستم ڈھایا؟ غالبًا ابھی تک یہ دیوبندی اردو شعرائے لکھنو کی نظر سے نہیں گزری ورنہ اب تک ایجی ٹیشن ہو گیا ہوتا اور جناب حافظ شفیق الرحمان مرحوم کا حلقہ ادب بھی اس سے شناسا نہیں ورنہ اب تک ان کے لطائف وظرافت کی فہرست میں اس کو جگہ مل گئی ہوتی۔

اے کاش! علماء دیوبند کبھی مقام نبوت کی عظمت و برتری کا صحیح اندازہ کر کے اپنی گندہ توہین آمیز عبارات پر سنجیدگی سے غور کرتے اور سوچتے کہ کیا یہ شایان شان نبوت ہے۔ اللہ کا نبی مدرسہ دیوبند میں آکر اردو حاصل کرے حالانکہ یہ وہی نبی محترم ہے کہ جو کبھی بالواسط جبریل امین سے اور کبھی بلاواسطہ جبریل اپنے رب قدیر سے ہمکلام ہوتا ہے۔ شفیق صاحب نے کتنی پیاری بات کہی ۔

وہ سو جائیں تو معراج منامی
وہ جاگیں تو خدا سے ہمکلامی

مدرسہ دیوبند کی تعریف کے لئے اور بھی بہت سے قصص و واقعات مل جاتے مگر اس کو کیا کہیے کہ تنقیص نبوت ہی سے حضرات دیوبند کے ذوق تالیف کی تشنگی بجھتی ہے حالانکہ اگر یہ لوگ غور و فکر سے کام لیتے تو یہ حقیقت واضح ہو جاتی کہ سرکار دو عالم کا اردو زبان میں گفتگو کرنا علماء دیوبند کی زبان عربی سے جہل ولا علمی کی دلیل ہے چونکہ آقائے دو عالم جانتے تھے کہ یہ نام نہاد عربی مدرسہ ہے مگر یہاں کے لوگ عربی سمجھتے نہیں اس لئے اردو میں گفتگو فرمائی۔

جناب تھانوی صاحب کے جذبہ خود ستائی کی دوسری چند مثالیں جلد دوم میں ملاحظہ فرمائیے گا اب تھانہ بھون سے چل کر اجودھیا پہنچے اور ایک کھدر پوش کی زندگی کا جائزہ لیجئے۔

شیخ الاسلام نمبر کا سرسری جائزہ

یہ کانگریسی ملا میں تم کو بتاؤں کیا ہیں
گاندھی کی پالیسی کے عربی میں ترجمہ ہیں

(اکبرالہ آبادی)

جناب مولوی حسین احمد صاحب ٹانڈوی جمیعۃ العلماء اور دار العلوم دیوبند کے صدر تھے جن کی سبب سے پہلی تالیف "الشہاب الثاقب علی المسترق الکاذب" ہے جن کو دیکھ کر ٹانڈوی صاحب کی آوارگی قلم کا پتا چلتا ہے مفتی سنبھل حضرت مولانا اجمل شاہ صاحب قبلہ نے "رد شہاب ثاقب" میں چھ سو چالیس گالیوں کی فہرست مرتب کی ہے جو جناب ٹانڈوی صاحب نے سیدنا امام احمد رضا فاضل بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان گرامی میں استعمال کی ہیں جن میں سے دس پانچ کا تذکرہ اس لئے کیا جاتا ہے کہ جناب ماہر القادری صاحب مدیر فاران' جناب روحی صاحب مولف آئینہ صداقت' تکفیری افسانے' مولف اور جناب اسعد صاحب اپنے گریبان میں منہ ڈال کر اپنے شیخ کی مشیخیت ملاحظہ فرمائیں۔

مجدد التکفیر' دھوکا باز' فریبی' مکار' مجدد التضلیل' دجال' بریلوی' افترا پرداز' دروغگو' بہتان تراش' دجال ناپاک' مجدد المفترین' شیطنت کا جال پھیلانے والا' روافض کے چھوٹے بھائی' اہل ہوا و بدع' ابلیس لعین کا شاگرد و عبد الدینار والدراہم' گمراہ بے دین' کج فہم' بے عقل' بے علم' بے شعور یا للعجب!!

ایک سو بیس صفحے کی "شہاب ثاقب" میں چھ سو چالیس گالیاں۔ اب اسی سے اہل نظر ٹانڈوی صاحب کی سنجیدگی یا ان کی ہذیان گوئی کا دعویٰ کر سکتے ہیں حالانکہ سیدنا امام احمد رضا خان فاضل بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذات گرامی وہ ہے جن کو علماء عرب و عجم نے نہ جانے کتنے عظیم المرتبت و رفیع الدرجات القابات و خطابات سے یاد کیا ہے جن میں سے دو چار کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

عالم جلیل' علامہ کامل' استاذ ماہر' دقائق کا خزانہ' روشن ستارہ' نادر روزگار' وحید عصر' یگانہ وقت' صدی کا مجدد' صاحب عدل' عالم با عمل' مرکز دائرۂ علوم' کریم النفس' اکابر علماء کی آنکھوں کی ٹھنڈک' صاحب تصانیف مشہورہ و رسائل کثیرہ' مستجاب و سنن' واجبات و فرائض پر محافظ' قلم کا بادشاہ' زبان کا دھنی' عاشق رسول' عرفان و معرفت والا' ولی کامل' عارف باللہ' قطب وقت' منبع علم' شریعت و طریقت کا سنگم وغیرہ وغیرہ۔ وہ اپنے فضائل و محاسن میں اتنے بلند ہیں کہ ان کے تلوے تک اپنے سر کی رسائی نہیں۔ امام محترم ہی کے ایک شعر پر اس عنوان کو ختم کئے دیتا ہوں ؎

ملک سخن کی شاہی تم کو رضا مسلم
جس سمت آگئے ہو سکے بٹھا دیئے ہیں

اس میں شبہ ہی کیا ہے جس عنوان پر قلم اٹھایا علم و فن کے دریا بہادیئے 'سیف قلم کی روانی کا یہ عالم کہ چن چن کے ایک ایک کا سر قلم کر لیا۔ کوئی سوچے تو سہی ایک طرف وہابیہ دیابنہ کی ٹڈی دل فوج بھکو تھی اور دوسری جانب ایک نحیف و ناتواں جو پیکر علم و ادب تھا بیک وقت فتاوی رشیدیہ 'تقویۃ الایمان' حفظ الایمان 'براہین قاطعہ جیسے مصنفین کا ناطقہ بند کر دیا جس سے ان کے چہروں پر اوس پڑگئی اور کتابوں کا بازار سرد پڑ گیا۔ یہ وہی امام احمد رضا ہیں جب ان کا پرچم اقبال لہرایا تو مشرق و مغرب 'شمال و جنوب کے اکابر و اعاظم نے خراج عقیدت پیش کیا آج بھی جس کا جی چاہے فتاوی افریقہ 'حسام الحرمین' فتاوی رضویہ جیسی بلند پایہ کتابوں کو دیکھ کر اپنا اطمینان حاصل کر لے ہمیں انہیں کے الفاظ میں آج بھی انہیں اس طرح یاد کرتے ہیں ۔

کیوں رضا آج گلی سونی ہے
اٹھ مرے دھوم مچانے والے

افسوس کا مقام ہے کہ وقت کی ایسی ممتاز شخصیت سے متعلق مولانا ٹانڈوی کے ایسے گندہ خیالات ہیں حالانکہ یہ وہی ٹانڈوی ہیں جن کے بارے میں ڈاکٹر اقبال کا کہنا ہے ۔

عجم ہنوز نہ داند رموز دیں ورنہ
ز دیو بند حسین احمد ایں چہ بوالعجبی ست

اور مولانا سید ابوالاعلی مودودی کی رائے یہ ہے۔

مسئلہ قومیت صفحہ ۶۳

"میں صاف کہتا ہوں کہ ان (مولوی حسین احمد) کے نزدیک کونسلوں اور اسمبلیوں کی شرکت کو ایک دن حرام اور دوسرے دن حلال کر دینا ایک کھیل بن گیا ہے اس لئے کہ ان کی تحلیل و تحریم حقیقت نفس الامری کے ادراک پر تو مبنی نہیں محض گاندھی جی کی جنبش لب کے ساتھ ان کا فتوی گردش کرتا ہے۔"

لگے ہاتھ دارالعلوم دیو بند کے مفتی کا ایک فتوی ملاحظہ کر لیجئے جو مولوی قاسم نانوتوی

سے متعلق ہے۔

"تجلی" فروری مارچ ۵۷ء صفحہ ۱۵

"اب ہم آپ کو یہ بتادیں کہ ماہنامہ "دارالعلوم" کے قلکاروں کو اگر جنیدؒ و غزالیؒ یا امام ابو حنیفہؒ کی بھی کسی عبارت کے متعلق غلطی سے یہ یقین ہو جائے کہ مولانا مودودی کی ہے تو اس کے مفہوم اور تعبیرات کو وہ الحاد و زندقہ اور خروج واعتزال کی حدوں سے ملانے کی سعی کریں گے اور خوش ہوں گے کہ قوم کی بڑی خدمت انجام دی ہے۔"

اب ذرا اس فتوے پر خیال فرمایئے جو مولانا محمد قاسم کی ایک عبارت کو مولانا مودودی کی تحریر سمجھ کر دو سال بعد مفتیان دارالعلوم دیوبند نے دیا اور اس کی پوری تفصیل نہ صرف "تجلی" اپریل ۵۶ء میں چھپی بلکہ "دعوت" دہلی اور بہت سے اخباروں میں چھپی اور مہتمم دارالعلوم کو ماننا پڑا کہ ہاں یہ فتویٰ ہمارے ہی مفتیوں نے دیا ہے۔ ذرا ایک بار پھر اس فتوے کے الفاظ مقدسہ ملاحظہ فرمالئے جائیں۔

"ایسے عقیدے والا کافر ہے (یعنی مولانا قاسم نانوتوی) جب تک تجدید ایمان اور تجدید نکاح نہ کرلے اس سے قطع تعلق کریں۔"

اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

اہل سنت کے مقابل کہاں تو یہ ڈھونگ رچایا جاتا ہے کہ کافر کو بھی کافر نہ کہو شاید مسلمان ہو جائے اور مشغلہ کافر سازی کا یہ عالم کہ بانی دارالعلوم دیوبند مولوی قاسم نانوتوی تک کو نہ چھوڑا' آخر ش انہیں کافر بناہی کرے۔ اب تحذیر الناس پر ہی رونا گیا۔

میں اس عارفانہ تجاہل کے صدقے
ہر ایک دل کو چھید امر ادل سمجھ کر

مولانا ناندوی سے متعلق مولانا ابو محمد امام الدین رام نگری کی رائے۔

تجلی فروری مارچ ۵۷ء، صفحہ ۵۵

"آج کل کی سیاست کا سنگ بنیاد پروپیگنڈہ ہے ایک زمانے سے موجودہ سیاست کے ساتھ حضرت مولانا مدنی کی وابستگی نے ان کے مزاج و مذاق کو بھی پروپیگنڈے کے

سانچے میں ڈھال دیا ہے۔"

تجلی فروری مارچ ۵۷، صفحہ ۶۳

'معاذ اللہ کتنے فتنہ انگیز تو ہمات ہیں کیا کسی ذمہ دار شخص کے قلم سے اتنے غیر ذمہ دارانہ اور خلاف حقیقت الفاظ نکل سکتے ہیں۔ اسی شر انگیزی اور افترا بازی کا نتیجہ ہے کہ حضرت مولانا مدنی اور اکابر دیو بند کے معتقدین متبعین جماعت اسلامی سے تعلق رکھنے والوں کو مسجد کی امامت اور مدرسوں کی مدرسی سے علیحدہ کر دیتے ہیں۔"

مولانا نانڈوی جن کو ان کے متوسلین بھی شر انگیز و فتنہ باز سمجھتے ہیں اگر انہوں نے سیدنا امام احمد رضا فاضل بریلوی کو چھ سو گالیاں دیں تو کیا مقام تعجب!

مولانا رام نگری کی نظر میں مولانا نانڈوی کم ظرف تھے۔

تجلی فروری مارچ ۵۷، صفحہ ۶۴

"لیکن مولانا مدنی نے مولانا مودودی کے اس حسن ظن کو تلبیس قرار دیا ہے جس کی نسبت اس کے سوا اور کیا عرض کیا جائے کہ ظرف ظرف کی بات ہے۔"

مولانا مودودی نے اپنے ظرف سے کام لیا اور مولانا مدنی نے اپنے ظرف سے

تجلی فروری مارچ ۵۷، صفحہ ۶۷

"مجھے بڑے رنج و افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ حضرت مولانا مدنی نے کسی مسئلے اور کسی معاملے میں بھی حقیقت پسندی اور ذمہ داری سے کام نہیں لیا ہے۔"

تجلی فروری مارچ ۵۷، صفحہ ۶۹

مولانا نانڈوی سے متعلق ایک شعر سنئے ؎

گورنمنٹ کی خیر یارو مناؤ
انا الحق کہو اور پھانسی نہ کھاؤ

تجلی فروری مارچ ۵۷، صفحہ ۶۹

"مولانا مودودی کا زیر بحث جواب ہو یا ہمارا یہ جائزہ دونوں کا مقصد حضرت مولانا مدنی کے بہتان و افترا کی تردید ہے۔ ہم میں سے کسی کا مشغلہ بھی کافر سازی نہیں ہے اس قسم کی مہم تو حضرت مولانا مدنی نے ہی چلا رکھی ہے۔"

اختتام گفتگو سے پہلے مناسب جانتا ہوں کہ "الشہاب الثاقب[1]" سے متعلق انہی کے گھر کا نظریہ پیش کر دیا جائے بلکہ مولانا ٹانڈوی کے ایک تمیذ رشید کی رائے جو دیوبند ہی کے فاضل ہیں اور ٹانڈوی صاحب کے مزاج آشنا ہیں۔

رد شہاب[2] ثاقب پر نقد و نظر کرتے ہوئے جناب عامر صاحب عثمانی کا نظریہ۔

تجلی فروری مارچ ۵۹ء

"مصنف نے شروع میں "شہاب ثاقب میں سے ۱۶۴۰ ایسے الفاظ کی فہرست دے دی ہے جو ان کے لفظوں میں موٹی موٹی گالیاں ہیں۔ واقعی مولانا مدنی نے اس کتاب میں جس طرح کے الفاظ استعمال فرمائے ہیں انہیں موٹی موٹی گالیاں نہ سہی 'مہذب گالیاں کہنا ضرور حق بجانب ہے"

عامر صاحب! اب کون آپ کو سمجھائے۔ مولانا مودودی اور جماعت اسلامی سے متعلق مولانا ٹانڈوی کے نرم و نازک جملے آپ نہ برداشت کر سکے "تجلی" کے صفحات کے صفحات سیاہ کر ڈالے۔ استاد شاگرد کا رشتہ و ناطہ ہونے کے باوجود انہیں آپ نے بیچ چوراہے کے ننگا کھڑا کر دیا اور سیدنا امام احمد رضا کے بارے میں ۱۶۴۰ ایسے پھوہڑ اور ناروا کلمات جن کے کہنے سے لکھنو کے مسخرے بھی شرمائیں وہ آپ کی نظر میں مہذب گالیاں ہیں اس کے سوا اور کیا کہا جائے ۔

نشان برگ گل تک بھی نہ چھوڑ اس باغ میں گلچیں
تری قسمت سے رزم آرائیاں ہیں باغبانوں میں

ہاں جناب عامر صاحب! ایک بات تو فرمایئے کہ "رد شہاب ثاقب" پر تبصرہ کرتے ہوئے آپ نے حضرت علامہ مولانا اجمل شاہ صاحب پر طعن و تشنیع کی ہے کہ "الشہاب الثاقب" کو مولانا ٹانڈوی کی معرکۃ الآراء کتاب کہنا درست نہیں ہے چنانچہ آپ کے الفاظ یہ ہیں۔

تجلی فروری مارچ ۵۹ء صفحہ ۷۹

"کتاب کی لوح پر حضرت مولانا حسین احمد رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "شہاب ثاقب"

---

[1] مولانا ٹانڈوی کی کتاب ہے [2] مفتی سنبھل مولانا اجمل شاہ کی کتاب جو شہاب ثاقب کے رد میں ہے

لطف جاناں دھیرے دھیرے آفت جاں ہو گیا
ابر رحمت اس طرح برسا کہ طوفاں ہو گیا

اس وقت میرے پیش نظر جناب قاری فخر الدین صاحب گیاوی کی "نذر عقیدت" نامی کتاب ہے جس کے تعارف میں مولانا سید مناظر احسن گیلانی کی ایک سطر ملاحظہ فرمائیں تاکہ اطمینان قلب حاصل رہے۔

نذر عقیدت صفحہ ۳

"آج آپ ہی کے ہاتھوں میں روح القدس کی تائید یافتہ شاعری کا ایک نمونہ پیش ہو رہا ہے"

اسی کتاب کا وہ شعر جو سرورق لایا گیا ہے ملاحظہ فرمائیں ۔

وہ مدینہ والے میرے دل کے مالک بن گئے
اک نبی اللہ کا اور اک ولی اللہ کا

اب تک تو پوری ملت اسلامیہ یہی جانتی اور سمجھتی رہی کہ "مدینہ والے" سے اشارہ مدنی تاجدار آقادو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف ہوتا ہے، لیکن اب اس میں بھی بٹوارہ ہو گیا کہ اس سے مراد سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں یا کھدر پوش اجودھیا باشی مولانا ٹانڈوی ہیں؟

توحید پرستی کے نشہ میں بے لگام شرابی کی طرح یہ کہہ گئے کہ "جس کا نام محمد یا علی ہے وہ کسی چیز کا مختار نہیں" اور پیر پرستی کا یہ عالم کہ مولانا ٹانڈوی دل کے مالک بن بیٹھے اور یہ الٹی منطق سمجھ میں نہ آئی کہ حضرت بلال جیسے عاشق رسول کو "حبشی" اور حضرت سلمان کو "فارسی" اور حضرت صہیب کو "رومی" کہا جائے لیکن اجودھیا باشی کو مدنی کہا جائے۔ ۔

حیراں ہوں دل کو روؤں کہ پیٹوں جگر کو میں
مقدور ہو تو ساتھ رکھوں نوحہ گر کو میں

نذر عقیدت صفحہ ۵ کی چند سطریں ملاحظہ فرمائیں۔

"یہ (یعنی مولانا ٹانڈوی) انسان ہے یا کوئی فرشتہ؟ نہیں نہیں میرا ضدی قلب اس کو بھی تسلیم کرنے پر آمادہ نہ ہوا کہ وہ انوار قدسیہ کا سرچشمہ فرشتہ ہو سکتا ہے۔"

(چند سطر بعد)

"تو پھر آخر وہ کیا ہے؟ کیا وہ انسان ہی ہے؟ اگر ہے تو ہوگا لیکن ہاں ہاں وہ ان انسانوں جیسا انسان تو نہیں ہے (اور یقیناً نہیں ہے) جنہیں عام طور پر آنکھیں دیکھتیں کان انکی بات سنتے اور دل ان کی صحبتوں سے تاثرات کے حصے حاصل کرتے رہتے ہیں۔"

(چند سطر بعد)

"زیادتی تفکر نے تحیر کو فراوانی بخشی اور بالآخر کسی فیصلے کی حد تک پہنچتے ہوئے قلب مضطر، عقیدت و محبت کی زنجیروں میں جکڑ گیا۔"

اب فیصلہ ناظرین کے ہاتھ ہے کہ جناب ٹانڈوی صاحب کے بارے میں گیاوی صاحب کوئی فیصلہ نہ کر سکے لیکن دارالعلوم دیوبند کے شیخ الحدیث سے لے کر چپراسی تک کا یہ آخری فیصلہ ہے کہ سید عالم محبوب کردگار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہمارے جیسے ایک بشر تھے، ایک معمولی بشر تھے یا محض بشر تھے وغیرہ وغیرہ۔ دیوبندی مکتبہ فکر کا ایک بے شعور بچہ جس کو پانجامہ باندھنے کی تمیز نہیں وہ برخوردار بھی یہ کہتے پھرتے ہیں کہ رسول اللہؐ تو ہمارے جیسے بشر تھے یا زیادہ سے زیادہ ایسے ہی جیسے "گاؤں کا چودھری" معاذ اللہ ثم معاذ اللہ۔ یہ ہے حضرات دیوبند کی ایک ناپاک ذہنیت۔ مگر مجھے اجازت دیں جناب گیاوی صاحب کہ جب ان کے پیر و مرشد مولانا ٹانڈوی خدا و نبی نہ تھے۔ انسان اور فرشتہ بھی نہیں تھے تو آخر ش تھے کیا؟ جن، دیو، بھوت وغیرہ وغیرہ۔ اس وقت عالم حیرانی میں کوئی فیصلہ نہ کر سکے تو اب بہ درستگی ہوش و حواس کوئی فیصلہ صادر فرمائیں۔

نذر عقیدت صفحہ ۲۹

میری بگڑی بنا دے کر دے میرا کام اے ساقی
قیامت تک نہ بھولوں گا میں تیرا نام اے ساقی

اس شعر میں مولانا ٹانڈوی سے بگڑی بنانے اور حاجت روائی کی درخواست ہے، البتہ درود تاج پڑھنا شرک ہے چونکہ اس میں رسول خدا سے حاجت روائی کی التجا ہے۔

نذر عقیدت صفحہ ۷

"میں بارہا بعض جسمانی امراض میں مبتلا ہوا اور شافی مطلق کے اس پیارے بندے (نانڈوی) کی صرف زیارت کر کے شفا کی دولت سے مالامال ہوا۔"

نذر عقیدت صفحہ ۷

حسب ذیل عبارت میں اقرار توسل کے ساتھ پیر پرستی کا تیور ملاحظہ کیجیے۔

"میں نے جس دعا میں بھی اس مظہر انوار خداوندی کا توسل کیا وہ دعا فرش سے چل کر یقیناً عرش تک پہنچی اور خلعت قبولیت کا اکتساب کر کے رہی تمہیں اس سے کیا! میں نے دیکھا اور بہت کچھ دیکھا تمہیں نظر نہ آیا تو چھوڑو! اللہ مجھے نہ چھیڑو!"

نہ چھیڑ اے نکہت باد بہاری راہ لگ اپنی
تجھے اٹکھیلیاں سوجھی ہیں ہم بیزار بیٹھے ہیں

نذر عقیدت صفحہ ۱۱

"تیرے (یعنی نانڈوی) کے قدموں سے لپٹ کر اپنی کامیابی کی سفارش کرانا چاہوں گا تیرے پیچھے پیچھے شافع محشر قاسم جام کوثر تک پہنچنے کی تمنا کروں گا۔"

(چند سطر بعد)

"تیری اونٰی سی توجہ بھی انشاء اللہ تعالیٰ میری نجات کے لئے کافی ہو کر رہے گی۔"

دیوبندی دھرم میں تو رسول خدا اپنی بیٹی فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے کام نہ آئیں گے بلکہ خود حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنا حال نہیں معلوم کہ ان کے ساتھ قیامت میں کیا معاملہ ہوگا مگر نانڈوی کی ادنیٰ سی توجہ گیاوی صاحب کی نجات کے لئے کافی ہے۔

نذر عقیدت صفحہ ۱۵

خدا تک میں رسائی چاہتا ہوں
وسیلہ ہے میرا وہ شیخ اعظم

نذر عقیدت صفحہ ۱۸

شفیع الوریٰ تک پہنچ جاؤں گا میں
پکڑ لوں گا جب حشر میں تیرا داماں

نذر عقیدت صفحہ ۱۹ ۔

علیؑ سے ملی تجھ کو مشکل کشائی
نہ کیوں مشکلیں پھر ہماری ہوں آساں

جب پیر کو مشکل کشا کہنے کو جی چاہا تو مولائے کائنات کی مشکل کشائی کا اقرار کیا۔

نذر عقیدت صفحہ ۲۳ ۔

تمہارے مرتبہ تک فکر کی پرواز کیا پہنچے
تو پھر میں کس طرح کہہ دوں کہ تم کیا ہو کہاں تم ہو

نذر عقیدت صفحہ ۲۵ ۔

ہمیں بھی گر توقع ہے تو کیا بے جا توقع ہے
کہ تاج و تخت لایا ہے ہمارا یوسف ثانی

اس میں سیدنا یوسف علیہ السلام سے موازنہ و مقابلہ ہے۔

نذر عقیدت صفحہ ۲۷ ۔

ہے یاد حق کا یہ باب اول کہ یاد محبوب حق ہو دل میں
وسیلہ اپنا نہ ہو جو کوئی تو خاک یاد خدا کریں گے
کریں گے اخذ فیوض اس سے وہ پاس ہو یا نہ ہو ہمارے
ہم اس کا نقشہ جما کے دل میں اب اس سے الفت کیا کریں گے

فیوض و برکات کے لینے میں قرب و بعد کا کوئی سوال نہیں۔

نذر عقیدت کے مندرجہ بالا چند اشعار سے ناظرین یہ فیصلہ کر سکتے ہیں کہ اپنے بزرگوں کے توسل میں حضرات دیوبند کو کس حد تک غلو ہے!

اب یہیں پر چند لمحے کے لئے مدیر فاران جناب ماہر القادری صاحب کی توجہ چاہتا ہوں ابھی کہ آنجناب نے فاران کا توحید نمبر شائع کیا جس میں شرک و بدعت اور وسیلہ کا رد کرتے ہوئے رقم طراز ہیں۔

فاران توحید نمبر صفحہ ۱۰

"انجابہ ہے کہ کسی قرآنی دعا میں "برحق فلاں" اور "بجاہ فلاں" یا یہ کہ یا اللہ! تو فلاں

نبی کے وسیلہ سے ہماری دعا قبول فرما تک نہیں ملتا۔"

جناب عامر صاحب! آپ کو علمائے موحدین (علمائے دیوبند) کے فضائل میں قصیدہ خوانی اور گل افشانی سے پہلے لازم تھا کہ بالاستیعاب نہ سہی تو جستہ جستہ ہی ان کے عقائد کا مطالعہ فرما لیتے۔ اگر آپ کو قرآن میں "بہ حق فلاں" "بجاہ فلاں" نہ مل سکا تو اپنے شیخ الاسلام کا شجرہ ہی اٹھا کر دیکھ لیتے۔

بنے ہم سنگدل مجبور ہو کر اس ستمگر سے
جواب آخر ہمیں دینا پڑا پتھر کا پتھر سے

شیخ الاسلام نمبر صفحہ ۷، ۱۹۵۵ء

"اللھم بجاہ قطب العالم سیدنا و مرشدنا مولانا سید حسین احمد مدنی و بجاہ رشید احمد گنگوہی و بجاہ حاجی امداد اللہ الخ" یہاں تک کہ انتالیسویں نمبر میں بجاہ امیر المومنین باب مدینۃ العلم سیدنا علی ابن ابی طالب اور چالیسویں مرتبہ میں بجاہ سید الانبیاء والمرسلین سیدنا و مولانا محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

اب آپ فرمائیں یہ بجاہ فلاں وہی ہے جو آپ کو آیات قرآنی میں نہ مل سکا یا یہ کچھ اور ہے؟ تعجب ہے کہ قرآن کی کسی آیت میں نبی اور رسول کے توسل کا کوئی اشارہ تک آپ نہ پا سکے۔ آپ ہی کے گھر میں قطب عالم و شیخ عالم کا وسیلہ ڈھونڈا جا رہا ہے۔

شیخ الاسلام نمبر صفحہ ۱۶۰ کا ایک اور حوالہ ملاحظہ فرمائیے۔

"مولانا قاسم نانوتوی کا شجرہ باعث برکت ہوتا ہے وہ شجرہ جو حضرت نانوتوی نے فارسی میں نظم فرمایا ہے خاص اثر رکھتا ہے۔"

ماہر صاحب! آپ ان پرانے کھلاڑیوں کے ابھی نئے ساتھی ہیں آپ کو خود بھی اندرون خانہ کی خبر نہیں، آپ ہم اہل سنت کو تو بدعتی اور قبر پجو کہتے ہیں فرمائیے مولانا قاسم نانوتوی کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے۔

ملاحظہ فرمائیے سوانح قاسمی جلد دوم صفحہ ۳۰ مرتبہ سید مناظر احسن گیلانی۔

"اپنے بزرگوں سے میں نے سنا ہے کہ کلیر شریف تشریف لے جاتے تو رڑکی سے پیدل ننگے پاؤں ہو لیتے اور شب کو روضہ میں داخل ہو کر کواڑ بند کر دیتے تھے اور

تمام رات حضرت صابر صاحب کے مزار پر تنہائی میں گزارتے۔"
فرمایئے یہ بھی قبر پرستی اور بدعت ہے یا اس کے سوا کچھ اور ہے۔

متاع دین و دانش لٹ گئی اللہ والوں کی
یہ کس کافر ادا کا غمزۂ خونریز ہے ساقی

اب شیخ الاسلام نمبر صفحہ ۱۸۱ کی چند سطریں ملاحظہ فرمائیں۔
"زائرین و معتقدین دور دراز مقامات سے آکر مسجد کے کونہ کونہ میں بھرے رہتے ہیں ظہر کی نماز کے بعد حضرت (ٹانڈوی) کا یہ معمول ہوتا کہ مصلی کے ارد گرد رکھے ہوئے پانی کی بوتلوں اور شیشیوں پر دم کرتے بعد ازاں لوگوں کی درخواستیں پڑھ کر ان کی حاجتیں دعا و تعویذ وغیرہ سے متعلق پوری کرتے۔"

ماہر صاحب! قرآن کی کسی آیت میں اس کا بھی ثبوت ہے یا نہیں؟ یا کم از کم معمولات نبوت یا خلفائے راشدین ہی کی زندگی سے اس کی کوئی مثال آپ دے سکتے ہیں یا نہیں؟ کبھی آپ نے غور فرمایا کہ جو دعا تعویذ دیوبند کی چہار دیواری میں شرک و بدعت ہے وہ سلہٹ پہنچ کر کیسے معمولات میں داخل ہو گئی؟ کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے چونکہ فاران توحید نمبر میں آپ نے علماء دیوبند کی تائید و حمایت کا ایک پارٹ ادا کیا ہے ہر فروعی مسئلہ کو آپ قرآن و سنت ہی کی زنجیر میں جکڑنا چاہتے ہیں چنانچہ میلاد' فاتحہ' عرس وغیرہ جیسے مسائل کے جواز میں آپ نے ہر جگہ قرآن و سنت ہی کا مطالبہ کیا ہے تو اسی مطالبے کا حق ہمیں بھی پہنچتا ہے اب اسی ضمن میں دو چار روایتیں آپ اور بھی ملاحظہ فرمائیں۔

"فرمایا (مولانا ٹانڈوی نے) چیچک کے لئے سورۂ رحمان نیلے دھاگے پر اس طرح پڑھے کہ ہر "فبای الاء ربکما تکذبن" پر ایک گرہ لگا کر دم کر دیا کرے اور بطور حفظ ماتقدم بچوں کے گلے میں ڈال لے ان شاء اللہ حفاظت رہے گی۔"

شیخ الاسلام نمبر صفحہ ۱۶۰ کالم نمبر ۱

"فرمایا نظر بد کے لئے سات مرچیں لے کر سات بار سورۂ فاتحہ پڑھ کر دم کر کے مریض کے سر کے گرد پھرا کر آگ میں ڈال دے۔"

۱؎ یعنی مولانا قاسم نانوتوی

ماہر صاحب! ابھی ان کے حوالہ جات کی بھی فکر آپ کو ہوئی ہے؟ نعرۂ رسالت کی ایجاد پر تو آپ چراغ پا ہیں اور نہ جانے کتنی جلی کٹی سنائی' آخر شریہاں پہنچ کر کیوں آپ کے منہ میں دہی جم گیا ہے؟ آخر شرڑکی سے ننگے پاؤں پیدل جانا' رات بھر دروازہ بند کر کے آستانہ کے اندر رہنا' اللہم کا بجاہ قطب عالم مولانا رشید احمد گنگوہی کا پڑھنا' سلہٹ پہنچ کر بوتلوں اور شیشوں پر دم کرنا' چیچک کے لئے نیلے دھاگے کا گنڈہ بنانا' نظر بند کے لئے سات دم کی ہوئی مرچوں کو آگ میں ڈالنا' یہ سب قرآن کی کس آیت کا ترجمہ ہے؟ یا قرآن صرف میلاد و قیام' عرس و فاتحہ کے لئے نازل ہوا ہے۔ آپ کے انصاف و دیانت سے میرا مطالبہ ہے کہ کسی مشن کے بنیادی و کلیدی ضابطے سے منہ موڑ کر بعض عوام کی سطحیات کو جھنڈا بنا کر نگر نگر پھرنا اور ان کی آڑ میں علماء و مشائخ کو طعنہ دینا کہاں تک درست ہے؟ علماء اہل سنت کا مطالبہ دیوبندی عوام سے نہیں ہے بلکہ ان کے سرخیل جماعت اور امیر کارواں سے ہے جن کی لغزش پر آپ بھی شکوہ سنج ہیں۔ ہو سکتا ہے آپ بھول بیٹھے ہوں مگر ہمیں تو یاد ہے لیجئے آپ ہی کی چیز آپ کے سامنے پیش کئے دیتا ہوں۔

بک گیا ہوں جنوں میں کیا کیا کچھ
کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی

فاران توحید نمبر صفحہ ۱۹

"ہاں یہ ضرور ہے کہ بعض موحدین علماء (علماء دیوبند) سے لفظوں میں بے احتیاطی ضرور ہو گئی ہے بات قرینہ اور خوب صورتی کیساتھ محتاط انداز میں کہنی چاہیے تھی"

(چند سطر بعد)

"مگر ساتھ ہی اس کا بھی ہمیں اعتراف ہے کہ لفظوں کی بے احتیاطی اور بد سلیقگی کے سبب خود ان کے مشن کو اس سے نقصان پہنچا ہے۔ مخالفین نے اس لفظی اونچ نیچ اور اظہار بیان کی بے اعتدالی کو نمک مرچ لگا کر عوام مسلمانوں کے سامنے پیش کیا اور ان کا یہ حربہ کامیاب رہا۔ تختۂ گل پر جو کیچڑ کے چھینٹے پڑ گئے تھے۔ فریق مخالف نے انہیں اتنا نمایاں کیا کہ جیسے یہ پھولوں کا تختہ نہیں بلکہ سارے کا سارا گھور اور تمام کا تمام مزبلہ ہے۔"

اپنے اداریے کی دوسری عبارت ملاحظہ فرمایئے۔

"اہل بدعت نے ان وہابیوں اور دیوبندیوں کی کتابوں کے بعض غیر محتاط جملوں اور غیر معتدل عبارتوں کا اس زور شور سے پروپیگنڈہ کیا ہے کہ اس تصویر کے تمام روشن اور تابناک پہلو عوام کی نگاہوں سے اوجھل ہو گئے ہیں۔"

کفر ٹوٹا خدا خدا کر کے

لائے اس بت کو التجا کر کے

مناسب ہوگا کہ یہیں پر اپنے رفیق قلم جناب عامر صاحب عثمانی کی بھی رائے ملاحظہ فرمالیں۔

"تجلی" فروری مارچ ۵۹ء صفحہ ۸۴

آں جناب "رد شہاب ثاقب" پر تبصرہ کرتے ہوئے رقم طراز ہیں۔

"الشہاب الثاقب کا انداز تحریر واقعی غیر محمود اور لائق اجتناب ہے بلکہ ہم وہابیوں کے اور بھی بزرگوں سے کہیں کہیں از راہ بشریت الفاظ و انداز کی ایسی لغزشیں ہو گئی ہیں کہ انہیں قابل اصلاح کہنا چاہیے۔"

جناب ماہر صاحب! آپ کی نگاہ میں علماء دیوبند غیر محتاط' بے قرینہ 'غیر معتدل اور بد سلیقہ ہیں اور جناب عامر صاحب کی نظر میں مولانا ٹانڈوی کا انداز غیر محمود' لائق اجتناب بلکہ تبرابازی اور سب وشتم مولانا ٹانڈوی کا دیرینہ وصف ہے 'ایسے ہی عامر صاحب کا کہنا ہے کہ ہم وہابیوں کے بزرگوں سے ایسی لغزشیں ہوئی ہیں جو قابل اصلاح ہیں۔

تقویۃ الایمان کی ایک عبارت سے متعلق جناب عامر صاحب کا کہنا ہے "کیسا خطرناک انداز بیان ہے کتنے لرزا دینے والے الفاظ ہیں۔"

تجلی فروری مارچ ۵۷ء صفحہ ٦٧

فاضل دیوبند مولانا سعید احمد اکبر آبادی کی رائے حسب ذیل ہے۔

برہان دہلی مارچ ۵۲ء صفحہ ۱۷۳

"اور بتایئے کہ العیاذ باللہ اس جملے کا حاصل یہ نہیں کہ اس معاملہ میں مولانا تھانوی کا مقام آں حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بھی اونچا ہے جو کام آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نہ کر سکے وہ مولانا تھانوی نے کر کے دکھایا۔"

برہان مارچ ۵۲ء صفحہ ۱۷۰

"نہایت افسوس اور بڑے شرم کی بات ہے کہ وہ موقع پر حبک الشی یعمی و یصم کے مطابق اس حد تک آگے بڑھ گئے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تنقیص کر بیٹھے ہیں۔"

اسی قسم کی چند در چند مثالیں پچھلے صفحات میں گزر چکی ہیں۔ مولانا ٹانڈوی سے متعلق مولانا رام نگری کی رائے گزر چکی۔ یعنی مولانا ٹانڈوی فتنہ پرور شرانگیز کم ظرف غیر ذمہ دار مفتری بہتان تراش کافر ساز اور بھی نہ جانے کیا کیا تھے!

"مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودی صاحب کی رائے ہے کہ مولانا حسین احمد کے فتوے قرآن و سنت کی روشنی میں نہیں ہوتے بلکہ گاندھی جی کی جنبش لب پر گردش کرتے ہیں۔ یہ ایک بڑی لمبی داستان ہے میں کہاں تک آپ کو سناؤں اور کب تک آپ سنیں گے۔ یہ چند مثالیں دے کر آپ کا انصاف چاہتا ہوں کہ آپ دوسروں کو چھوڑ دیجئے خود جو آپ کی نگاہ میں غیر محتاط بد سلیقہ و بے قرینہ ہے وہ آپ کے گلے کا ہار کیوں ہے؟ کبھی آپ نے یہ سوچنے کی زحمت گوارا فرمائی ہے کہ آپ کی یہ رائے اور پھر علماء دیوبند سے آپ کا گانٹھ سانٹھ دیکھ کر دنیا آپ کے بارے میں کیا رائے قائم کرے گی؟ اور ماہر صاحب ایچ پچ فرمایئے جو آپ کے حضور بے قرینہ بد سلیقہ ہو گیا اس سے بھی آپ کا یارانہ ہو سکتا ہے اگر نہیں تو ان لوگوں سے کیونکر رسم و راہ جو بارگاہ رسالت میں بد سلیقہ و بے قرینہ ہیں۔ کبھی ٹھنڈے دل سے سوچئے کیا آپ کی رائے اور آپ کا طرز عمل دیکھ کر آپ کے دل کا چور گرفت میں نہیں آتا؟؟ آخر تیں یہ کیا اندھیر ہے کہ اگر کسی کا قلم آپ یا آپ کی جماعت سے متعلق بہک جائے تو آپ آگ بگولہ ہو جائیں۔ سنجیدگی و متانت کے پیراہن میں آگ لگا کر لنگوٹ باندھے "ھل من مبارز" پکارا تھیں کیا صرف اس لئے کہ اس نے آپ یا آپ کی جماعت کو نشانہ بنایا جس کی زندہ مثال میں مولانا امین احسن اصلاحی "مولانا منظور نعمانی وغیرہ کا نام لیا جا سکتا ہے کتنا دلخراش و ایمان سوز مقام ہے کہ اپنے و اپنی جماعت سے متعلق آپ کسی کی بد سلیقگی کو برداشت نہ کر سکیں لیکن سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ کا مجرم و خطاکار یک لخت معاف کر دیا جائے۔

جب سر محشر وہ پوچھیں گے بلا کے سامنے
کیا جواب جرم دو گے تم خدا کے سامنے

جناب ماہر صاحب! یہ بڑی نازک بارگاہ ہے یہاں تو ہر قدم پھونک پھونک کر اٹھانا پڑتا ہے سچ کہا کہنے والے نے۔

"با خدا دیوانہ باش و با محمد ہوشیار"

اگر آپ اپنی جماعت اور اپنے متعلق کسی کا تیز و تند لب و لہجہ نہیں برداشت کر سکتے تو ٹھنڈے دل سے سوچئے کہ بارگاہ رسالت میں خطاشعاروں کا جرم کیونکر نظر انداز کیا جاسکتا ہے۔

یہ ایمان و عقیدے کا مسئلہ ہے اس لئے اس کو رسم و رواج اور باہمی رواداری کے ترازو میں تولنے کے بجائے ایمان و عقیدے کی کسوٹی پر پرکھنے کی کوشش کیجئے۔ اپنے ہی معتقدات کے پیش نظر مجھے معذور سمجھ کر میری جسارت کو معاف فرمائیے گا اگر دل کے کسی گوشے میں ایمان کا کوئی حصہ باقی رہ گیا ہو تو اپنا معاملہ اسی کی عدالت میں پیش کر دیجئے اور فیصلے کے بعد اپنے طرز عمل پر نظر ثانی کیجئے۔ اگر بار خاطر نہ ہو عارف باللہ مولانا آسی علیہ الرحمۃ کا ایک شعر سن لیجئے جو آداب نبوت سے متعلق ہے۔

اے پائے نظر ہوش میں آ کوئے نبی ہے
آنکھوں سے بھی چلنا تو یہاں بے ادبی ہے

ماہر صاحب! یہ وہی حضرت آسی علیہ الرحمۃ ہیں جن کے ایک شعر پر آپ نے توحید نمبر میں اور جناب نذیر احمد صاحب رحمانی نے "رد عقائد بدعیہ" میں بڑی لے دے مچائی ہے۔ رحمانی صاحب نے تو اصل شعر ہی میں کتر بیونت کر کے وہ ستم ڈھایا ہے جو انہی جیسے صاحب قلم کو زیب دیتا ہے۔ کیوں نہ ہو رحمانی صاحب غیر مقلد ٹھہرے اگر اصل شعر پیش کر دیتے تو تقلید کا الزام سر پر آجاتا ہے لیکن آئینے میں آپ کو آپ کے ایک نئے خدا کا پتہ دیتا ہوں اگر آئندہ بھی شرک نمبر کی اشاعت کا موقع ملے تو اپنے کھدر پوش خدا کو بھی اسی میں شمار کر لیجئے گا حوالہ دیکھئے اور سر دھنئے۔

شیخ الاسلام نمبر صفحہ ۵۹

"تم نے کبھی خدا کو بھی اپنے گلی کوچوں میں چلتے پھرتے دیکھا ہے؟ کبھی خدا کو بھی

اس کے عرش عظمت و جلال کے نیچے فانی انسانوں سے فروتنی کرتے دیکھا ہے؟ تم کبھی تصور بھی کر سکتے کہ رب العالمین اپنی کبریائیوں پر پردہ ڈال کر تمہارے گھروں میں بھی آکر رہے گا۔"

ماہر صاحب! اب آئندہ احتیاط سے کام لیجئے گا جس کو آپ نے شیخ الاسلام مولانا حسین احمد سمجھ رکھا ہے معاذ اللہ وُہی اللہ تعالیٰ ہے جو اپنی کبریائی پر پردہ ڈال کر اتر آیا ہے۔ آئندہ جب شرک نمبر میں آپ اپنے معبودوں کی فہرست مرتب کیجئے گا تو اس میں کھدر پوش خدا کو بھی شامل کر لیجئے گا میرے اپنے خیال میں اس حوالہ کو دیکھتے ہی آپ کے بغض و عناد کا نشہ ہرن ہو جائے گا۔

ماشاء اللہ آپ تو شاعر بھی ہیں۔ حضرت آسی علیہ الرحمۃ کے شعر میں آپ نے محض معنی حقیقی ہی سے کام لے کر گفتگو کی ہے۔ مجاز، تشبیہ، استعارہ، عموم مجاز وغیرہ کو اپنے قریب پھٹکنے نہیں دیا۔ آپ کے انصاف و دیانت سے یہی توقع ہے کہ شیخ الاسلام نمبر کی مندرجہ بالا عبارت میں بھی آپ محض معنی حقیقی سے کام لے کر اپنی دیانت کا ثبوت دیں گے۔ آپ نے تو خود ہی اپنے حق میں تاویل و توجیہ کے سارے دروازے بند کر لئے ہیں!

ماہر صاحب! ذرا ایک بات فرمائیے کیا آپ لوگوں کا خدا بھی کانگریسی ہے جس نے اپنی کبریائی پر کھدر کا پردہ ڈال لیا۔ اور یہ تو فرمائیے کہ منکر نکیر بھی کانگریسی ہیں کہ آپ کے شیخ الاسلام اس میت کی نماز جنازہ نہ پڑھاتے جس کا کفن کھدر کا نہ ہوتا تا کہ کھدر میں دیکھ کر منکر نکیر بھی اپنی جماعت کا ممبر سمجھیں۔ العیاذ باللہ من ذلک

حوالہ ملاحظہ کیجئے۔

شیخ الاسلام نمبر صفحہ ۲۵

"اگلے دن اپنے اسکول کے ساتھیوں میں یہ خبر سنی کہ مولانا (ٹانڈوی) نے ایک جنازے کی نماز کے وقت سخت ناراضگی کا اظہار کیا کیونکہ کفن کھدر کا نہیں تھا۔"

فرمائیے قرآن کی کس آیت یا سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی کس حدیث میں ہے کہ میت کا کفن کھدر ہی کا ہونا چاہیے۔ اسی کا نام ہے احداث فی الدین اپنے اداریہ میں ہر چند سطر بعد آپ نے اہل سنت کو بدعتی فرمایا۔ اب کہیے یہ آپ کے شیخ الاسلام کی بدعت

کیسی رہی؟ ۔

زاہد تنگ نظر نے مجھے کافر جانا
اور کافر یہ سمجھتا ہے مسلمان ہوں میں

قارئین نے حوالہ جات کے چند اشاروں سے علمائے دیوبند کی دھاندلی کا صحیح اندازہ کر لیا ہوگا کہ ایک ہی بات کو کہیں جائز کہنا اور کہیں ناجائز و بدعت، کہیں حلال و کہیں حرام کہنا یہ ان کے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے اسی ضمن میں چند حوالہ جات اور بھی ملاحظہ فرمائیں۔

شیخ الاسلام نمبر صفحہ ۷

"اور اکثر یہ بھی فرمایا کرتے تھے (یعنی مولانا نانڈوی) کہ ہمیں جو کچھ ملا اسی سلسلہ چشتیہ سے ملا، جس کا کھائے اسی کا گائے۔"

واہ رے دیدہ دلیری! انہیں جملوں کو ہم کہہ کر مشرک ہو جائیں اور آنجناب کہہ کر شیخ الزمین والآسمان بن جائیں۔

مکتوبات شیخ جلد دوم نمبر ۱۰۳ صفحہ ۲۷۲

"چودھری صاحب مرحوم نے حضرت مدنی کی مستعمل لاٹھی کی فرمائش کی تھی۔ لاٹھی سے اسی طرف اشارہ ہے بزرگوں کے تبرکات پر سلف صالحین کا عملدر آمد ہے۔"

نانڈوی صاحب کی مستعمل لاٹھی کو تبرکات میں شمار کرنے کے لئے سلف صالحین کا عملدر آمد ثبوت کے لئے کافی ہے لیکن عرس کے قیام کے لئے کتاب و سنت ہی سے ثبوت ملنا چاہیے۔

جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

شیخ الاسلام نمبر صفحہ ۱۰۸

"حضرت (نانڈوی) کی خواہش کے موافق اس تولیہ کی جس میں حضرت نے آخری حج بیت اللہ کا احرام باندھا تھا کفن کی قمیض بنائی گئی اور اس قمیض میں ان تبرکات کو جو حضرت کو جان سے زیادہ عزیز تھے قلب کی جانب پیوست کر کے کفنا دیا گیا۔"

اجمیر و کلیر، کچھوچھہ، بہرائچ، مارہرہ، کالپی، پھلواری، بہار، بدایوں، بریلی کے آستانہ جات میں بزرگوں کے تبرکات کی زیارت شرک و بدعت قرار پائے، غوث پاک کی عبا، محبوب الٰہی کی کلاہ، سیدہ خاتون جنت کی چادر، سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے موئے مبارک سے چڑنے والے نانوتوی کی لاٹھی کلیجے سے لگائے بیٹھے ہیں یہ اپنا اپنا نصیب اور اپنی اپنی تقدیر ہے۔

کسی کی قسمت میں لاٹھی ہے اور کسی کے نصیبے میں کلاہ کوئی ماہر صاحب سے یہ بھی دریافت کرے کہ تبرکات کو کفنانے کے لئے قرآن کی کس آیت سے سند جواز حاصل کیا گیا ہے؟ پھر تبرکات کو قبر میں طاقچہ بنا کر رکھنا چاہیے یا میت کے سینہ پر۔ حضرت شیخ گلے سڑے ہوں گے تو تبرکات کا کیا حشر ہوا ہوگا۔

اب جناب قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند کی قبر پرستی ملاحظہ کیجئے۔
شیخ الاسلام نمبر صفحہ ۱۴ کالم نمبر ۲

"جو مقبولیت زندگی میں تھی وہی موت کے بعد بھی رہی اور باقی ہے۔ مزار ہر وقت زیارت گاہ بنا رہتا ہے حتی کہ رات کو ایک ایک بجے بھی جانے والے گئے تو مزار پر لوگوں کو پایا اسی محبوبیت کا نتیجہ ہے۔"

گلہ جفائے وفا نما جو حرم کو اہل حرم سے ہے
کسی بتکدے میں بیاں کروں تو کہے صنم بھی ہری ہری

جناب قاری محمد طیب صاحب اسی دارالعلوم کے مہتمم ہیں جہاں مزارات کے ڈھانے کا درس دیا جاتا ہے مگر حضرت شیخ کے مزار پر ایک ایک بجے رات تک میلہ دیکھ کر باچھیں کھل گئیں اور یہی میلہ حضرت نانوتوی کی مقبولیت اور محبوبیت کی دلیل بن گیا اجمیر و کلیر اور دوسرے آستانہ جات پر تو تالے لگانے کی اسکیم ہے وہاں دھول اڑتے دیکھ کر کلیجہ ٹھنڈا ہو گیا حضرت نانوتوی کے یہاں میلہ لگا کر تسکین قلب کا سامان فراہم کیا جاتا ہے اگر قاری صاحب کو زحمت نہ ہو تو ایک حوالہ اور ملاحظہ فرمائیں۔
شیخ الاسلام نمبر صفحہ ۹۲ کالم نمبر ۳ از جناب منیر احمد صاحب تھانوی۔

"دوسرے دن حضرت[1] نے دن کا اکثر حصہ میرے ساتھ بسر کیا اور سہ پہر حضرت مولانا قاسم نانوتوی کی قبر پر لے گئے قبر کے ارد گرد اس وقت ایک دو بکریاں چر رہی تھیں۔"

اب قاری صاحب ہی فرمائیں کہ اگر حضرت شیخ کی قبر کا میلہ دلیل محبوبیت اور نشان قبولیت ہے تو مولوی قاسم نانوتوی کی قبر کے ارد گرد بکریوں کا چرنا یہ کس بات کی علامت و نشانی ہے؟ اور بکریوں ہی پر کیا موقوف گھوڑے گدھے ہر ایک جانور روندتے ہوں گے اسی مصلحت کے پیش نظر عمائد اہل سنت نے علماء، صلحاء، شہداء اور اولیاء کی قبروں پر گنبد وغیرہ بنا کر انہیں محفوظ کر کے ان کی عزت و حرمت کو برقرار رکھا ہے۔

ناظرین کے ذہن و فکر سے یہ بات اوجھل نہیں ہونی چاہیے کہ اس وقت میں ان شواہد کو پیش کر رہا ہوں کہ اجمیر و کلیر، بدایوں اور بریلی کے جو مراسم علماء دیوبند کی نظر میں شرک و بدعت ہیں۔ وہی مراسم ان کی چہار دیواریوں میں نہ صرف مباح و مستحسن بلکہ باعث فخر مباہات ہیں۔ اسی سلسلہ کی ایک اور جیتی جاگتی مثال ملاحظہ کیجئے اور کبھی دیوبندی علماء سے سابقہ پڑے تو خود انہیں کے آئینے میں ان کی تصویر دکھلا دیجئے۔

مکتوبات شیخ جلد دوم صفحہ ۳۳۶ (بقیہ حاشیہ مکتوب نمبر ۱۳۶)

"یہ خیال اس وقت سے پیدا ہوا جب سے مودودیت جو گنگوہ میں صورت فتنہ اختیار کئے ہوئے ہے کچھ تبادلہ خیالات اور کچھ ان کے اخبارات کا مطالعہ تردید اکیا گیا یہ لوگ (جماعت اسلامی والے) صحابہ تک کو متجاوز کہتے ہیں چنانچہ حضرت علی و ابن عمرو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو احیاء تبلیغ دین و متجاوز عن اعتدال کے الفاظ اختیار کئے ہیں نیز خود مسلک اعتدال میں فرماتے ہیں کہ میں نے اشخاص ماضی و حال کے بلا واسطہ دین کو کتاب و سنت سے سمجھا ہے نیز حضرت حاجی (امداد اللہ) علیہ الرحمۃ و مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ کے متعلق لکھتے ہیں کہ ان حضرات نے ابتداء زندگی میں تو اچھا کام کیا مگر آخر عمر میں ایسی مسموم غذا مسلمانوں کو دے گئے ہیں کہ آج تک مسلمان اس زہر سے محفوظ نہیں ہیں اور بھی تنقیدات تصوف پر

---

[1] یعنی مولانا ندوی

بہت کی ہیں۔ بعض اہل گنگوہ و دیگر بعض حضرات ابو سعید علیہ الرحمتہ کے مزار پر جانے سے روکتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ایک سنیاسی ہے جو پتھروں میں پڑا ہے اور یہ مشہور مقولہ ہے مودودیوں کا کہ دیوبند اور مظاہر العلوم میں قربانی کے مینڈھے تیار کئے جاتے ہیں اس وقت عرض کرنے کا مقصد یہ ہے کہ آیا ہم کھل کر ان لوگوں (مودودیوں) کو جواب دیں کیونکہ خاص کر گنگوہ سے واسطہ ہے۔

یہ ایک بہت ہی معنی خیز سوال ہے جو مولانا ٹانڈوی سے کیا گیا تھا۔ جناب شیخ کا جواب ملاحظہ فرمانے سے پہلے سوال کا تیور ملاحظہ کیجئے۔ گنگوہ کے مودودی حضرات حضرت ابو سعید علیہ الرحمتہ کے مزار پر جانے سے روکتے ہیں۔ اب چونکہ معاملہ گنگوہ کا ہے لہٰذا ہم مودودیوں کا مقابلہ کریں یا خاموش رہیں؟

اب معاملہ اجمیر و کلیر کا نہیں ہے بلکہ اپنی خانقاہ گنگوہ کا ہے۔ دنیا کی ہر خانقاہ سنسان و ویران ہو جائے مگر تھانہ بھون اور گنگوہ کی خانقاہ پر آنچ نہ آئے یہاں چہل پہل رہے ایک ایک بجے رات تک میلہ لگے خوب دھوم دھڑاکا رہے چادر گاگر عود و عنبر یہ سب گنگوہ و تھانہ بھون کے باہر شرک و بدعت ہیں۔ ان آستانہ جات پر پہنچ کر شرک و بدعت اور غیر اللہ کی پرستش کے فتاوے نذر آتش ہو جاتے ہیں۔

اب حضرت شیخ الزمین والآسمان کا جواب سنئے۔

مکتوبات شیخ جلد دوم صفحہ ۳۵۱

"جماعت اسلامی کے مولویوں کے مبلغ علم و تحقیق کی بے بسی علم و خرد کی کمی کا اس سے زبردست کوئی ثبوت نہیں ہو سکتا کہ ان نادانوں کو ابھی تک کوئی ثبوت نہیں ہو سکتا کہ ان نادانوں کو ابھی تک تعظیم و احترام اور بت پرستی میں کوئی فرق نظر نہیں آتا ہے حالانکہ تعظیم اور عبادت دو الگ الگ چیز ہیں۔ غیر اللہ کی تعظیم کلیتہً ممنوع نہیں البتہ غیر اللہ کی عبادت شرک جلی ہے۔"

کاش کوئی حضرت ناصح سے اتنا پوچھ لے
کون ہے وہ خود جو دیوانوں کو سمجھانے چلے

جماعت اسلامی کے بغض و عناد میں جناب ٹانڈوی ان کہی کہہ گئے۔

یہ بھی خوب رہی علماء اہلسنت کو قبر پجو اور بد عتی کہتے کہتے جناب ٹانڈوی کی زبان گھس گئی۔ ہر چند علماء اہل سنت نے سمجھایا کہ جناب والا عبادت و تعظیم میں بعد المشرقین ہے۔ ہم اہل سنت اولیاء اللہ کے مزارات پر قبر کی پرستش و عبادت کے لئے نہیں جاتے بلکہ ادبا تعظیما اکتساب فیوض و برکات کے لئے حاضر ہوتے ہیں۔ ہم صاحب قبر کو خدا یا خدا کا ہمسر نہیں جانتے انہیں اللہ کا برگزیدہ بندہ اور محبوب الٰہی سمجھ کر حاضر ہوتے ہیں۔ مگر جناب ٹانڈوی اور ان کے رفقاء و متبعین ایک نہ سنتے۔ جی نہیں آپ لوگ تو قبر پوجتے ہیں۔ لیکن جب گنگوہ کی جماعت اسلامی نے ناطقہ بند کر دیا تو جناب ٹانڈوی نے علماء اہل سنت ہی کے دامن میں پناہ لی اور مودودیوں کو وہی جواب دیا جو علماء اہل سنت کی طرف سے انہیں جواب ملتا تھا۔

اللہ رے خود ساختہ قانون کا نیرنگ
جو بات کہیں فخر وہی بات کہیں ننگ

جو بات گنگوہ کی خانقاہ میں بشکل ادب و احترام باعث فخر و سعادت ہے بعینہ وہی بات اجمیر و بہرائچ میں باعث ننگ ہے (اپنے ننگ اسلاف[1] ہونے کی لاج رکھ لی۔ ننگ اسلاف سے اور کیا توقع ہو سکتی ہے) اور محض جواب ہی پر بس نہیں بلکہ اپنے دیرینہ وصف یعنی جھگڑالو ہونے کی وجہ سے مودودیوں کے مبلغ علم و تحقیق کی بے بسی اور علم و خرد کی بے مایگی پر بھی چوٹ کس گئے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان غریبوں سے کبھی کی کوئی رسم و راہ نہیں۔

نہ رسم مہر سے واقف نہ آئین وفا جانے
بتا اے بے مروت رہنے والا تو کہاں کا ہے

اب تو جناب شیخ کے متبعین کو عقل و خرد سے کام لینا چاہئے دوسروں کو بدعتی و قبر پجو کہہ کر اپنے شیخ کے عقیدے و عمل کا مذاق نہ اڑائیں ورنہ آسمان کا تھوکا ------ ہو کر رہے گا۔

اسی ضمن میں ایک دوسرا حوالہ ملاحظہ کیجئے جو اسی سوال سے متعلق ہے۔

مکتوبات شیخ جلد دوم صفحہ ۳۵۳

"پس خلاصہ بحث یہ ہے کہ جو لوگ رسول خدا کے سوا پر تنقید روا رکھتے ہیں اور ان کی اتباع کو ذہنی غلامی بتانے اور ان کو معیار حق بتانے کی نفی کرتے ہیں بلکہ خدا کے

---

[1] مولانا ٹانڈوی اپنی دستخط میں اپنے کو ننگ اسلاف لکھا کرتے تھے اس کی تفصیل بحث جلد دوم میں ملاحظہ کیجئے

سوا احترام اور تعظیم کو بت پرستی کہتے ہیں۔ ایسے لوگ سخت گمراہی میں مبتلا ہیں اللہ تعالیٰ ان کو توبہ کی توفیق بخشے اور بے ادبی سے بچائے۔

خدا کی لاٹھی میں آواز نہیں ہوتی۔ یہ ہے اولیاء اللہ کی مار اپنی بارگاہ کے سر پھرے سے بھی کہلوا ہی کے چھوڑا کہ "غیر اللہ کی تعظیم اور آستانہ اولیاء کے زائرین کو بت پرست کہنے والا سخت گمراہی میں مبتلا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو توبہ کی توفیق بخشے اور بے ادبی سے بچائے۔"

اب اس کو تو جناب عامر کے مولوی اسعد سلمہ، جنہیں حضرت شیخ کے بجائے ان کے خلفاء نے شیخ کی طرف سے خلافت دے دی ہے۔ وہی بہتر بتا سکتے ہیں کہ خود جناب شیخ کو بھی توبہ کی توفیق ہوئی تھی یا نہیں مگر کم از کم شیخ کے متبعین کو تو اپنے خیالات فاسد و عقیدہ باطلہ سے توبہ کرنی ہی چاہیے جس کی صورت یہ ہوگی کہ کالی کوٹھڑی میں توبہ کرنے کے بجائے کس ولی کے آستانہ پر توبہ کی جائے۔

ستاروں کے آگے جہاں اور بھی ہیں

اسی مقام پر ایک اور روایت ملاحظہ کیجئے۔

شیخ الاسلام نمبر صفحہ ۳۴۳ کالم ۲ از جناب مولوی نجم الدین صاحب اصلاحی۔

بت کا فرا دا پردے سے باہر آنے والا ہے

"اور بعض اہل اللہ کی زندگی میں ہم کو حسینی تابش اور مدنی جھلک بھی نظر آئی اور ہم نے اس ذات مجسم الصفات کو اللہ کی دین سمجھ کر اس کے آستانہ کی خاک کو اپنے لئے کونین کی بہا اور دنیا و مافیہا کا خلاصہ سمجھا اور اس راہ میں کھونا ہی اگر پانا ہے تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ ہم اس کے دربار گہربار سے محروم نہیں رہے۔"

جسے چاہیں اسے حق مانتے ہیں
جسے چاہیں خطا گردانتے ہیں
مسلم اونٹ اور ہاتھی نگل کر
وہ بیٹھے مچھروں کو چھانتے ہیں

بغداد مقدس اور اجمیر معلّٰی کی خاک پر پاؤں تک نہ پڑے ورنہ شرک و بدعت کا قہر

تجلی فروری مارچ ۱۹۷۵ء صفحہ ۹۰ جن مریدین نے ان (شیخ) کی طرف سے انکے صاحبزادے کو خلافت تک تفویض فرمادی ہے

چاٹ پڑے گا لیکن آستانہ ٹانڈوی کی خاک دولت کونین اور خلاصہ کائنات ہے۔

تمہاری زلف میں پہنچی تو حسن کہلائی
وہ تیرگی جو مرے نامہ سیاہ میں ہے

یہ بوکھلاہٹ اور بدحواسی نہیں تو اور کیا ہے؟ جب انسان کی عقل کا دیوالیہ ہوتا ہے تو کچھ ایسے ہی ہانکا کرتا ہے آخرش کب تک انصاف ودیانت کا خون ہوتا رہے گا۔

ہٹ چھوڑیئے بس اب سر انصاف آیئے
انکار ہی رہے گا مری جان کب تک

آخری گزارش:۔ ناظرین کو اچھی طرح یاد ہوگا کہ میں نے "پیش لفظ" میں اس امر کا اظہار کردیا ہے کہ "خون کے آنسو" کے تمام حوالہ جات علماء دیوبند کی کتابوں سے دیئے جائیں گے چنانچہ اسی اہتمام سے میں نے اس کی ترتیب دی ہے اب جلد اول کو ختم کرتے ہوئے یہ گزارش ہے کہ ہر چند کوشش کرنے کے بعد پورے مضامین کو ایک جلد میں نہ پیش کرسکا جس کی وجہ اپنی عدم الفرصتی کے علاوہ بروقت کاتب کا نہ ملنا بھی ہے "جلد دوم" بالکل تیار ہے اس کی اشاعت میں محض اتنی تاخیر ہوگی کہ جلد اول سے متعلق احباب وناظرین کی رائیں حاصل کرلی جائیں تاکہ جلد دوم میں اس کا لحاظ رکھا جائے۔

جلد اول سے متعلق ہمیں آپ لوگوں کی رائے کا انتظار رہے گا "خون کے آنسو" کا یہ حصہ اگلے حصہ کے لئے تمہید ودیباچہ کی حیثیت رکھتا ہے ان شاء اللہ تعالیٰ جلد دوم کو بھی دیکھ کر آپ پکار اٹھیں گے کہ عقائد باطلہ کے پرخچے اڑگئے اور دیوبندیت نے خود اپنے ہاتھوں اپنی قبر بنائی ہے۔

یہ قصہ لطیف ابھی نا تمام ہے
جو کچھ بیاں ہوا ہے وہ آغاز باب تھا

اور اہل تحقیق پکار اٹھیں گے۔

مشاطہ رابگو کو در اسباب حسن "دوست"
چیزے فزوں کند کہ تماشا بما رسد

پروردگار عالم کی بارگاہ میں دعا ہے کہ وہ ہم سب کو اپنے پیارے حبیب علیہ الصلوٰۃ

والتسلیم کے وسیلے اور سرکار غوثیت مآب وسرکار غریب نواز رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے صدقے عقائد باطلہ سے محفوظ رکھے اور ایمان پر خاتمہ فرمائے۔ امین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم۔

ایک ضروری عرضداشت

کچھ نہ پوچھئے آج کے دور ابتلاو آزمائش میں علماء اہل سنت کتنی کٹھنائیوں اور دشواریوں سے گزر رہے ہیں' آسمان کے نیچے اور خدا کے بچھائے ہوئے اس فرش پر یہی وہ علماء اہل سنت ہیں جن کی راہ میں قدم قدم پر کانٹے بچھائے گئے ہیں۔ مگر یہ مردان خدا وقت کا ہر غم جھیلتے ہوئے آگے ہی بڑھے' انہیں اپنے سے زیادہ اپنی قوم کا احساس ہے اور عیش دنیا سے زیادہ عاقبت کی باز پرس کا خیال ہے۔

(۱) آج دیوبند کی چہار دیواری سے ہمارے خلاف یہ آواز اٹھائی جاتی ہے کہ ہم قبر پجوے اور بدعتی ہیں۔ اپنے طریق کار کے مطابق اپنی فطرت سے کچھ کہنے کے بجائے انہیں کے گھر کا ایک سوال وجواب حاضر کیا جاتا ہے۔

تجلی دیوبند' مئی ۶۱، صفحہ ۱۹

سوال ــــــــ از عبدالوحید' ضلع بہرائچ

الحمد للہ ناچیز نے جب سے ہوش سنبھالا دیوبند کا معتقد رہا ہے شرک و بدعت' میلاد و اعراس کے متعلق جو نظریہ علماء دیوبند کا ہے ناچیز بھی اس سے بالکل متفق ہے یہ سمجھ کر یہی نظریہ اسلام ہے کچھ عرصہ سے مولانا ابو الوفاء صاحب شاہجہانپوری اور محمد قاسم صاحب ناظم جمعیۃ العلماء یوپی وعظ کے سلسلہ سے عرس کے موقع پر درگاہ سید سالار مسعود غازی پر تشریف لاتے ہیں اور درگاہ میں جو عام لنگر جاری ہوتا ہے اس میں سے کھاتے ہیں اور ایک سو روپیہ نذرانہ وصول کرتے ہیں' رقم جو نذرانے کے طور پر لیتے ہیں اور جس سے لنگر پکتا ہے وہ سب چڑھاوے کی آمدنی ہوتی ہے جس کو ہم درست نہیں سمجھتے ہیں۔ امسال عرس کے موقع پر تو کمال ہی ہو گیا وہ یہ کہ مزار پر مولانا محمد قاسم صاحب خود چڑھاوا چڑھوا رہے تھے مولانا کا یہ رویہ دیکھ کر بہت سے لوگ جو مزارات پر چڑھاوا چڑھانے اور چڑھی ہوئی چیزوں کو

اپنے استعمال میں لانے کو برا سمجھنے لگے تھے اب تذبذب میں پڑ گئے ہیں کہتے ہیں جب ایک دیوبندی عالم مزار پر چڑھاوا چڑھواتا ہے اور چڑھی ہوئی رقم میں سے نذرانہ لیتا ہے تو ہمیں چڑھاوا چڑھانے اور چڑھی ہوئی چیزوں کے استعمال کرنے میں کیا حرج ہے یہ بھی واضح ہو کہ مزار پر چڑھی ہوئی چادر بھی مذکورہ بالا مولوی صاحبان برابر لے جاتے ہیں۔

الجواب ---------- تجلی دیوبند مئی ۶۱ء صفحہ ۱۹ کالم ۲

مولانا ابوالوفا اور مولانا محمد قاسم صاحبان واقعتہً دیوبندی مکتبہ فکر سے تعلق رکھتے ہیں یا نہیں ؟ اس میں ہمیں شک ہے لیکن واقعتہً اگر ان کا یہ دعویٰ ہے کہ وہ دیوبندی مسلک کے آدمی ہیں اور دوسرے لوگ بھی انہیں دیوبندی مسلک کا ہی ترجمان سمجھتے ہیں تو اچھی طرح سن لیجئے کہ دیوبندیت کسی نسل یا وطنی خصوصیت کا نام نہیں جو ایک بار چپکنے کے بعد مرتے دم تک چھٹنے ہی کا نام نہ لے قبوری بدعتوں کی حوصلہ افزائی عرسوں میں شرکت اور نذر و نیاز کے مذموم جھمیلوں سے تعلق خاطر کا گھناؤنا نظارہ دیکھنے کے بعد ہر عاقل و بالغ بلا تامل کہہ سکتا ہے کہ اگر یہ لوگ پہلے دیوبندی تھے تو اب نہیں رہے۔ دیوبند جس طرح طرز فکر کا نام ہے اس میں ان بدعات کی کوئی گنجائش نہیں کوئی شخص دیوبندیت کا دعویدار ہوتے ہوئے بھی اس طرز فکر کا عملی مظاہرہ کرتا ہے تو دو ہی باتیں ہو سکتی ہیں یا تو وہ صریحاً دھوکا دے رہا ہے یا وہ ابن الوقت ہے کہ گنگا گئے تو گنگا رام اور جمنا گئے تو جمنا داس!

نوٹ:

اتنی نہ بڑھا پاکی داماں کی حکایت
دامن کو ذرا دیکھ ذرا بند قبا دیکھ

یہ گنگا رام اور جمنا داس تو ہی ہیں جو دیوبندی مکتبہ فکر کے ترجمان کہلائے جاتے ہیں مگر ناظرین نے سوال و جواب پڑھ کر ان حضرات کے کیریکٹر کردار کا اندازہ کر لیا ہوگا کہ جس خانقاہ میں یہ گھسنے نہ پائیں تو وہاں کے جملہ مراسم پر شرک و بدعت کی چھاپ لگ گئیں اور جہاں سے سو روپیہ نذرانہ اور پگڑی کے لئے مزار کی چادر مل جائے وہاں کے مجاور بن بیٹھیں۔ کہیں تو یہ نعرہ ہے کہ قبر اکھاڑو مزار ڈھاؤ۔ اور کہیں یہ طرفہ تماشا کہ چادر چڑھاؤ نذرانہ لاؤ۔

۱؎ مولوی عبد الوفا صاحب ۲؎ مولوی محمد قاسم صاحب ناظم جمعیۃ العلماء یوپی

یہ ہیں دیوبندیوں کے سرخیل جماعت و امیر کارواں جن کے متعلق خود انہیں کے بھائی برادری کا کہنا ہے کہ ایسے لوگ مشکوک' دھوکا باز و ابن الوقت ہیں کہ گنگا گئے تو گنگارام اور جمنا گئے تو جمنا داس۔ اب کوئی حضرات دیوبند سے دریافت کرے کہ عرس جائز ہے یا ناجائز؟ تو شاید یہی جواب ملے گا کہ اجمیر و کلیر کا ناجائز ہے اور گنگوہ و برانچ کا عرس جائز۔

جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

(۲) اور دیوبند کا دوسرا فتنہ ہمارے خلاف یہ ہے کہ "سنی علماء" تو سب کو کافر بناتے ہیں اس سلسلہ میں بطور اختصار اتنی سی بات عرض کرنی ہے کہ یہ علماء اہل سنت پر سراسر الزام و بہتان ہے' وہ سب کو کافر نہیں کہتے' ہاں کافر کو کافر کہتے ہیں' اور کافر کو کافر کہنا قرآن و سنت کی روشنی میں درست ہے قرآن مجید میں مومن' مشرک' کافر' منافق ہر ایک کا تذکرہ ہے جو جیسا تھا اس کو ویسا ہی کہا گیا ہے۔ البتہ علماء دیوبند کی کافر گری کا یہ عالم ہے کہ رافضی' خارجی' ناصبی' معتزلی' قادیانی' جماعت اسلامی پر کفر و گمراہی کا فتویٰ دینے کے ساتھ ساتھ خود بانی دارالعلوم دیوبند مولوی محمد قاسم نانوتوی اور مولوی محمد اسماعیل دہلوی تک کو کافر' ملحد' زندیق اور نہ جانے کیا کیا کہہ ڈالا ہے۔ اب ان سے کوئی پوچھے کہ اس دنیا میں ان کے علاوہ کوئی مسلمان ہے بھی یا نہیں؟

دوسروں کی آنکھ میں تنکا دیکھنے والے کو اپنی آنکھ کا شہتیر نظر نہیں آتا۔

اے دوستو! جس طرح مسئلہ طلاق میں مفتی دیوبند کو یہ فتویٰ دینے کا اختیار ہے کہ زید کی بیوی کو طلاق مغلظہ واقع ہو گئی اور فتویٰ پانے کے بعد مستفتی ناچے کودے' شور و ہنگامہ پھیلائے تو ساری دنیا اس کا مذاق اڑائے گی کہ اے نادان اگر تو طلاق ہی نہ دیتا تو تجھ کو یہ فتویٰ کیوں دیا جاتا۔ ایسے ہی اگر حفظ الایمان' براہین قاطعہ' تحذیر الناس وغیرہ کی کفری عبادت پر علماء عرب و عجم نے ان کی تکفیر کی ہے تو ان علماء کے خلاف آفت اٹھانے کے بجائے انہیں اپنے گریبان میں منہ ڈال کر کبھی اپنی کتابوں کا مطالعہ کرنا چاہیے اگر وہ توہین رسالت نہ کرتے تو ان پر کوئی حکم ہی کیوں صادر کیا جاتا! فتویٰ دینے والے مجرم نہیں ہیں بلکہ ان کتابوں کے لکھنے والے مجرم و خطاکار ہیں۔

یہ واضح رہے کہ جس طرح دیوبند کی چہار دیواری میں عرس و فاتحہ' میلاد و قیام کی کوئی

گنجائش نہیں ہے ایسے ہی سنی نکتہ فکر پر استخفاف نبوت واہانت رسالت کی پرچھائیں تک نہیں پڑ سکتی۔ اگر آپ کو یہ جرم گوارا ہے تو اس کا انتظار کیجئے جب کہ مرنے کے بعد قبر میں نکیرین سوال کریں گے۔ "ما تقول فی الرجل" ان کے بارے میں کیا کہتے ہو؟ تو کیا آپ حضرات وہاں بھی یہی جواب دیں گے کہ ہمارے بڑے بھیا ہیں۔ ہمارے ہی جیسے معمولی بشر ہیں گاؤں کے چودھری ہیں ذرہ ناچیز سے کمتر ہیں وغیرہ وغیرہ۔

العیاذ باللہ من ذالك اور کیا یہ جواب دے کر عذاب قبر سے آپ کو چھٹکارا حاصل ہو گا؟ وَاتَّقُوْا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ۔

پھول کی پتی سے کٹ سکتا ہے ہیرے کا جگر
مرد ناداں پر کلامِ نرم و نازک بے اثر

بعونہ تعالیٰ جلد اول ختم ہوئی

خون کے آنسو

جلد دوم

خون کے آنسو

پر

حضرت مفتی اعظم ہند کا اظہار مسرت اور عطیہ

فخر اماثل حضرت مولانا سید برہان الحق صاحب مفتی جبلپور کی دعوت پر شاہزادہ اعلیٰ حضرت آقا نعمت حضرت مفتی اعظم ہند ادام اللہ فیوضہم برکاتہم العالیہ جبل پور تشریف لے جاتے ہوئے کل مورخہ ۱۳؍اگست ۶۱ء دفتر پاسبان میں تشریف لائے۔ مولانا انوار احمد نظامی نے جنہیں حضرت مفتی اعظم ہند سے شرف بیعت حاصل ہے حضرت کی خدمت گرامی میں "خون کے آنسو" کا ایک مجلد نسخہ بطور نذرانہ عقیدت پیش کیا اور اس کے کچھ مضامین سنائے۔ جس کو سن کر حضرت نے فرمایا مشتاق نے اس کتاب کی ترتیب میں بڑی محنت اور کاوش کی ہے اور انتہائی بہجت و مسرت کی حالت میں مسکراتے ہوئے ارشاد فرمایا اس کو "خون کے آنسو" کہا جائے یا "خوشی کے آنسو" اس کے بعد اپنی جیب خاص سے پچیس روپے دیتے ہوئے یہ فرمایا کہ اس کو جلد دوم کی اشاعت میں میری طرف سے شامل کر لیا جائے۔ کسی بھی کتاب پر حضرت مفتی اعظم ہند کا اظہار مسرت اس کی صحت و سند کی روشن دلیل ہے۔ یہ سرکار کا کرم و خورداں نوازی ہے ورنہ "من آنم کہ من دانم" رب کریم حضرت کے ظل عاطفت کو ہم پر دار فرمائے آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

اسیر حبیب
مشتاق احمد نظامی
یکم ربیع الاول شریف
مطابق ۱۴؍اگست ۱۹۶۱ء

شرف انتساب

عہد حاضر کا وہ ممتاز رہنما جس نے اپنے فضل و کمال پر درویشی کی چادر ڈال رکھی ہے اور سچ تو یہ ہے اس کی سادگی پر زینت و آرائش کی ہزاروں رعنائیاں قربان ہیں جس کے سینے میں قوم مسلم کا صحیح درد یعنی تڑپ ہے جو ابھی چند برس ہوئے مسلمانوں کو آبرو مندانہ زندگی دلانے کے لئے پندرہ مہینے کی قید بامشقت سے رہا ہوا ہے جو بیک وقت علم ظاہر و باطن کا ایسا سنگم ہے جہاں پر ہر ایک تشنہ لب کو سیرابی آسودگی کی دولت گراں مایہ ملتی ہے جس کی آغوش تربیت نے مجھے سنبھالا اور مجھ ذرۂ ناچیز کو اپنی غلامی کا شرف بخشا جس کے قدموں پر میری متاع زندگی نچھاور ہے۔ میں اپنی کاوش ذہنی کو اسی ذات گرامی کی طرف منسوب کرتے ہوئے فخر و سعادت محسوس کرتا ہوں یعنی مرشد برحق استاد محترم مجاہد ملت حضرت مولانا الحاج محمد حبیب الرحمان صاحب قبلہ سرپرست ماہنامہ پاسبان الہ آباد۔

اسیر حبیب
مشتاق احمد نظامی
یکم ربیع الاول شریف
مطابق ۱۴؍ اگست ۱۹۶۱ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ؕ

مقدمہ

مری تقریر طبع یار کو بے چین کرتی ہے
سبب کیا ہے وہی کہتا ہوں جو دل پہ گزرتی ہے

یہ سن کر آپ کو حیرت ہوگی کہ "خون کے آنسو" کا پہلا ایڈیشن صرف ڈیڑھ ماہ کے ایک مختصر سے وقفے میں ختم ہوگیا۔ ابھی بہت سے بزرگوں اور دوستوں کو دفتر کی طرف سے اعزازی نسخہ بھی نہیں بھیجا گیا تھا کہ ہمیں ان سے معذرت کرنا پڑی۔

اب دوسرے ایڈیشن کے لئے کاپی پریس جاچکی ہے ' کتاب کی مانگ اور آرڈر کی بھرمار سے ہم یہ فیصلہ نہ کرسکے کہ فوری طور پر ابھی ہمیں اس کے کتنے ایڈیشن نکالنے پڑیں گے یہ جو کچھ بھی ہے اس خداوقدیر کی بے پایاں رحمتوں کا نتیجہ ہے کہ اس نے اپنے ایک عاجز بندے سے ایسا کام لیا ہے جو ہر طبقے میں بہ نظر قبول دیکھا گیا۔ میرے احساس و شعور کے کسی گوشے میں بھی یہ جذبہ پندار کار فرما نہیں کہ میں نے کوئی نمایاں کام انجام دیا ہے علماء دیوبند کی جن ڈھکی چھپی باتوں کو میں نے آشکارا کیا ہے وہ کچھ اختراعی و من گھڑت کہانی نہیں ہے بلکہ چند حقائق پر کچھ پردے پڑے تھے جس حجاب کو میں نے پوری جرات و دیانت سے الٹ دیا۔ اب اس دریچے سے جھانک کر آپ ان کی تصویر ہی نہیں بلکہ نیت وارادے کا بھی پتہ لگا سکتے ہیں۔ دیوبند کی جن روایات و واقعات کو میں نے سپرد قلم کیا ہے اب وہ باتیں صیغہ راز میں نہ تھیں بلکہ انہیں چھپا کے اب ان کے لئے بھی جینا آسان نہ تھا۔

کیا اچھا جنہوں نے دار پر منصور کو کھینچا
کہ خود منصور کو مشکل تھا جینا راز داں ہو کر

"خون کے آنسو" کی اشاعت پر آج جن لوگوں کو مجھ سے شکایت ہے انہیں سنجیدگی سے یہ غور کرنا چاہیے کہ وہ اپنی راہ میں کس حد تک حق بجانب ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ میں نے

کام اپنا نہیں بلکہ ان کا کیا ہے اساطین واکابر دیوبند کے جو محاسن و فضائل ہزاروں صفحات پر پھیلے ہوئے تھے میں نے پوری دیدہ ریزی سے ان کے باغیچہ کی ایک ایک کلی اور پھول کو یکجا کیا ہے اور ایک گلدستہ کی شکل میں ان کے روبرو پیش کر دیا ہے اب اس کو کیا کیجئے کہ وہ جس کلی اور پھول کو موگرا، موتیا، نرگس اور یاسمین سمجھ بیٹھے تھے وہ مدار اور دھتورا نکلے۔ میں نے تو یہ سوچ کر قلم اٹھایا تھا

کون کھولے گا ترے دل کی گرہ بعد مرے
کون سلجھائے گا الجھا ہوا گیسو تیرا

مگر اس کے باوجود نہ جانے کیوں مزاج یار برہم ہے۔

علمائے دیوبند کی ایک عام شکایت ہے کہ ہمارے مقابل علماء اہل سنت کی تقریر و تحریر لب و لہجہ انتہائی تند و تیز ناخوشگوار ہوتا ہے۔ میں نے جلد اول میں ان کی اس دھاندلی پر بھی روشنی ڈالی ہے کہ یہ محض ان کا افتراء اور بہتان ہے جس کی شہادت میں "الشہاب الثاقب" مصنفہ مولوی حسین احمد صاحب کے انداز تحریر کا حوالہ دیا گیا ہے جس میں انہوں نے مقتداء اہل سنت سیدنا امام احمد رضا فاضل بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو چھ سو چالیس گالیاں دی ہیں ان حوالہ جات کے بعد بھی میرا قلم قابو سے باہر نہیں ہوا بلکہ حضرات دیوبند سے اتنی ہی گزارش کی ہے۔

رندان مے پرست سیاہ مست ہی سہی
اے شیخ گفتگو تو شریفانہ چاہیے

گو ہم آپ کی نظر میں عرس و میلاد والے سہی مگر بات تو شریفوں جیسی ہونی چاہیے۔

"خون کے آنسو" جلد اول کا جو مطالعہ کر چکے ہیں انہیں اس امر کا بخوبی احساس ہو گا کہ میں نے کوئی بات اپنی طرف سے نہیں کہی اور میرے اپنے خیال میں کتاب کے اس انداز فکر و تحریر نے ہر دماغ کو اپیل کرنے میں بڑی حد تک کامیابی حاصل کی ہے اب آپ کے سامنے جلد دوم حاضر ہے اس میں بھی اسی اہتمام کا من و عن لحاظ رکھا گیا ہے اپنی طرف سے کچھ کہنے کی بجائے انہیں کی باتیں پیش کر کے معاملہ عوام کی عدالت میں پیش کر دیا گیا ہے۔

علماء دیوبند کی رسول دشمنی اور اپنے بزرگوں کے ساتھ ان کے والہانہ عشق و محبت کی

تصویر کشی کے بعد میں نے اتنا ہی اشارہ کیا ہے کہ۔

ابلیس ہو' سقراط ہو' سرمد ہو کہ منصور
خود آگہی ہر حال میں گردن زونی ہے

میں نے انہیں کی کتابوں سے ان کے غلط پندار کا ایک تفصیلی خاکہ حاضر کیا ہے جس میں رنگ و روغن کے لئے بریلی یا بدایوں سے کچھ لینے کی بجائے تھانہ بھون' نانوتہ' گنگوہ' دیوبند ہی سے سارا میٹریل حاصل کیا گیا ہے جس پر آج پوری دنیا دیوبندیت انگشت بدنداں ہے

کتاب دہر میں ایک باب حیرت ہے مری ہستی
مجھے دیکھو میں بیٹھا ہوں تمہاری داستاں ہو کر

"خون کے آنسو" جلد اول مولوی حسین احمد صاحب کے ایک ناتمام تذکرے پر ختم کر دی گئی ہے کتاب کے تسلسل کو باقی رکھتے ہوئے جلد دوم کی ابتدا صدر دیوبند ہی سے کی جائے گی۔ پھر اس کے بعد ان کی کتابوں کے مختلف حوالہ جات سے دیوبندی عقائد پر سیر حاصل گفتگو ہو گی۔ مجھے وہم و گمان بھی نہ تھا کہ جلد دوم کی اشاعت کی اس قدر جلد باری آجائے گی۔ چنانچہ میں جلد اول کی اشاعت کے بعد "معیار حق" اور "امام احمد رضا" کی ترتیب و تدوین میں لگ گیا تھا۔ مگر تقاضے کے خطوط نے مجھے اس قدر جھنجھوڑا کہ "معیار حق" اور "امام احمد رضا" کا کام ادھورا چھوڑ کر "خون کے آنسو" جلد دوم کی ترتیب میں لگ جانا پڑا۔ اب پوری کتاب کا مطالعہ کر کے ناظرین ہی انصاف فرمائیں کہ بقول حضرات دیوبند ہم سنیوں نے انہیں بدنام کیا یا کہ خود ان کی آوارگی قلم نے انہیں تباہ کیا کہنے والے نے کتنے پتے کی بات کہی۔

آپ کہتے ہیں کیا ہم کو غیروں نے تباہ
بندہ پرور یہ کہیں اپنوں کا ہی کام نہ ہو

مقدمہ:- میں اس امر کی وضاحت بھی ضروری جانتا ہوں کہ مطالعہ سے پہلے یہ بات ذہن نشین کر لی جائے کہ ایمان و عقیدے کی بنیاد پر آج دو الگ الگ اسکول ہیں۔ دیوبند اور بریلی اور ان دونوں کا کہنا ہے کہ حق و صداقت ہمارے ساتھ ہے۔ آپ کو "خون کے آنسو" کے

صفحات پر یہی تلاش کرنا ہے کہ واقعتہً حق پر کون ہے اگر چہ اس کتاب میں تصویر کا ایک ہی رخ صراحتہً پیش کیا گیا ہے یعنی علماء دیوبند کی رسول دشمنی، تضاد بیانی، حقائق سے منہ موڑ کر ہٹ دھرمی اور کٹ حجتی وغیرہ وغیرہ لیکن دیوبندی عقائد پر گفتگو کرتے ہوئے بریلوی عقائد کی طرف از خود کچھ اشارے ہو ہی جاتے ہیں جس کی تہہ تک پہنچنا یہ آپ کی کاوش فکر کا کام ہے۔

مثلاً بطور تقابل اور موازنہ اگر یہ بات کہی جائے کہ علماء دیوبند کے حسب ذیل عقائد ہیں۔

(۱) علماء دیوبند خداوند قدوس کے علاوہ اپنے پیشوا مولوی رشید احمد گنگوہی کو بھی مربی خلائق کہتے ہیں۔

حوالہ: مرثیہ رشید احمد گنگوہی مصنفہ مولوی محمود الحسن صفحہ ۱۲

"خدا ان کا مربی وہ مربی تھے خلائق کے
مرے مولا مرے ہادی تھے بیشک شیخ ربانی"

(۲) علماء دیوبند کا عقیدہ ہے کہ حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام تو صرف مردوں کو زندہ کر سکتے تھے مگر مولانا رشید احمد گنگوہی مردوں کو زندہ کرتے اور زندوں کو مرنے نہ دیتے۔

نوٹ: حالانکہ آں بدولت خود مر گئے۔

حوالہ: مرثیہ رشید احمد گنگوہی صفحہ ۳۲

"مردوں کو زندہ کیا زندہ کو مرنے نہ دیا
اس مسیحائی کو دیکھیں ذری ابن مریم"

(۳) علماء دیوبند کے نزدیک مولوی رشید احمد گنگوہی کا کالا کلوٹا غلام یوسف ثانی تھا۔

حوالہ: مرثیہ رشید احمد گنگوہی صفحہ ۱۱

"قبولیت اسے کہتے ہیں مقبول ایسے ہوتے ہیں
عبید سود کا ان کے لقب ہے یوسف ثانی"

نوٹ: جب مولانا رشید احمد گنگوہی کا کلوٹا غلام یوسف ثانی تھا تو پھر گنگوہی صاحب کے

گورے چٹے چہیتے پیارے مولوی قاسم نانوتوی جن کو گنگوہی صاحب خانقاہ گنگوہ میں ایک چارپائی پر لے کر لیٹتے ان کا کیا مرتبہ تھا؟ (اس کا حوالہ جلد اول میں گزر چکا ہے)

(۴) علماء دیوبند کے نزدیک عارفان باللہ خانہ کعبہ میں پہنچ کر گنگوہ کو تلاش کرتے ہیں۔

حوالہ: مرثیہ رشید احمد گنگوہی صفحہ ۱۳

"پھرے تھے کعبہ میں بھی پوچھتے گنگوہ کا رستہ
جو رکھتے اپنے سینے میں تھے ذوق و شوق عرفانی"

(۵) علماء دیوبند کا عقیدہ ہے کہ دین و دنیا کے حاجت روا مولانا گنگوہی ہیں۔

حوالہ: مرثیہ صفحہ ۱۰

"حوائج دین و دنیا کے کہاں لے جائیں ہم یارب!
گیا وہ قبلہ حاجات روحانی و جسمانی"

نوٹ: رسول کریم، مولا علی، سرکار حسین، غوث اعظم، غریب نواز کو حاجت روا سمجھنا دیوبندی عقیدے کی بنا پر شرک ہے۔ چونکہ غیر اللہ سے مدد مانگی گئی۔

(۶) علماء دیوبند کے نزدیک مولانا گنگوہی سارے عالم کے مخدوم ہیں اور پوری کائنات ان کی فرماں بردار ہے۔

حوالہ: مرثیہ رشید احمد گنگوہی ٹائٹل پیج کی عبارت:

"مخدوم الکل مطاع العالم جناب مولانا رشید احمد گنگوہی۔"

(۷) علماء دیوبند کے نزدیک مولانا گنگوہی کا حکم قضائے مبرم ہے جو حکم کبھی ٹل نہیں سکتا۔

حوالہ: مرثیہ صفحہ ۸

نہ رکا پر نہ رکا پر نہ رکا
اس کا جو حکم تھا، سیف قضائے مبرم

نوٹ: معلوم نہیں اس اردو سے لکھنو اس کو اتفاق ہے یا نہیں؟ ہمیں تو اس وقت ان کے چند عقائد کی طرف اشارہ کرنا ہے۔

(۸) علماء دیوبند کے نزدیک مولانا رشید احمد گنگوہی، صدیق اکبر اور فاروق اعظم دونوں ہی تھے۔

حوالہ: مرثیہ گنگوہی صفحہ ۱۲

"وہ تھے صدیق اور فاروق پھر کہیے عجب کیا ہے
شہادت نے تہجد میں قدمبوسی کی گر ٹھانی"

(۹) دیوبندی عقیدے میں سیدنا امام عالی مقام سرکار حسین کا مرثیہ جلا دینا چاہیے۔

حوالہ: فتاویٰ رشیدیہ حصہ سوم صفحہ ۱۰۳

"ان کا جلا دینا یا زمین میں دفن کر دینا ضروری ہے۔"

نوٹ: مولانا گنگوہی کا مرثیہ لکھا جائے، چھاپا جائے، پڑھا جائے، فروخت کیا جائے، یہ سب درست ہے مگر سرکار حسین کا مرثیہ جلا دینا ضروری ہے۔

(۱۰) علماء دیوبند کے نزدیک صحیح روایت کے ساتھ بھی محرم میں ذکر شہادت امام حسین درست نہیں ہے۔

حوالہ: فتاویٰ رشیدیہ حصہ سوم صفحہ ۱۱۴

"محرم میں ذکر شہادت حسنین علیہما السلام کرنا اگرچہ بروایت صحیحہ ہو یا سبیل لگانا شربت پلانا چندہ سبیل اور شربت میں دینا یا دودھ پلانا نادرست اور تشبہ روافض کی وجہ سے حرام ہے۔"

(۱۱) علماء دیوبند کے نزدیک محرم کا شربت دودھ وغیرہ تو حرام ہے مگر ہندوؤں کے تیوہار ہولی یا دیوالی وغیرہ میں ہندوؤں سے پوڑی وغیرہ لینا اور کھانا درست ہے۔

حوالہ: فتاویٰ رشیدیہ حصہ دوم صفحہ ۱۰۷

"ہندو تیوہار ہولی یا دیوالی میں اپنے استاد یا حاکم یا نوکر کو کھیلیں یا پوری یا اور کچھ کھانا بطور تحفہ بھیجتے ہیں ان چیزوں کا لینا اور کھانا استاد و حاکم و نوکر مسلمان کو درست ہے یا نہیں؟

الجواب: درست ہے۔

(۱۲) علماء دیوبند کا عقیدہ ہے کہ صحابہ کرام کو کافر کہنے والا اہل سنت و جماعت سے

خارج ہو گا۔

حوالہ: فتاویٰ رشیدیہ حصہ دوم صفحہ ۱۱

"جو شخص صحابہ کرام میں سے کسی کی تکفیر کرے وہ ملعون ہے۔ ایسے شخص کو امام مسجد بنانا حرام ہے اور وہ اپنے اس کبیرہ کے سبب سنت جماعت سے خارج نہ ہو گا۔"

(۱۳) علماء دیوبند کے نزدیک مجلس میلاد شریف اگرچہ بغیر قیام کے ہو اور یہ روایت صحیح ہو تب بھی ناجائز ہے۔

حوالہ: فتاویٰ رشیدیہ حصہ دوم صفحہ ۸۳

"انعقاد مجلس میلاد بدون قیام بروایت صحیح درست ہے یا نہیں؟

الجواب: انعقاد مجلس مولود ہر حال میں ناجائز ہے۔"

نوٹ: باوجود مولانا گنگوہی کے پیر و مرشد حاجی امداد اللہ مہاجر مکی ہر سال میلاد شریف کرتے اور قیام میں لذت محسوس کرتے۔ "فیصلہ ہفت مسئلہ "البتہ مولانا تھانوی کے نزدیک دنیاوی منفعت کے پیش نظر محض میلاد شریف میں شریک ہونا درست ہے۔ (جلد اول میں حوالہ گزر چکا ہے)

(۱۴) علماء دیوبند کے نزدیک بستیوں میں پھرنے اور نجاست کھانے والا کوا کھانا درست اور ثواب ہے۔

حوالہ: فتاویٰ رشیدیہ حصہ دوم صفحہ ۱۴۵

سوال: جس جگہ زاغ معروفہ کو اکثر حرام جانتے ہوں اور کھانے والے کو برا کہتے ہوں تو ایسی جگہ اس کوا کھانے والے کو کچھ ثواب ہو گا یا نہ ثواب ہو گا نہ عذاب؟

الجواب: ثواب ہو گا۔"

(۱۵) علماء دیوبند کے نزدیک امتی عمل میں نبی کے برابر ہو سکتا ہے بلکہ نبی سے بڑھ سکتا ہے۔

حوالہ: "تحذیر الناس "مصنفہ مولوی محمد قاسم نانوتوی صفحہ ۵

"انبیاء اپنی امت سے اگر ممتاز ہوتے ہیں تو علوم ہی میں ممتاز ہوتے ہیں باقی رہا عمل اس میں بسا اوقات بظاہر امتی مساوی ہو جاتے ہیں بلکہ بڑھ جاتے ہیں۔"

(۱۶) علماء دیوبند کے نزدیک سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علم سے شیطان کا علم زیادہ ہے اور شیطان کے علم کی زیادتی قرآن و حدیث سے ثابت ہے اور حضور کی وسعت علم کے لیے ان کے نزدیک کوئی نص قطعی نہیں۔

حوالہ: "براہین قاطعہ" مصنفہ مولوی خلیل احمد انبیٹھوی مصدقہ مولوی رشید احمد گنگوہی صفحہ ۵۱۔

"الحاصل غور کرنا چاہیے کہ شیطان و ملک الموت کا حال دیکھ کر علم محیط زمین کا فخر عالم کو خلاف نصوص قطعیہ کے بلا دلیل محض قیاس فاسدہ سے ثابت کرنا شرک نہیں تو کون سا ایمان کا حصہ ہے شیطان و ملک الموت کو یہ وسعت نص سے ثابت ہوئی فخر عالم کی وسعت علم کی کون سی نص قطعی ہے جس سے تمام نصوص کو رد کر کے ایک شرک کرنا ثابت کرتا ہے۔"

(۱۷) ایسے ہی علماء دیوبند کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا جھوٹ بولنا ممکن ہے بلکہ جھوٹ بول چکا" رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا علم ایسا تو جانور' پاگل' مجنون کا علم ہے' رسول اللہ بڑے بھائی جیسے ہیں' پیغمبر اپنی امت کا ایسے ہی سردار ہے جیسے گاؤں کا چودھری' رسول خدا ہمارے ہی جیسے بشر تھے' رسول خدا مر کر مٹی میں مل گئے' نماز میں رسول اللہ کا خیال لانا گائے بیل کے خیال میں ڈوب جانے سے بدرجہا بدتر ہے وغیرہ وغیرہ۔

نوٹ. نمبر ۱۷ میں علماء دیوبند کے جو عقائد لکھے گئے ہیں اس کی تفصیل مع حوالہ جات اگلے صفحات پر ملاحظہ فرمائیں۔

اس سادگی پہ کون نہ مر جائے اے خدا
لڑتے ہیں مگر ہاتھ میں تلوار تک نہیں

نوٹ: حضرات دیوبند اہل سنت کے مراسم کو شرک و بدعت تو کہہ گئے مگر آج تک اپنے دعوے کی کوئی بھی قابل تسلیم دلیل نہ دے سکے بات یہ ہو رہی تھی کہ علماء دیوبند کے عقائد کی صراحت میں علماء اہل سنت کے عقائد کی طرف اشارہ ہو ہی جاتا ہے اور "خون کے آنسو" پڑھ کر آپ کو ہی فیصلہ کرنا ہے کہ کون عاشق رسول ہے اور کون شاتم رسول کس کے زبان و قلم میں احتیاط و ادب ہے اور کس کے زبان و قلم میں گستاخی و بے ادبی۔ ہمارا کام تو

محض پیغام پہنچانا ہے ورنہ میں جانتا ہوں

بشر کی قوتوں سے ہر کبھی سیدھی نہیں ہوتی
خدا ہی کی وہ طاقت جو سب کو ٹھیک کرتی ہے

دوستو! ایمان و عقیدے کے کچھ اشارے تھے جن کی بنا پر "خون کے آنسو" مرتب کی گئی ورنہ اور بھی بہت سے عنوانات پر قلم اٹھایا جا سکتا ہے۔ تم ہی بتاؤ کیا آج کا یہ روح فرسا اور گھناؤنا منظر دیکھ کر کلیجہ منہ کو نہیں آتا کہ قہوہ خانے اور چوراہے پر کھڑے ہو کر مسلمان آستینیں اٹھا اٹھا کر علم غیب مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر مباحثہ و مجادلہ کرتا ہے آج ہم محض اس بنیاد پر ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے کہ میلاد میں قیام درست ہے یا شرک بدعت۔ ایسے ہی نہ جانے کتنے مسائل ہیں کہ جنہیں شرک و بدعت کی صحیح تعریف نہیں آتی۔ مگر وہ ہر نشست میں شرک و بدعت کی تے کرتے رہتے ہیں۔ آج ہماری زبان پامال ہو رہی ہے ہمارے اقتصادیات و معاشیات کی راہیں روز بروز تنگ ہوتی جا رہی ہیں ایسی پریشان حال اور زخم خوردہ قوم کے لئے علمائے دیوبند نے آج تک کوئی ڈاکٹر خانہ تو نہ کھولا مگر میلاد و فاتحہ کرنے والوں کے لئے ہزاروں فوجی اڈے بنا دیئے گئے جہاں سے ہر صبح و شام گولا باری ہوتی رہتی ہے کیا واقعتہً عرس و نیاز، میلاد و قیام ایسا ہی جرم ہے کہ اس کی بنیاد پر کروڑوں مسلمانوں سے الگ تھلگ آپ نے ڈیڑھ اینٹ کی الگ مسجد بنا رکھی ہے یا اب محض بات کی لاج رکھی ہے۔ اگر لاج ہی رکھنے کا جذبہ کار فرما ہے تو خانہ ساز عقیدت کی لاج نہیں بلکہ اسلام اور مسلمانوں کی لاج رکھئے اور کبھی اس نزاکت پر بھی غور کیجئے کہ آپ نے کروڑوں مسلمانوں کو محض اس جرم میں چھوڑ رکھا ہے کہ یہ میلاد و قیام عرس و نیاز والے ہیں۔ اور ان کروڑوں کو آپ سے یہ شکایت ہے کہ آپ نے محبوب خدا آقا دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان گرامی میں گستاخی و بے ادبی کر کے عامیانہ و سوقیانہ گالیاں تک دی ہیں۔ آخرش آپ ہی فرمائیں رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ذرۂ ناچیز سے کمتر اور چمار سے زیادہ ذلیل کہنا یہ گالی نہیں تو اور کیا ہے؟ کیا آپ کی نظر میں یہ بھی کوئی منطق، فلسفہ یا معانی و بیان کا کوئی الجھا ہوا مسئلہ ہے؟ کیا آپ کی نظر میں ذرۂ ناچیز، چمار سے ذلیل جیسے الفاظ کے معنی دیکھنے کے لئے لغت اٹھانے کی ضرورت ہے اگر نہیں ہے اور یقیناً نہیں ہے تو پھر ایسے عقیدے کے پرچار

کے کیا معنی؟ ایسی صریح اور واضح عبارت کی توجیہہ و تاویل کے کیا معنی؟ اور اگر بالفرض یہ الفاظ آپ کی نظر میں محتاج تاویل ہیں تو کیا دوسروں کو بھی آپ اجازت مرحمت فرمائیں گے کہ وہ بھی آپ کے لئے یہی الفاظ بول کر اس کی تاویل کریں۔ اگر آپ اپنے حق میں گوارا نہیں کر سکتے اور یقیناً گوارا نہ کریں گے تو للہ انصاف کا خون نہ کیجئے۔ بتایئے اور سچ سچ بتایئے کہ پھر رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے آپ کے ضمیر نے کیونکر گوارا کیا کہ ان کو ذرۂ ناچیز سے کمتر اور چمار سے زیادہ ذلیل کہا جائے اور آج ان عبارات کے واپس لینے کا آپ سے مطالبہ کیا جائے تو ٹھنڈے دل سے سوچنے کے بجائے آپ آمادۂ جنگ نظر آتے ہیں بر سر راہ علماء دیوبند کی نجس و ناپاک ذہنیت پر ایک تازہ واقعہ سنئے جس کے لکھتے ہوئے میری آنکھیں نمناک اور قلم کانپ رہا ہے۔

ابھی پہلی دوسری تیسری جون ۱۹۶۱ء کو مولانا انیس عالم کے زیر اہتمام سو بھن ضلع در بھنگہ میں سہ روزہ سرکار مدینہ کانفرنس منعقد ہوئی تھی جس میں راقم الحروف بھی شریک تھا۔ ظہر و عصر کے درمیان ایک فاضل دیوبند تشریف لائے اور ہم لوگوں سے فرمایا کہ آپ لوگ روزہ و نماز کی بات تو کچھ نہیں کہتے محض ایمان و عقیدہ پر تقریر کرتے ہیں اور اتنا ہی نہیں بلکہ علماء دیوبند کی تکفیر بھی کرتے ہیں۔ آخر ش علماء دیوبند کے تکفیر کی کیا وجہ ہے؟ میں نے جواباً کہا کہ ان لوگوں نے سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو گالیاں دی ہیں اور آقا دو جہاں کی توہین متفقہ طور پر موجب کفر ہے اور بطور مثال میں نے حفظ الایمان کی کفری عبارت پیش کر دی۔ اس پر فاضل دیوبند نے کہا کہ گالی کی بھی تاویل تو ہو سکتی ہے اور بسا اوقات گالی کا دینا عیب معلوم نہیں ہوتا میں نے کہا اس کی مثال آپ دیجئے جہاں گالی کا دینا عیب نہ ہو۔ اب جواب سنئے اور سر پیٹئے۔

فاضل دیوبند نے کہا جیسے سالا بہنوئی کو اور بہنوئی سالے کو گالی دیتا ہے یا سمدھی اپنے سمدھی سے مذاق کرتا ہے غصے کو پی کر اور حواس کو بدقت تمام قابو میں رکھ کر میں نے دریافت کیا کہ پھر یہ بھی فرما دیجئے کہ علماء دیوبند کا محبوب خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کون سا رشتہ ہے؟ جس کی بنا پر آپ لوگوں کو مذاق اور گالی کی اجازت ہو کیا قرآن حکیم کی یہ آیت دیوبند کی چہار دیواری تک نہیں پہنچی "النبی اولیٰ بالمومنین من انفسھم

وازواجهٗ امهاتهم'' یا کہ ''ما کان محمد ابا احد من رجالکم ولکن رسول الله و خاتم النبیین.''

ابھی میں یہ کہہ ہی رہا تھا کہ اس شخص کے دماغ کی چول کھسک گئی ہے کچھ دنوں بعد یہ ایسی کتاب لکھے گا جو تقویۃ الایمان اور حفظ الایمان کے حق میں سونے پر سہاگے کا کام دے گی کہ مجمع میں برہمی پیدا ہوئی اور بعض جوشیلے جوتا لے کر کھڑے ہو گئے۔ کسی طرح بچ بچاؤ کر کے اس کو مجلس سے باہر کر دیا گیا۔

اہل ملت کے لئے مجھ کو ہے ماتم کرنا
ان کی خاطر ہے مجھے بزم میں گریاں ہونا

ابھی گزشتہ برس کی بات ہے میں بسلسلہ تقریر گجرات کے دورے پر تھا خاص شہر بھڑوچ میں میری تقریر ہو رہی تھی آج میری تقریر کا عنوان "مسئلہ معراج جسمانی" تھا۔ تقریر اپنے شباب پر تھی کہ رقعہ آیا، جس کا مضمون حسب ذیل ہے۔

"ان کے بزرگوں کو سردی لگتی ہے جو ان کی قبر پر چادر ڈال دیتے ہیں۔"

میں نے کہا جی ہاں عارفان باللہ اللہ تعالیٰ کے محبوب ہیں جب انہیں دفن کیا جاتا ہے تو جنت کی نہ جانے کتنی کھڑکیاں کھول دی جاتی ہیں اور جنت کی ہوا میں ٹھنڈک ہوتی ہے جب آپ کے بزرگوں کو سپرد خاک کیا جاتا ہے تو جہنم کی کھڑکیاں کھل جاتی ہیں اگر ان کی قبر پر چادر ڈال دی جائے تو چادر بھی جل کر خاک ہو جائے شاید کوئی ایسا سابقہ پڑ چکا ہے اس لئے علماء دیوبند چادر کے پیچھے پڑ گئے ہیں تاکہ ان کا بھرم باقی رہ جائے یہ تو نہیں کہہ سکتے کہ چادر جل جائے گی۔ اس میں بے آبروئی ہے اس لئے شرک و بدعت کے من گھڑت فتاویٰ لے کر کھڑے ہو گئے ورنہ اولیاء کرام کی شان تو یہ ہے۔

مر کے ٹوٹا ہے کہیں سلسلہ قید حیات
فرق اتنا ہے کہ زنجیر بدل جاتی ہے

ان مثالوں کا مقصد صرف یہ ہے کہ آپ اس سے دیوبندی مکتبہ فکر کے رجحانات کا

۱؎ مجلس میں میرے علاوہ مولانا رفاقت حسین صاحب مفتی کانپور اور مولانا ابو الوفا فصیحی غازی پوری بھی شریک تھے
۔ ایسی ٹھنڈک جس سے تکلیف نہ پہنچے یہ بات بطور لطیفہ کہی گئی ورنہ عظمت اولیاء کیلئے چادر ڈالی جاتی ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔

اندازہ کریں کہ وہ رسول خدا اور اولیاء کرام کی بارگاہ میں کس حد تک بے ادب و گستاخ ہیں۔
یہی وہ علل و اسباب ہیں جنہوں نے "خون کے آنسو" لکھنے پر مجھے ابھارا۔

یہ اپنی اپنی عادت ہے اور اپنا اپنا شیوہ ہے

کے مطابق وہ سرکار ابد قرار کو اپنے جیسا بشر کہتے رہیں اور ہماری نگاہیں تو ان کی ایک ایک ادا پر قربان ہیں۔

یوں مسکرائے جان سی کلیوں میں پڑ گئی   یوں لب کشا ہوئے کہ گلستاں بنا دیا

اسیر حبیب مشتاق احمد نظامی

۱۴ اگست ۱۹۶۱ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم ط

الحمد للہ و کفی و سلام علی حبیب الذی صطفی

شیخ الاسلام نمبر کا سرسری جائزہ

کہیں روس کا ہوّہ' کہیں چین کا ہوّہ
حضرت شیخ کی محفل میں بدرالدین کا ہوّہ

(شیخ الاسلام نمبر صفحہ ۹۵)

مولانا حسین احمد صاحب جب موڈ میں ہوتے تو اپنی بچی عمرانہ سے یہی شعر پڑھواتے تھے چونکہ اس وقت حضرت شیخ ہی کا تذکرہ ہے اس لئے انہیں کے محبوب وپسندیدہ شعر سے ان کے ذکر کا آغاز کیا جاتا ہے اس کو تو فخر مشرق علامہ شفیق جونپوری بتائیں گے کہ مندرجہ بالا شعر کس بحر میں ہے ہمیں تو سرراویہ دکھاتا ہے کہ مولانا حسین احمد کے پسندیدہ اشعار چھ ایسے ہی بے تکے قسم کے ہوا کرتے تھے جس سے ان کے ذوق ادب کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے اس پر طرفہ تماشایہ کہ حضرت شیخ کوئی معمولی درجہ کے انسان نہ تھے بلکہ اس خاکدان گیتی میں وہ خلاصہ کائنات بن کر آئے تھے۔ شیخ الاسلام نمبر صفحہ ۱۳۰

خدا کے لئے یہ تو مشکل نہیں ہے
ہو عالم کا مجموعہ اک فرد واحد

مناسب ہے کہ یہیں پر تقویۃ الایمان کی ایک عبارت پیش کر دی جائے جس سے حضرات دیوبند کی رسول دشمنی کا صحیح اندازہ ہو سکے گا۔

تقویۃ الایمان صفحہ ۳۷

"وہ شہنشاہ ایک آن میں چاہے تو کروڑوں نبی محمد کے برابر پیدا کرڈالے"

نوٹ: جب توہین نبوت اور تنقیص رسالت کے جذبہ ملعون نے اکسایا تو اللہ تعالیٰ کی قدرت وکبریائی کے اظہار کا یہ انداز اختیار کیا کہ اگر وہ چاہے تو محمد کے برابر کروڑوں نبی پیدا

کر ڈالے اور جب اپنے شیخ الاسلام کو مقام نبوت سے بھی اونچا کر دکھانا ہوا تو اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اس کے علو مرتبت کا بیان اس طرح کیا گیا کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے یہ بعید نہیں کہ وہ مولانا حسین احمد کو خلاصہ کائنات بنادے۔

احباب کی یہ شان حریفانہ سلامت
دشمن کو بھی یوں زہر اگلتے نہیں دیکھا

سچ جانئے جن کلمات کی ادائیگی میں زبان کفر لکنت کھا جائے اس کی ادائیگی میں علماء دیوبند کو جھجک تک محسوس نہیں ہوتی اور یہ تو ان کا بہت ہی پرانا وطیرہ ہے کہ جب کبھی بھی شان رسالت گھٹانی مقصود ہوئی تو اختراعی توحید کا جھنڈا لے کر کھڑے ہو گئے اور اسی کی آڑ میں سب وشتم و تبرا بازی پر اتر آئے جس کی شہادت پر تقویۃ الایمان وغیرہ سے چند در چند مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں اور اس پر ستم بالائے ستم یہ کہ جب ان کی یاوہ گوئی اور خرافات پر حق بجانب سوالات کئے گئے تو نادم و شرمندہ ہونے کے بجائے۔

عذر گناہ بدتر از گناہ

کے مطابق جنگ وجدال کی بالکل نچلی سطح پر اتر آئے یہاں تک کہ علماء اہل سنت کی طرف گھڑی ہوئی کتابیں اور ان کی فرضی عبارات کو منسوب کر کے انہیں بدنام ورسوا کرنے کی سعی ناکام کی گئی علماء دیوبند کی اس قسم کی حیا سوز اور رکیک حرکات کا مشاہدہ رسالہ سیف النقی کے مطالعہ سے ہو سکے گا جو علماء دیوبند کی افترا پردازی و بہتان تراشی کا پورے پورے ضامن و کفیل ہے یہ رسالہ کسی ایک دماغ کا تراشیدہ و خراشیدہ نہیں بلکہ دیوبند کے اصاغر و اکابر کی مشترکہ پارٹی سر جوڑ کر بیٹھی اور متفقہ طور پر رسالہ سیف النقی کی ترتیب دی گئی گویا اس جرم و خطا میں دیوبند کا پورا اسٹاف برابر کا شریک ہے۔

اب سیف النقی کے حوالہ سے چند جعلی اور گھڑی ہوئی کتابیں اور اس کی فرضی عبارات و فرضی پریس کا نام سن کر حضرات دیوبند کی جسارت و ڈھٹائی پر سر دھنیے۔

آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے لب پہ آ سکتا نہیں
محو حیرت ہوں یہ دنیا کیا سے کیا ہو جائے گی

(۱) سیف النقی صفحہ ۳ پر ایک فرضی و جعلی کتاب بنام ''تحفۃ المقلدین'' جو سیدنا امام

احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرہ کے والد ماجد امام العلماء حضرت علامہ مولانا محمد نقی علی خان صاحب قدس سرہ کے نام نامی سے منسوب کی گئی ہے اور فرض پریس صبح صادق سیتاپور کا حوالہ بھی دے دیا گیا ہے۔

(۲) اسی طرح سیف النقی ہی کے صفحہ ۲۰ پر ایک گھڑی ہوئی کتاب تحفۃ المقلدین کو حضرت فاضل بریلوی قدس سرہ کے جد امجد سراج الاتقیاء حضرت علامہ مولانا رضا علی خاں قدس سرہ کی طرف منسوب کیا اور بہ کمال ڈھٹائی مطبوعہ لکھنو صفحہ ۱۲ بھی لکھ دیا۔

(۳) اور اتنے پر ہی بس نہیں بلکہ اسی سیف النقی کے صفحہ ۱۴ پر ایک گھڑی ہوئی کتاب بنام مراۃ الحقیقۃ آقاء نعمت حضور سید نا سرکار غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف منسوب کر کے خسر الدنیا والآخرہ کے مصداق ہوئے اور اپنی بگڑی ہوئی عادت کے مطابق اس کتاب پر بھی لکھ دیا مطبوعہ مصر صفحہ ۱۸

(۴) یہ نہ سمجھئے کہ کذب وافترا اور جعل و سازش کی یہ مہم یہیں پر آ کے ختم ہو گئی بلکہ اپنے کالے جھوٹ پر سفید جھوٹ کی مہر توثیق ثبت کرنے کے لئے سیف النقی کے صفحہ ۲۰ پر فاضل بریلوی قدس سرہ کے والد ماجد کا فرضی نشانِ مہر بھی بنا دیا جس کی صورت یہ ہے۔

(۱۳۰۱ نقی علی سنی حنفی)

حالانکہ حضرت کی مہر مبارک کا نقشہ یہ تھا۔

(۲۹ ۱۲ مولوی رضا علی خاں محمد نقی خاں ولد)

لطف تو یہ ہے کہ مہر گھڑی گئی مگر پھر بھی بات نہ بن سکی۔ صورت حال یہ ہے کہ حضرت کا وصال ۱۲۹۷ھ میں ہوا اور نقشہ مہر میں ۱۳۰۱ھ کندہ ہے جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ وصال شریف کے چار برس بعد مہر تیار ہوئی ہے۔

پہلے اپنے جنوں کی خبر لو
پھر میرے عشق کو آزمانا

نوٹ: میرے اپنے خیال میں شاید ہی دنیا کے کسے گوشے میں خیانت کی ایسی مکروہ و گندہ مثال مل سکے گی جو حضرات دیوبند کے تقدس کی جھالر بنی ہوئی ہے کوئی سوچ تو سکے کس قدر حیرت انگیز اور تعجب خیز بات ہے کہ اپنی خرافات کا اعتراف نہ کرتے ہوئے اس پر

پردہ ڈالنے کے لئے چند در چند غلطیوں کا ارتکاب کرنا اور جرات و دیدہ دلیری کا یہ عالم کہ الامان والحفیظ فرضی کتاب "من گھڑت عبارت" جعلی پریس تک کا اعلان کر دینا، سچ تو یہ ہے کہ اس قسم کی جسارت وہی لوگ کر سکتے ہیں جن کے کان شرم و حیاء جیسے الفاظ سے آشنا تک نہ ہوئے ہوں۔

اس کے باوجود زہد و تقویٰ اور اتباع سنت کا وہ بلند بانگ نعرہ جس سے تصنع اور ریا کے صنم اکبر کا بھی کلیجہ دہل جائے۔ اب ناظرین ہی انصاف فرمائیں کہ اگر متقی و پرہیزگار ایسے ہی لوگوں کو کہا جاتا ہے تو غیر متقی کس کو کہا جائے گا؟

دوستو! اگر تم نے علماء اہل سنت کو بدنام کرنے کا تہیہ اظہار کھا ہے تو کم از کم ایسی باتیں کرو جس سے تمہارا دامن تو سلامت رہ سکے۔

دشنام یار طبع حزیں پہ گراں نہیں
اے دوست اپنی ہتک آواز دیکھنا

حضرات! یہ تو سیف النقی کا حوالہ تھا جس کی ترتیب میں دیوبندی مشنری کا ہر کل پرزہ یکساں متحرک نظر آیا ہے اب مولانا حسین احمد کی رسوائے زمانہ کتاب "الشہاب الثاقب" جو علماء بریلی کے رد میں لکھی گئی ہے اس کے چند حوالہ جات ملاحظہ فرما کر مولانا ٹانڈوی کی ذہنیت اور دیدہ دلیری کو داد دیجئے جس میں انہوں نے من گھڑت کتاب، جعلی پریس اور فرضی عبارات کو پیش کر کے علم ثقافت کے خلاف ایسا گھناؤنا استدلال اختیار کیا ہے، جس کو سن کر ہر صاحب علم کی گردن شرم و حیاء سے جھک جائے گی۔

رہ منزل میں سب گم ہیں مگر افسوس تو یہ ہے
امیر کارواں بھی ہیں انہیں گم کردہ راہوں میں

شہاب ثاقب صفحہ ۱۲

"جناب شاہ حمزہ صاحب مارہروی مرحوم عقیدۃ الاولیاء کا مطبوعہ کانپور صفحہ ۱۵ میں ارقام فرماتے ہیں علم غیب صفت خاص ہے رب العزت کی جو عالم الغیب والشہادۃ ہے جو شخص رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو عالم الغیب کہے وہ بے دین ہے اس واسطے کہ آپ کو بذریعہ وحی کے امور غیبیہ کا علم ہوتا تھا سے علم غیب کہنا گمراہی ہے

ورنہ جمیع مخلوقات نعوذ باللہ عالم الغیب ہے۔"

نوٹ:۔

مقصود نہ بلبل ہے نہ طوطی ہے نہ قمری

مطلب تو چمن والوں کا ناوک فگنی ہے

سید العارفین حضرت علامہ مولانا سید شاہ حمزہ میاں مارہروی رحمۃ اللہ علیہ کی تحریۃ الاولیاء نام کی کوئی کتاب ہی نہیں جب کتاب ہی نہیں تو کانپور میں چھپنے یا اس میں صفحہ ۱۲ والا مقدر چہ یا لا عبارت کے ہونے نہ ہونے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا البتہ یہ خیال کیا جاتا ہے کہ مولانا ندوی قلم اٹھانے سے پہلے ہی اپنا دماغی توازن کھو چکے تھے یہی وجہ ہے کہ ایسے ابتذال و گراوٹ پر اتر آئے جس کی مثال شاید ہی کہیں ڈھونڈے سے مل سکے گی۔

ایں کار از تو آید و مرداں چنیں کنند

شہاب ثاقب کی ایک دوسری من گھڑت روایت ملاحظہ کیجئے۔

شہاب ثاقب صفحہ ۲۲

"مولوی رضا علی خاں صاحب ہدایت الاسلام مطبوعہ صبح صادق سیتاپور صفحہ ۳۰ میں فرماتے ہیں حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو علم غیب بالواسطہ تھا یعنی بذریعہ وحی کے تعلیماً معلوم ہوتا تھا اور یہ اعلیٰ قدر مراتب سب کو حاصل ہے اور علم غیب مطلق و بالذات کا اعتقاد رکھنا مفضی الی الکفر اور نص قطعی کے خلاف اس میں تاویل اور ہیر پھیر کرنا بے دین کا کام ہے۔"

اتنی کاوش نہ کر مری اسیری کے لئے

تو کہیں مرا گرفتار نہ سمجھا جائے

سراج العلماء حضرت علامہ مفتی رضا علی خاں صاحب قدس سرہ نے ہدایت الاسلام نام کی کوئی کتاب تصنیف ہی نہیں فرمائی تو پھر کسی عبارت 'صفحہ' مطبع یا پریس کے تجسس و تلاش سے کیا فائدہ؟ کیا آج کی دنیا میں اس سے بھی بڑھ کر اتہام بندی و بہتان تراشی کی کوئی جیتی جاگتی مثال مل سکتی ہے۔

پھر آج ہی نہیں بلکہ برسہا برس سے علماء دیوبند کی صداقت کو چیلنج ہے کہ اگر ان میں

رائی کے دانہ کے برابر بھی حق پسندی کا کوئی حصہ باقی رہ گیا ہو تو خزینۃ الاولیاء اور ہدایت الاسلام کو منظر عام پر لا کر اپنی حق گوئی کا ثبوت دیں ورنہ توبہ استغفار کا دروازہ کل بھی کھلا تھا اور آج بھی ہے اب بھی شرم و ندامت سے گردن جھکا کر تائب ہو جائیں۔

مرید سادہ تو رو رو کے ہو گیا تائب

خدا کرے کہ ملے شیخ کو بھی یہ توفیق

اور یہ مطالبہ کچھ ادھر ہی سے نہیں ہے بلکہ مولانا ٹانڈوی کی گود کے تربیت یافتہ مولانا عامر عثمانی کا بھی یہی مطالبہ ہے۔ رد شہاب ثاقب پر تبصرہ کرتے ہوئے مولانا عثمانی نے مولانا ٹانڈوی کے خلف اکبر مولوی اسعد صاحب کو مخاطب کیا ہے کہ خزینۃ الاولیاء اور ہدایت الاسلام سے متعلق جو مولانا ٹانڈوی پر الزام ہے اس کا جواب دینا اسعد سلمہ زید علمہ کی ذمہ داری ہے ملاحظہ فرمایئے۔

تجلی فروری' مارچ ۱۹۵۹ء

"کتاب کے لب و لہجے سے سخت وحشت زدہ ہونے کے باوجود اتنا ہم انصافاً ضرور کہیں گے کہ مصنف نے مولانا مدنی پر ایک الزام بڑا بھیانک و فکر انگیز لگایا ہے ان کا کہنا ہے کہ جن دو کتابوں خزینۃ الاولیاء اور ہدایۃ الاسلام سے شہاب ثاقب میں بعض اقتباسات دیئے گئے ہیں وہ فی الحقیقت من گھڑت ہیں جن مصنفوں کی طرف انہیں منسوب کیا گیا ہے انہوں نے کبھی ہرگز ہرگز یہ کتابیں نہیں لکھیں۔"

سرد آہیں' گرم آنسو' آنسوؤں میں خون دل

کہہ رہے ہیں اس طرح افسانہ در افسانہ ہم

نوٹ: اسی کے ساتھ مولانا عثمانی نے مولانا ٹانڈوی کی صفائی میں کچھ جوابات بھی دیئے ہیں جن جوابات کو عثمانی صاحب نے خود ہی قیاس اور تک بندی سے تعبیر کیا ہے ناظرین خود ہی اندازہ کر سکتے ہیں کہ اگر مجیب ہی کی نگاہ میں جوابات کی حیثیت تک بندی کی ہے تو پھر اس کا وزن ہی کیا رہ جاتا ہے چنانچہ چند سطر بعد عثمانی صاحب رقم طراز ہیں۔

تجلی فروری' مارچ ۵۹ء

"تاہم یہ قیاسات ہیں بلکہ محض عقلی تک بندیاں ہیں حق یہ ہے کہ تحقیقی اور معقولی

جواب یا تو مولانا مدنی کے بلند اقبال صاحبزادے مولوی اسعد طولعمرہ کے ذمے ہے یا پھر ان مریدین و متوسلین کے ذمے ہے جو بجا طور پر مولانا کی عقیدت و محبت میں سرشار ہیں۔"

نوٹ: مندرجہ بالا عبارت سے یہ بات تو واضح ہو گئی کہ مولانا عثمانی کے پاس اس کا کوئی جواب نہ تھا ورنہ وہ اس قسم کی لچر تک بندی اور قیاس آرائی کے ہیر پھیر میں پڑنے کی بجائے خود ہی تحقیقی اور معقولی جواب دے کر معاملہ صاف کر لیتے البتہ مولانا اسعد صاحب سے گزارش ہے کہ اگر میرا مطالبہ ان کی برہمی مزاج کا باعث بن سکتا ہے تو اپنے عثمانی صاحب کی تسکین خاطر کے لئے کوئی جواب مرحمت فرما کر بلاواسطہ نہ ہی بالواسطہ ہی میرا پیغام قبول فرما لیں۔

برگ حنا پہ لکھتا ہوں میں درد دل کی بات
شاید کہ رفتہ رفتہ لگے دل ربا کے ہاتھ

اب دیکھنا یہ ہے کہ مولوی اسعد صاحب اپنے والد بزرگوار کی صفائی میں کوئی سنجیدہ اور معقول بیان دے کر اپنے خلف صادق ہونے کا ثبوت دیتے ہیں یا عثمانی صاحب کی طرح قیاس آرائی و تک بندی سے کام لے کر جگ ہنسائی کا موقع دیں گے البتہ بر سر راہ عثمانی صاحب سے ایک ضروری بات کرنی ہے کہ کسی بھی کتاب پر نقد و نظر کرنے سے پہلے اس کے ہر گوشے کی تحقیق کر لینا ضروری ہے مثلاً یہی کتاب "رد شہاب ثاقب" جو اس وقت موضوع سخن بنی ہوئی ہے۔ اس پر تبصرہ کرتے ہوئے آپ رقم طراز ہیں۔

تجلی فروری، مارچ ۱۹۶۱ء

"نیز ہو سکتا ہے مصنف کے ذہن میں یہ بھی ہو رہا ہو کہ میں پاکستان میں ہوں یہیں کے عوام میں زیادہ تر میری کتاب اشاعت پائے گی دیوبندی بیچارے مذکورہ کتابوں کی پوٹلی باندھ کر پاکستان آنے اور قریہ بہ قریہ ان کا نظارہ کرانے سے تو رہے ہمہیا تو ان کے اعلان کو پی جائیں گے یا اس کی بھی صاف تردید کر دیں گے کہ یہ وہابی کمبخت جھوٹے ہیں ظاہر ہے کہ ان الفاظ کے چھاپ دینے میں ہاتھی گھوڑے تو لگتے نہیں۔'

کیوں کسی غیر سے شکوۂ بیداد کروں
لطف جب ہے کہ تجھی سے تیری فریاد کروں

نوٹ: قربان جایئے عثمانی صاحب کی اس عقل ودانش پر کہ "رد شہاب ثاقب" پاکستان میں طبع ہوئی تو آں جناب نے اپنی خوش فہمی سے یہ بھی طے کر لیا کہ اس کا مصنف پاکستانی ہے حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ کتاب تو پاکستان میں چھپی مگر اس کے مصنف مفتی سنبھل مولانا اجمل شاہ صاحب سنبھل ضلع مرادآباد کے رہنے والے ہیں اور سنبھل ان کی مستقل قیام گاہ ہے پھر اس کتاب کی اشاعت ہندوپاک میں یکساں طور پر ہوئی ہے اس لئے اس کی جواب دہی ہندوپاک کے دیوبندیوں پر یکساں طور پر عائد ہوتی ہے سلسلہ جواب میں اس قسم کی دھاندلی اور تنگ بندی سے کام نہیں چلتا جس کو جناب عثمانی صاحب نے اختیار کر رکھا ہے بالفرض اس کے مصنف پاکستانی ہوتے تو پاکستان دیوبندیوں سے خالی ہے یا دیوبندیوں کی طرف سے جواب دینے کے تنہا آپ ہی ٹھیکیدار ہیں۔

علاوہ ازیں یہ تو فرمایئے جب کہ قیاس آرائی و تنگ بندی کے تحت آپ نے اتنا رکیک حملہ کیا ہے تو کہیں ٹھوس ومدلل جواب ارشاد فرماتے تو نہ جانے کتنی موٹی موٹی گالیوں سے نوازتے؟ عامر صاحب حالات کی صحیح اطلاع نہ رکھتے ہوئے یونہی بے محابا لکھ دینا شاید آپ نے اپنے اکابر سے بطور ورثہ پایا ہے لیجئے آپ کے اطمینان قلب کی خاطر اس کی بھی شہادت حاضر کیے دیتا ہوں۔ اپنے حکیم الامت مولانا تھانوی کا ایک آسمانی و سلطانی قانون ملاحظہ فرمایئے۔

رسم دیار حسن سے نا آشنا تھا میں
لبیک کہہ اٹھا جو پکارا خود آپ نے

شیخ الاسلام نمبر صفحہ ۳۲

"آخر میں ایک نہایت اہم ضروری بات کا لکھ دینا بھی میں ضروری سمجھتا ہوں جو حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مجھ سے فرمائی تھی کہ حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی مجلس میں حضرت شیخ الاسلامؒ کا تذکرہ ہوا تو حضرت حکیم الامت نے فرمایا "مولانا حسین احمد کی مخالفت کرنے والوں کے سوء

خاتمہ کا اندیشہ ہے۔"

نوٹ:

کچھ اشاروں ہی سے کہ دے ترے چتوں کے نثار
کس پہ تولے ہوئے تلوار ہے ابرو تیرا

اب کہیں دور جانے کی ضرورت نہیں تھانوی صاحب کے خلفاء و متوسلین صرف اتنا ارشاد فرمائیں کہ مولوی شبیر احمد عثمانی کا خاتمہ کیسے ہوا؟ اس لئے ٹانڈوی صاحب اور عثمانی صاحب کے درمیان غایت درجہ کی مخالفت اور چشمک تھی اس کہانی کو مجھ سے نہیں بلکہ فاضل دیوبند مولانا سعید احمد اکبر آبادی صدر شعبہ دینیات مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کی زبانی سنئے۔

برہان دہلی نومبر ۵۲ء صفحہ ۳۰۸ و ۳۰۹

"لیکن انہیں خطوط کا وہ حصہ جس[1] میں مولانا نے ملکی سیاست یا معاملات دار العلوم دیوبند کے سلسلہ میں اپنے بعض معاصرین[2] کی نسبت رنج و ملال اور کبیدگی خاطر کا اظہار کیا ہے۔"

(چند سطر بعد)

"واقعہ یہ ہے کہ حضرت مولانا ٹانڈوی ۱۹۴۲ء کی تحریک کے سلسلہ میں قید فرنگ میں تھے اور دیوبند کے صدر حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی اور مہتمم مولانا محمد طیب تھے کانگریس کی تحریک میں حصہ لینے کے باعث دار العلوم دیوبند میں چند ناگوار واقعات پیش آئے حضرت مولانا (ٹانڈوی) کو ان کی نسبت ان کے بعض حاشیہ نشینوں نے جو اطلاعات جس رنگ میں پہنچائیں مولانا آخر انسان ہی تھے فرشتہ نہیں تھے اور نہ پیغمبر کی طرح معصوم تھے ان سے (یعنی مولوی شبیر احمد عثمانی سے) طبعاً رنجیدہ اور ملول ہونا ناگزیر تھا ان خطوط میں اسی ملال کا اظہار کیا گیا ہے لیکن تصویر کا ایک دوسرا رخ یہ بھی ہے کہ جنگ آزادی وطن کے سرفروش سپاہی جن کو نہ تعلیم سے دلچسپی تھی اور جو نہ مدرسہ کے قواعد و ضوابط کی پرواکرتے تھے ان لوگوں نے توہین و تذلیل کا کوئی ایسا طریقہ نہیں تھا جو حضرت مولانا شبیر احمد کے حق میں اٹھانہ

---

[1] مولانا ٹانڈوی [2] اشارہ ہے مولانا شبیر احمد عثمانی کی طرف

رکھا ہو۔ چنانچہ مولانا مرحوم نے خود ہم سے کئی مرتبہ انتہائی غمگین اور آبدیدہ ہو کر فرمایا کہ ان لوگوں نے دیوبند میں میرا رہنا تو کجا گھر سے نکل کر مسجد تک آنا اجیرن کر دیا ہے اور میں سوچ رہا ہوں کہ ڈابھیل یا حیدر آباد میں مقیم ہو جاؤں۔ یہ لوگ مولانا رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کے خلاف قلمی اشتہارات نکالتے تھے۔ اشعار لکھتے تھے اور ان کو گلی گلی اور کوچہ کوچہ مشتہر کراتے تھے۔ مولانا کے سامنے سے گزرتے تو توہین آمیز نعرے لگاتے ہوئے جاتے تھے۔"

نوٹ: چنانچہ مولانا اکبر آبادی کی اس صاف گوئی پر "مکتوب شیخ" کے فاضل مرتب نے رونا رویا ہے کہ گھر کی ڈھکی چھپی باتوں کو طشت از بام نہیں کرنا چاہیے تھا ملاحظہ فرمایئے۔

مکتوبات شیخ جلد اول صفحہ ۲۰

"فاضل اکبر آبادی نے راقم الحروف کو طعنہ دیا ہے بے احتیاطی کا اور یہ خیال نہیں رہا کہ مولانا عثمانی کے بارے میں کیوں بے احتیاطی کے مرتکب ہو کر مرحوم کی تشہیر ان فقروں کے ذریعہ فرما رہے ہیں لوگوں نے توہین و تذلیل کا کوئی طریقہ ایسا نہیں تھا جو حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی کے حق میں اٹھا رکھا ہو۔ چنانچہ مولانا مرحوم نے خود ہم سے کئی مرتبہ انتہائی غمگین و آبدیدہ ہو کر فرمایا کہ ان لوگوں نے دیوبند میں مرا رہنا تو کجا گھر سے نکل کر مسجد تک آنا اجیرن کر دیا ہے۔"

ایسا نہ ہو یہ درد بنے درد لا دوا
ایسا نہ ہو کہ تم بھی مداوا نہ کر سکو

نوٹ: ناظرین نے مندرجہ بالا واقعات سے اندرون خانہ کی نوک جھونک کا اندازہ کر لیا ہو گا کہ مولانا ٹانڈوی اور مولانا عثمانی میں کتنے شدید اختلافات تھے یہاں تک کہ مولانا ٹانڈوی کے تلامذہ و متوسلین مولانا عثمانی کے خلاف گندے اشتہارات تک نکالتے' ان کے خلاف نعرے لگاتے وغیرہ وغیرہ۔ تو اب تھانوی صاحب کے مریدین کو چاہیے کہ وہ تھانہ بھون سے استفسار کریں کہ آیا مولانا تھانوی جنتری قانون کے بموجب مولانا عثمانی کا خاتمہ بالخیر ہوا یا بالسوء؟ جملہ معترضہ کے طور پر جناب ماہر صاحب مدیر فاران کی توجہ چاہتا ہوں کہ

آنجناب نے فاران توحید نمبر میں نعرۂ رسالت پر بڑی لے دے مچائی ہے کہ اس کا قرآن و سنت سے کہیں ثبوت نہیں ملتا تو خطا معاف کبھی دیوبند کے ان نعروں پر بھی آپ کے کان کھڑے ہوئے جو مولانا عثمانی کے خلاف بلند کئے جاتے تھے نعرۂ رسالت سے تو آپ کا کلیجہ چھلنی ہو گیا مگر دیوبند کے انسانیت سوز نعروں پر آپ کے قلم میں جنبش تک نہ آئی ماہر صاحب! یہ بات انتہائی قلق اور دکھ کی ہے کو توحید نمبر دیکھنے کے بعد یہ رائے قائم کرنی پڑی کہ فاران کا توحید نمبر رسول دشمنی کی جیتی جاگتی ننگی تصویر ہے۔

ہاں میں تھانوی صاحب کے مریدین سے یہ دریافت کر رہا تھا کہ مولانا عثمانی کا کیا انجام ہوا؟ ممکن ہے بسلسلہ جواب یہ بات کہی جائے کہ مرنے سے پہلے دونوں میں صفائی قلب ہو گئی تھی اس لئے میں اس مقام پر اس حقیقت کا اظہار بھی ضروری جانتا ہوں کہ عثمانی صاحب اور ٹانڈوی صاحب کے اختلافات مرتے دم تک رہے۔ اس کو بھی فاضل دیوبند مولانا اکبر آبادی کے قلم سے ملاحظہ کیجئے۔

برہان دہلی نومبر ۱۹۵۲ء صفحہ ۳۰۹

"اس مجموعہ کے خطوط نمبر ۱۲۰' ۱۲۹' ۱۳۰' ۱۳۱ میں ظاہر ہے کہ مولانا ٹانڈوی کا گوشہ نظر مولانا شبیر احمد عثمانی اور مولانا محمد طیب کی طرف تھا ان میں موخر الذکر اس وقت بھی مہتمم تھے اور آج بھی ہیں اور بقید حیات ہیں اس لئے انہوں نے تو اس مجموعہ کے شروع میں جو مقدمہ لکھا ہے اس میں اپنی مخصوص متصوفانہ زبان میں لکھ کر کہ مولانا مدنی کے معاملات کی نوعیت اور افتاد طبع سے واضح ہے کہ ان پر بغض فی اللہ کا غلبہ ہے اپنے دل کا بوجھ ہلکا کر لیا ہے اور اس لطیف طریقہ پر کہ غالباً فاضل مرتب کو اس کا احساس بھی نہیں ہوا اور نہ وہ اس کو شریک اشاعت ہی نہیں کرتے رہ گئے۔ مولانا شبیر احمد عثمانی تو اس دنیا میں نہیں اس لئے اب کون ان کی طرف سے صفائی پیش کرے اور کون کہے:

بھول جا گزرے ہوئے دن بھول جا

بعد مردن اب نہ رکھ دل میں ملال

نوٹ: مولانا اکبر آبادی اپنی نیک نیتی کے تحت اختلافات کے بھول جانے کی تلقین فرما

رہے ہیں شاید کہ انہیں یہ نہیں معلوم کہ مولانا تھانوی کی تلوار بے نیام اب سے پہلے اپنا وار کر چکی ہے۔ یعنی مولانا حسین احمد کی مخالفت کرنے والوں کے سوخاتمہ کا اندیشہ ہے۔

اب دیوبند کی چہار دیواری سے دو چار قدم اور آگے بڑھ کر تھانہ بھون چلئے اور تھانوی صاحب کے خانہ ساز آئینے میں خود آں بدولت کی تصویر دیکھئے۔

مکتوبات شیخ جلد دوم صفحہ ۲۹۸'۲۹۹

ٹانڈوی صاحب رقم طراز ہیں۔

"ہاں ان (تھانوی صاحب) کی رائے دوبارہ تحریک آزادی ہند غلط سمجھتا ہوں اس بارے میں میرا یقین کامل ہے کہ میرے اور حضرت تھانوی کے استاد شیخ الہند کی رائے نہایت صحیح اور واجب الاتباع تھی۔"

نوٹ: اب فرمایئے کہ مولانا تھانوی کا خاتمہ بالخیر ہوا یا بالسوء؟

نہیں کہا جا سکتا کہ مولانا تھانوی نے مولانا ٹانڈوی سے اختلاف مول لے کے اپنا ٹھکانہ کہاں بنایا؟ ظاہر ہے جس کا خاتمہ بالخیر نہ ہو گا اس کو آگ کے انگاروں کے سوا جگہ ہی کیا مل سکتی ہے۔ اسی کو کہتے ہیں ایک تیر سے دو شکار۔ نہ تو تھانوی صاحب نے عثمانی صاحب کو چھوڑا اور نہ ہی خود اپنے کو بلکہ اس اختلاف میں قاری طیب صاحب بھی برابر کے شریک ہیں چنانچہ ملاحظہ فرمایئے۔

شیخ الاسلام نمبر صفحہ ۷۴

"البتہ مجھے ان مولانا حسین احمد سے حجت کے ساتھ اختلاف ہے اگر وہ حجت ختم ہو جائے تو میں ان کے ماتحت ادنیٰ سپاہی بن کر کام کرنے کو تیار ہوں۔"

نوٹ: یہ تو ایک ذیلی بات تھی جو بر سبیل تذکرہ آ گئی تھی اب میں مولانا ٹانڈوی کی بارگاہ میں ان کے عقیدت کیشوں کی والہانہ محبت اور جوش عقیدت کے چند نمونے ملاحظہ فرمایئے۔ یہ کسی اور کا نہیں بلکہ حضرت شیخ کا تذکرہ ہے۔

جمال یار کی رعنائیاں ادا نہ ہوئیں
ہزار کام لیا میں نے خوش بیانی سے

شیخ الاسلام نمبر صفحہ ۱۲

"اور اب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ وہ (نانوتوی) عالم نور میں رہتے ہیں ان کی آنکھوں میں بھی نور ہے ان کے داہنے نور ہے ان کے بائیں نور ہے ان کے چاروں طرف نور ہی نور ہے وہ خود نور ہو گئے ہیں۔"

نوٹ: دیوبندی عقیدے کی بنا پر رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مر کر مٹی میں مل گئے مگر مولانا نانوتوی مرنے کے بعد نور ہی نور ہو گئے۔

جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

دیوبندی دھرم میں مولانا محمود الحسن ایک نور تھے اور مولانا نانوتوی مرنے کے بعد بھی زندہ ہیں ملاحظہ کیجئے۔

شیخ الاسلام نمبر صفحہ ۱۴

"شیخ الہند مولانا محمود الحسن رحمتہ اللہ علیہ ایک نور تھے تو شیخ الاسلام مولانا حسین احمد اس نور کی ضیاء اور چمک تھے۔"

(چند سطر بعد دوسرے کالم میں)

یہ اللہ والے مرنے کے بعد بھی زندہ رہتے ہیں صدیاں گزر جانے پر بھی دلوں میں ان کی روح دوڑتی رہی ہے اور ان کی محبوبیت بدستور قائم رہتی ہے۔"

عشق کرنا ہے تو پھر عشق کی توہین نہ کر
یا تو بے ہوش نہ ہو' ہو تو پھر ہوش میں نہ آ

نوٹ: مولانا نانوتوی کی قبر پر ہر وقت میلہ جھمیلا لگا رہتا ہے جو ان کی محبوبیت کی دلیل ہے ملاحظہ فرمائیں۔

شیخ الاسلام نمبر صفحہ ۱۴

"جو مقبولیت زندگی میں تھی وہی موت کے بعد بھی رہی اور باقی ہے مزار ہر وقت زیارت گاہ بنا رہتا ہے حتیٰ کہ رات کو ایک ایک بجے بھی جانے والے گئے تو مزار پر لوگوں کو پایا۔"

نوٹ: اگر قاری طیب صاحب کے خاطر نازک کو ٹھیس نہ پہنچے تو ان سے دریافت کرنا ہے کہ مولانا نانوتوی کی قبر کا میلہ جھمیلہ تو ان کی نظر میں دلیل محبوبیت ہے پھر آخر ش اجمیر

معلی 'بہرائچ شریف 'خواجہ قطب 'پیران کلیر 'آستانہ محبوب الٰہی سے انہیں کیوں پرخاش ہے کہ وہاں کے حاضر باشوں کو کھلے بندوں بدعتی اور مشرک بتایا کرتے ہیں 'اور اسنے ہی پر اکتفا نہیں بلکہ پوری منصوبہ بندی سے ان آستانہ جات کو مقفل کرا دینے یا ڈھوا دینے کی پیہم جدوجہد ہے۔

اب ٹانڈوی صاحب کی بارگاہ میں مفتی بجنور مولوی عزیز الرحمن صاحب کی بے پر کی اڑان ملاحظہ کیجئے اور جوش کی عقیدت کی داد دیجئے۔ جناب شیخ کے بارے میں تو حضرات دیوبند کے غلو محبت کا یہ عالم ہے۔

کبھی جب ذکر چھڑ جاتا ہے ان کا
زباں دو دو پہر ہوتی نہیں بند

شیخ الاسلام نمبر صفحہ ۲۷

"میں اپنی صحیح وصادق عقیدت کی وجہ سے مجبور ہوں کہ مندرجہ ذیل حدیث کا مصداق آپ کو نہ قرار دوں۔

یوشك ان یضرب الناس اکباد الابل یطلبون العلم فلا یجدون اعلم من عالم المدینة الحدیث رواہ مالك

ترجمہ: "قریب ہے کہ لوگ اونٹوں پر سفر کر کے دور دراز سے علم حاصل کرنے کے لئے آئیں گے پس وہ عالم مدینہ سے بڑھ کر کسی کو نہ پائیں گے۔"

نسائی اور حاکم نے حدیث مذکورہ کی تحسین کی ہے اور سفیان ابن مہدی اور عبدالرزاق نے فرمایا ہے کہ مصداق اس حدیث کا امام مالک ابن انس ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ ہمارے حضرت شیخ الاسلام مولانا سید احمد مدنی آیۃ من آیات اللہ ہیں۔"

پتہ دیتی ہے شوخی نقش پا کی
کوئی اس راہ سے ہو کر گیا ہے

نوٹ: اب معاملہ ناظرین کی عدالت میں پیش ہے کہ مفتی بجنور کو اس اقرار کے باوجود کہ سفیان ابن مہدی اور عبدالرزاق نے فرمایا کہ مصداق اس حدیث کا امام مالک ابن انس ہیں مگر وہ اس کو ماننے کے لئے تیار نہیں چونکہ ان کی صحیح اور سچی عقیدت و محبت کا یہ کہنا ہے کہ

اس حدیث کے مصداق مولانا نانوتوی ہیں۔ مفتی بجنور کے پاس اپنے اس دعوے کو کوئی دلیل نہیں ہے بجز اس کے کہ ان پر نانوتوی صاحب کی عقیدت کا دباؤ پڑ رہا ہے قرآن وسنت کی دلیل تو میلاد وقیام عرس ونیاز کے لئے چاہیے اپنے مولانا کی قصیدہ خوانی کے لئے محض عقیدت ومحبت کا اشارہ کافی ہے۔ اگر مفتی بجنور کو زحمت نہ ہو تو حدیث کے اس گوشے پر بھی روشنی ڈال دیں کہ یہی حدیث سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عالم غیب ہونے کی بھی روشن دلیل ہے کیونکہ یہ بات تو ظاہر ہے کہ اگر آقاء دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مطلع اعلی الغیب نہ ہوتے تو اس کی خبر ہی کیونکر دے سکتے تھے کہ لوگ دور دراز سے علم حاصل کرنے آئیں گے پس وہ عالم مدینہ سے بڑھ کر کسی کو عالم نہ پائیں گے۔

سچ جاہے یہی حدیث جو مولانا نانوتوی کی فوقیت وبرتری میں بطور دلیل لائی جارہی ہے اگر اسی حدیث کو علم غیب مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ثبوت میں پیش کیا جائے تو ایک ہی سانس میں نہ جانے کتنے سوالات اس حدیث پر وارد کردیے جائیں گے یہ تو آئے دن کا تجربہ ہے کہ جو حدیث ان کے حق میں مثبت مدعی ہو تو اس کا درجہ حدیث قدسی سے کم نہیں ہوتا لیکن اگر کسی حدیث سے حیات النبی اور علم غیب مصطفیٰ کا ثبوت دیا جائے تو اگر زیادہ نہ سہی تو کم از کم اس حدیث کو ضعیف ضرور کہہ دیا جائے گا اور روایان حدیث پر جرح وتعدیل کی بحث کھڑی کردی جائے گی۔ اس مقام پر کہنا یہ ہے کہ سفیان ابن مہدی اور عبدالرزاق جیسے ماہرین فن لاکھ کہتے رہیں کہ اس حدیث کے مصداق مالک بن انس ہیں مگر دیوبند اس کو ماننے کے لئے تیار نہیں چونکہ ان کی عقیدت کا اشارہ مالک بن انس کی طرف نہیں بلکہ مولانا نانوتوی کی طرف ہے۔ ان کا کہنا تو یہ ہے کہ۔

وفاداری بشرط استواری اصل ایماں ہے
مرے بتخانے میں تو کعبہ میں گاڑو برہمن کو

اب شیخ الاسلام نمبر ہی سے ایک اور حوالہ حاضر کرتا ہوں جس سے علماء دیوبند کی دھاندلی کا صحیح اندازہ ہو سکے گا کہ قوم کی آنکھوں میں دھول جھونک کر یہ حضرت کتنی ہوشیاری سے اپنے تقدس اور اتباع سنت کا پروپیگنڈہ کرتے ہیں۔

شیخ الاسلام نمبر صفحہ ۵۶

"اللہ اکبر ایک واقعہ یاد آتا ہے کہ سیوہارہ میں کچھ خدام مبارک مولانا کے پیروں کو دبانے پر مصر ہوئے جس پر مسلسل انکار فرماتے رہے اور آخر میں فرمایا کیا سنت سے اس کا ثبوت ملتا ہے الغرض حضرت والا قدس سرہ عبادت معاشرت حتیٰ کہ ازواق و مواجیہہ ہر نوع زندگی میں اتباع سنت کا مظہر کامل تھے۔"

نوٹ: ناظرین نے یہ تو پڑھ ہی لیا کہ کچھ خدام مولانا ٹانڈوی کا پیر دبانے پر مصر ہوئے تو مولانا نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ اس کا ثبوت حدیث سے نہیں ملتا۔ اب اسی موقع پر شیخ الاسلام نمبر کی ایک دوسری روایت ملاحظہ کیجئے جو اس کی ضد ہے جس سے ان کے اتباع سنت کی پوری قلعی کھل جاتی ہے۔

"شیخ الاسلام نمبر صفحہ ۳۸

"مولانا ابوالوفاء قائل ہیں کہ ایک مرتبہ پنجاب سے واپس ہو رہے تھے۔ حضرت (ٹانڈوی) کے علاوہ مولانا عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری بھی ساتھ تھے ایک بار مولانا ابوالوفا صاحب کو محسوس ہو کہ کوئی صاحب ان کا جسم نہایت آہستگی سے دبا رہے ہیں ان کو آرام محسوس ہوا اور انہوں نے یہ سمجھ کر کہ پنجابی حضرات اکثر اس قسم کی ارادت علماء سے کرتے ہیں کوئی تعارض نہ کیا جب کافی دیر ہو گئی تو انہوں نے چادر سے منہ کھول کر دیکھا کہ آخر یہ کون صاحب ہیں دیکھتے ہی بدحواس ہو گئے، خود حضرت شیخ الاسلام بدن دبا رہے تھے وہ گھبرا کر اٹھے تو دیکھا کہ مولانا عطاء اللہ صاحب بھی بیٹھے ہوئے اپنا منہ پیٹ رہے ہیں کہ مجھے بھی حضرت نے گنہگار کیا اور اب آپ کی باری تھی۔"

اللہ رے خود ساختہ قانون کا نیرنگ
جو بات کہیں فخر وہی بات کہیں ننگ

سیوہارہ میں اگر پیر کا دبوانا خلاف سنت تھا تو پھر پنجاب کی واپسی میں شاہ عبد اللہ بخاری اور مولوی ابوالوفا کا بدن دبا کر مولانا ٹانڈوی نے خلاف سنت فعل کا ارتکاب کیوں کیا؟ قصہ مختصر یہ ہے کہ سیوہارہ میں آخر یہ تعارض و تضاد کیسا؟ اس روایت کا یہ ٹکڑا بھی ناظرین کی خصوصی توجہ چاہتا ہے کہ "مولوی ابوالوفا نے یہ سمجھ کر کہ پنجابی حضرات اکثر اس قسم کی

اردت علماء سے کرتے ہیں کوئی تعارض نہ کیا' یعنی مولوی ابوالوفا صاحب جاگتے ہوئے ہوش و حواس میں اپنا بدن دبواتے رہے اس کی دو ہی صورتیں ہو سکتی ہیں یا تو مولوی ابوالوفاء یہ مسئلہ نہ جانتے تھے کہ دبوانا خلاف سنت ہے ورنہ پاؤں سمیٹ لیتے اور خادم کو مسئلہ بتا کر رخصت کر دیتے۔ یا یہ کہ دیدہ دانستہ خلاف سنت فعل کے مرتکب ہوتے رہے۔ اب اس گروہ کو تو مولوی ابوالوفا ہی کے ناخن تدبیر کھول سکیں گے۔

اس ضمن میں شیخ الاسلام کی ایک اور روایت ملاحظہ کیجئے کہ مولانا ٹانڈوی معصوم تھے۔
شیخ الاسلام نمبر صفحہ ۸۰

"ایک خاص نعمت جو اللہ تعالیٰ نے آپ (ٹانڈوی) کو عطا فرمائی تھی وہ تھی تعبیر رویا اس پیکر عصمت کی زندگی نے سیدنا یوسف علی نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام سے جہاں تقدس و استقامت علی الحق باطل کے مقابلے میں سینہ تان کر السجن احب الی مما یدعوننی کا نعرہ بلند کرنے کا تزکہ پایا تھا وہیں تاویل احادیث کے تمام شعبے بالخصوص تعبیر رویا کا کمال بھی حاصل فرمایا تھا۔"

عشق کی چوٹ کا کچھ دل پر اثر ہو تو سہی
درد کم ہو کہ زیادہ ہو مگر ہو تو سہی

نوٹ: قربان جایئے اگر آج ہم سنی سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو پیکر نور کہہ دیتے ہیں تو نجد سے سہارن پور تک تہلکہ مچ جاتا ہے کہ عبد اللہ کا وہ بیٹا جو ہمارے ہی جیسا بشر تھا اس کو پیکر نور کہا جا رہا ہے مگر اجودھیا باشی مولانا ٹانڈوی کو پیکر عصمت لکھتے ہوئے غیرت نہ آئی ایک وہ انسان جو سراپا خطا و نسیان ہو اس کو معصوم کیسے کہا جا سکتا ہے جب کہ یہ مسلمات میں سے ہے کہ پیکر بشری و صفوف انسانی میں صرف انبیاء و رسل ہی کو معصوم کہا جا سکتا ہے یہاں تک کہ صحابہ' تابعی' اہل بیت' اولیاء' شہدا' صالحین ان میں سے کسی کو بھی معصوم کہنا درست نہیں چنانچہ اہل سنت و اہل تشیع کا یہ ایک نزاعی مسئلہ ہے کہ ائمہ کو معصوم کہا جا سکتا ہے یا نہیں! اہل تشیع ائمہ کی عصمت کے قائل ہیں مگر اہل سنت کو اس سے اختلاف ہے۔ اس کے باوجود حضرات دیوبند کی نظر میں مولانا ٹانڈوی پیکر عصمت تھے اور سرکار دو عالم انہیں جیسے بشر۔

یہ ہے دیوبندی مشن کا نقطہ فکر اور مطمع نگاہ کہ اپنے مولانا کو حضرت سیدنا یوسف علیہ السلام کے دوش بدوش بٹھاؤ اور آقا دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنے جیسا بشر اور گاؤں کا چودھری کہہ کر اپنی ہی صفت میں انہیں جگہ دو محبوب خدا کے لئے تو یہ قانون ہے کہ ان کی تعریف بشر جیسی کر دیا اس سے بھی کم درجہ کی۔ مگر نانڈوی کو سراپا نور اور پیکر عصمت کہو اور جہاں کہیں موقع مل جائے انبیاء و رسل سے بھی دو چار ہاتھ آگے بڑھا دینا۔

لیجئے شیخ الاسلام ہی سے اس کی بھی شہادت پیش کئے دیتا ہوں۔ یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مولانا ٹانڈوی کی اقتداء میں نماز جمعہ ادا کی۔

شیخ الاسلام نمبر صفحہ ۱۶۴

"حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام گویا کسی شہر میں جامع مسجد کے قریب ایک حجرہ میں تشریف فرما ہیں اور متصل ایک دوسرے کمرے میں کتب خانہ ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کتب خانہ سے ایک مجلد کتاب اٹھائی جس میں دو کتابیں تھیں ایک کتاب کے ساتھ دوسری کتاب تھی وہ خطبات جمعہ کا مجموعہ تھا۔ اس مجموعہ خطبات سے وہ خطبہ نظر انور سے گزرا جو مولانا حسین احمد مدنی خطبہ جمعہ پڑھا کرتے ہیں۔ جامع مسجد میں بوجہ جمعہ مصلیوں کا مجمع بڑا ہے۔ مصلیوں نے فقیر سے فرمائش کی کہ تم حضرت خلیل اللہ سے سفارش کرو کہ حضرت خلیل اللہ علیہ السلام مولانا مدنی کو جمعہ پڑھانے کا ارشاد فرمائیں فقیر نے جرات کر کے عرض کیا تو حضرت خلیل علیہ السلام نے مولانا مدنی کو جمعہ پڑھانے کا حکم فرمایا مولانا مدنی نے خطبہ پڑھا اور نماز جمعہ پڑھائی حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مولانا کی اقتداء میں نماز جمعہ ادا فرمائی فقیر بھی مقتدیوں میں شامل تھا۔ فالحمد للہ علی ذلک حمداً کثیراً کثیرا حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام ضعیف العمر تھے۔ ریش مبارک سفید تھی۔"

میں سمجھتا ہوں تری عشق گری کو ساقی
کام کرتی ہے نظر نام ہے پیمانے کا

نوٹ: ہمیں اس مقام پر اس سے بحث نہیں کہ اس قسم کے عوامی خواب کو کسی کی تعریف و توصیف میں بطور سند پیش کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟ اور نہ تو یہ بحث چھیڑنی ہے کہ

حضرات دیوبند اپنے اکابر کے فضائل و مناقب خواب ہی کے راستے کیوں ثابت کرتے ہیں البتہ ماتم تو یہ کرنا ہے کہ اس بدنصیب نے جب خواب میں مولانا ٹانڈوی اور حضرت ابراہیم خلیل اللہ دونوں کو دیکھا تو حضرت خلیل اللہ کے بجائے ٹانڈوی سے جمعہ پڑھانے کی درخواست کیوں کی؟ بالفرض اگر مصلیوں کی خواہش پر حضرت خلیل اللہ نے ٹانڈوی صاحب کو نماز جمعہ پڑھانے کا اشارہ کیا تو چاہیے یہ تھا کہ مولانا ٹانڈوی اس کو سوادب سمجھتے ہوئے عرض کرتے کہ ایک نبی کی موجودگی میں غیر نبی کو امامت کا حق نہیں پہنچتا اور آج ہم سب کی سعادت اسی میں ہے کہ اللہ کے ایک برگزیدہ پیغمبر کی اقتدا میں اپنی نماز جمعہ ادا کریں مگر یہاں کا عالم تو یہ ہے کہ "اونٹ کی کون سی کل سیدھی" پیر و مرشد دونوں عظمت نبوت کے خلاف برسرپیکار ہیں۔

تعجب ہے کہ مولانا محمد میاں ناظم جمعیۃ العلماء پر جو شیخ الاسلام نمبر کے مرتب ہیں انہوں نے اس روایت کو شریک اشاعت کیوں کر لیا!

اے دوستو اب یہ فیصلہ تمہارے ہاتھ ہے کہ ایک نبی کی موجودگی میں غیر نبی کے پیچھے نماز پڑھنا قابل حمد و شکر ہے یا لائق تاسف؟

اگرچہ یہ زیارت خواب ہی میں نصیب ہوئی تاہم ٹانڈوی کے پیچھے تو اور بھی دنوں میں نماز پڑھی جاسکتی تھی مگر فیروز بختی اس میں تھی کہ خواب ہی میں مسجد کے ایک نبی کی اقتدا میں نماز ادا کر لی جاتی۔ کہنے والے نے سچ کہا

چمن کی بات ہو یا بزم ے کا نام آئے
لبوں پر تذکرہ یار آ ہی جاتا ہے

مولانا ٹانڈوی کے ساتھ ان کے نیازمندوں اور پجاریوں کی داستان محبت بہت طویل ہے اگر یہ واقعات اسی بسط و تفصیل سے قلمبند کیے گئے تو کتاب کی ضخامت کے بڑھ جانے کا اندیشہ ہے اس لئے اب انحصار سے کام لیتے ہوئے چند حوالہ جات اور حاضر کیے جاتے ہیں۔

مولانا ٹانڈوی انسانوں کی تقدیر و تصویر بدل دیتے تھے۔

شیخ الاسلام نمبر صفحہ ۱۵۶

"میرے بزرگو اور دوستو! یہ زندہ کرامت نہیں ہے کہ میں آوارہ گردوں کی صف

اول میں ممتاز حیثیت رکھتا تھا اور استاذ کہلاتا تھا مگر آج ۱۹۵۷ء میں شیخ الاسلام کے غلاموں میں ممتاز حیثیت دی گئی ہے مجاز کہلاتا ہوں۔"

کوئی اندازہ کر سکتا ہے اس کے زور بازو کا
نگاہ مرد مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

نوٹ: مولانا ٹانڈوی کی نظر کرم نے گداؤں کو شہنشاہی دی۔

شیخ الاسلام نمبر صفحہ ۱۵۴

آج اس مشفق مربی شیخ کامل کا ساتھ ہے
جن کی نظروں سے گداؤں کو شہنشاہی ملے"

نوٹ: جی ہاں مولانا ٹانڈوی کی ایک نظر کرم گدا بے نوا کو تاج شاہانہ عطا کرتی تھی اور لوگوں کی تقدیر بدل دیتی تھی۔

"مگر جس کا نام محمد یا علی ہے وہ کسی چیز کا مختار نہیں"

اور سنئے کہ ٹانڈوی اس دور کے عبداللہ ابن مبارک تھے۔

شیخ الاسلام نمبر صفحہ ۱۴۸

"ایک مرتبہ مجھ کو سوتے میں آواز آئی کہ مولانا حسین احمد صاحب اس دور کے عبداللہ ابن مبارک ہیں۔"

نوٹ: عبداللہ ابن مبارک ہی نہیں بلکہ خلاصہ کائنات تھے جیسا کہ گزشتہ صفحات میں گزر چکا ہے۔ یعنی

خدا کے لئے یہ تو مشکل نہیں
ہو عالم کا مجموعہ اک فرد واحد

مولانا ٹانڈوی امت کے آخری سہارا تھے۔ اب آج کے دیوبندی بے سہارے و بے یار و مددگار ہیں۔

شیخ الاسلام نمبر صفحہ ۹۷

"مگر اب آ مرے مسیحا دنیا میں تو اس وقت قیامت برپا ہے امت مرحومہ کا تو ایک ہی سہارا تھا سو قیامت میں ملنے کا وعدہ کر کے چلا گیا۔"

کیا خوب ہے۔

جاتے ہوئے کہتے ہیں کہ قیامت میں ملیں گے
کیا خوب قیامت کا ہے گویا کوئی دن اور

مولانا نانوتوی کی موت سے شریعت وطریقت کی عظمت لوٹ گئی۔

شیخ الاسلام نمبر صفحہ ۹۹

"ان کی موت سے شریعت وطریقت کی عظمت لٹ گئی علم وعرفان کی بزم سونی ہو گئی سلوک وتصوف کی خانقاہ اجڑ گئی عزم واستقلال کے بلند منارے زمین کے برابر ہو گئے۔"

نوٹ: رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو تو ہر دیوبندی اچھی طرح جانتا پہچانتا ہے کہ پیغمبر خدا دیوبندیوں کے بڑے بھائی تھے انہیں جیسے بشر تھے اپنی امت میں ان کا مرتبہ اتنا ہی بلند تھا جیسے گاؤں کا چودھری وغیرہ۔ مگر مولانا نانوتوی کے فضائل وکمالات کا اندازہ یہ ہر انسان کا کام نہیں ہے۔ ملاحظہ کیجئے۔

شیخ الاسلام نمبر صفحہ ٦٧

"آپ کے فضائل علمیہ اور کمالات باطنیہ کی صحیح اطلاع یا تو خداوند قدوس ہی کو ہو سکتی ہے یا ان اولیاء کرام اور علماء ربانیین کو ہو سکتی ہے جن کو مبدا فیاض نے چشم بصیرت عطا فرمائی ہے ہم جیسے کور چشم آپ کی ذات قدسی صفات کو کیا پہچان ہو سکتی ہے۔"

نوٹ: مولانا نانوتوی کے فاضل علمی کمالات باطنی کی باری آئی تو سارے دیوبندی چندھیا گئے آنکھیں خیرہ ہو گئیں۔ ان کے فضائل وکمالات کی اطلاع یا تو ذات احدیت کو ہو سکتی ہے۔ (ہو سکتی ہے سے یہ بات بھی مترشح ہوتی ہے کہ بالفعل اطلاع نہیں ہے اگر چاہے تو مطلع ہو سکتا ہے) یا پھر وہ اولیاء کرام جنہیں مبداء فیاض سے چشم بصیرت ملی ہو مگر محبوب خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے متعلق ہر دیوبندی اچھی طرح جانتا ہے کہ انہیں پیٹھ پیچھے کی خبر نہ تھی دیوار کے پیچھے کا علم نہ تھا وہ غیب نہیں جانتے تھے آخر یہ رسول دشمنی نہیں تو اور کیا ہے؟ ایک اور لطیفہ سنئے مولانا نانوتوی کی موت پر شاداب پھول پژمردہ ہو گئے اور پانی سیاہ

ہو گیا۔

کون اس باغ سے اے بادِ صبا جاتا ہے
رنگ رخسارِ سے پھولوں کے اڑا جاتا ہے

شیخ الاسلام نمبر صفحہ ۱۵۹

"مولوی شوکت علی بمبوی معلم دارالعلوم دیوبند حضرت کی خدمت میں پیش کرنے کے لئے چمپا کے پھول لائے۔ ایک بوتل میں پانی بھر کر پھول اس میں ڈال دیئے گئے اس طرح خوشنما بھی معلوم ہوتے ہیں اور ان کی عمر بھی چار ماہ ہو جاتی ہے یعنی چار ماہ تک پژمردہ نہیں ہوتے۔ حضرت ٹانڈوی نے اس ہدیہ کو مسرت سے قبول فرمایا اور حکم دیا یہ بوتل ان کے کمرے میں میز پر رکھ دی جائے چار ماہ کی بجائے تین سال تین ماہ گزر گئے تھے پھول اسی طرح تر و تازہ تھے ان کی تازگی میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔ مگر افسوس[1] پانچ دسمبر ۵۷ کے حادثہ جانکاہ کی تاب وہ بھی نہ لا سکے اور دفعتاً ان کی تازگی پژمردگی سے بدل گئی وہ سارے پھول سیاہ ہو گئے حتی کہ پانی میں سیاہی کا اثر آگیا۔"

نوٹ: شیخ الاسلام نمبر سے جتنے بھی شواہد پیش کئے جا رہے ہیں وہ ناظرین کے حق میں لمحہ فکریہ کی حیثیت رکھتے ہیں مقصود نگارش اس کے سوا کچھ بھی نہیں ہے کہ قارئین علماء دیوبند کی رسول دشمنی اور پیر پرستی کا موازنہ فرماتے ہوئے ان کے مشن کا صحیح جائزہ لیں بات اپنی طرف سے کچھ بھی نہیں کہی جا رہی ہے یہ جو کچھ بھی ہے انہیں کے گھر کا منتشر سرمایہ ہے جس کو میں نے سمیٹ کر یکجا کر دیا ہے مذکورہ بالا روایت کے تحت ناظرین خیال فرمائیں کہ اگر پانی مسلسل تبدیل ہوتا رہے تو چمپا کی عمر زیادہ سے زیادہ چار ماہ کی ہو جاتی ہے مگر حضرت شیخ کی خدمت میں پہنچنے کے بعد اس کی عمر ۳ سال اور ۳ ماہ کی ہو گئی اور ۵ دسمبر ۵۷ء جو مولانا ٹانڈوی کی تاریخ موت ہے اس حادثہ کا جھٹکا وہ بھی برداشت نہ کر سکا اور پژمردہ ہو گیا اور اتنا ہی نہیں بلکہ پھول و پانی سیاہ ہو گئے۔ نہ جانے کتنی سیاہ روح تھی نتیجہ یہ نکلا کہ پھول کی عمر کا بڑھنا اور اس کا یکایک پژمردہ ہونا' صاف شفاف پانی کا سیاہ ہو جانا' یہ تمام چیزیں مولانا ٹانڈوی

---

[1] تاریخ موت مولانا ٹانڈوی

کے زیر اختیار و اقتدار تھیں۔ اب انصاف پسندی کا تقاضا ہے کہ تقویۃ الایمان کا قانون یہاں جاری کیا جائے "اللہ صاحب کے اختیارات کسی بندے کو دنیا ایسے ہی ہے جیسے بادشاہ کا تاج چمار کے سر پر رکھ دیا جائے۔ مگر یہ سارے قوانین تو سرکار رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی کی بارگاہ میں نافذ کئے جاتے ہیں۔ بات مختصر سی یہ ہے کہ محبوب خدا کو گھٹانا اور اپنے علماء کو بڑھانا یہ دیوبندی مشن کا مطمح نظر اور کعبہ مقصود ہے۔

اسی ضمن میں ایک روایت اور بھی ملاحظہ فرمائیے کہ مولانا ٹانڈوی کے حکم پر دھوپ اور چھاؤں ہوتی تھی۔

شیخ الاسلام نمبر صفحہ ۱۶۱

"حضرت مولانا ٹانڈوی اور میاں سید بشیر الدین صاحب حضرت مولانا ٹانڈوی کی سسرال قتال پور ضلع اعظم گڈھ جا رہے تھے تینوں آدمی گھوڑے پر سوار تھے گرمی کی شدت سے پریشان تھے میں نے حضرت مولانا ٹانڈوی سے عرض کیا کہ دھوپ کی شدت سے سخت پریشانی ہے حضرت مولانا خاموش رہے تھوڑی دیر میں میں نے دیکھا کہ ابر کا ایک ٹکڑا نمودار ہوا اور بڑھتے بڑھتے ہم لوگوں پر سایہ فگن ہو گیا اور نہایت آرام سے ہم لوگ چلنے لگے۔ تھوڑی دیر کے بعد میں نے دیکھا کہ دور سے پانی آرہا ہے میں نے حضرت ٹانڈوی سے عرض کیا کہ حضرت وہ دھوپ ہی اچھی تھی اب بھیگے ہوئے سسرال پہنچیں گے حضرت مولانا پھر خاموش رہے یہاں تک کہ پانی سر پر آگیا لیکن خدا کی قدرت ہر چہار طرف پانی برس رہا تھا گھوڑے پانی پر چل رہے تھے لیکن ہم لوگوں پر پانی کا ایک قطرہ تک نہیں پڑ رہا تھا۔"

نوٹ: اگر آج ہم لوگوں کے زبان و قلم سے یہ نکل جائے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یہ جانتے تھے کہ بارش کب ہو گی' تو منہ چھٹتے ہی ہمیں مشرک کہا جاتا ہے لیکن مولانا ٹانڈوی صرف یہ نہیں جانتے تھے کہ بارش کب ہو گی' بلکہ دھوپ چھاؤں کا ہونا اور بارش بھی ایسی کہ ارد گرد ہو مگر پانی کا کوئی قطرہ مولانا ٹانڈوی اور ان کے ساتھیوں پر نہ پڑ سکے' یہ ساری باتیں ان کے اختیار میں تھیں گویا کہ جس قدر بھی یہ نظام عالم ہے وہ سب علماء دیوبند کے قبضہ قدرت میں ہے یہی وجہ ہے کہ مولانا تھانوی صاحب جب گھر سے باہر نکلتے تو

ابر کا سیاہ ہو جانا ضروری تھا' پھول کا شاداب رہنا اس کا مر جھانا' پانی کا سیاہ ہونا' ابر کا آنا اور بارش کا سونا یہ سب مولانا نانوتوی کے اختیارات تھے۔

اسی لئے تو حضرات دیوبند کا یہ کہنا ہے کہ مولانا نانوتوی انسان نہ تھے بلکہ اللہ تعالیٰ اپنی کبریائی پر پردہ ڈال کر آیا تھا' حوالہ جلد اول میں گزر گیا ہے اور مولانا نانوتوی پیکر عصمت تھے۔

ایسے ہی مولانا تھانوی کو اپنے اکمل ہونے کا یقین تھا جس کے نتیجے میں اپنے مریدین سے لا الٰہ الا اللہ اشرف علی رسول اللہ پڑھواتے تھے اور یہ مانی ہوئی بات ہے کہ ان حضرات کے لئے اعلیٰ سے اعلیٰ مقامات و مراتب ہی دل و دماغ تسلیم کر سکتا ہے جس کو گھڑے ہوئے کشف و کرامات سے بوجھل بنا دیا گیا ہو اور ایسے ہی رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنے جیسا بشر اور گاؤں کا چودھری وہی بد نصیب کہہ سکتا ہے جو آقا دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فضائل و کمالات سے قطعاً نا آشنا ہو۔ یہی وجہ ہے کہ علماء دیوبند اپنے بزرگوں کی قصیدہ خوانی میں زمین و آسمان کے قلابے ملاتے ہیں۔ اور رسول خدا کے بارے میں یہ تلقین کی کہ بشر جیسی تعریف کرو بلکہ اس سے بھی کم درجہ کی۔ اب یہیں پر مولوی نانوتوی جیسے صاحب کشف و کرامات کی دھینگا مشتی ملاحظہ کیجئے اور اندازہ کیجئے کہ وہ کن بزرگوں میں تھے۔

شیخ الاسلام نمبر صفحہ ۵

"والد صاحب چونکہ حضرت حاجی امداد اللہ حضرت گنگوہی اور حضرت شیخ الہند کی صحبت و خدمت میں عرصہ دراز تک رہے اس لئے حضرت کو ان سے گہرا تعلق تھا بے تکلفی کا یہ عالم تھا کہ والد صاحب ایک مرتبہ دیوبند آپ کی خدمت میں حاضر تھے حضرت (نانوتوی) نے فرمایا مٹھائی کھلایئے والد صاحب نے فرمایا کہ مٹھائی تو آپ کھلائے میں آپ کا مہمان ہوں مگر حضرت نے نہ مانا کچھ دیر تو اصرار کیا۔ لیکن جب اس طرح کام نہ چلا تو حضرت مولانا (نانوتوی) نے والد صاحب کو پچھاڑ کر ان کی جیب سے روپیہ نکال کر مٹھائی منگائی۔"

نوٹ: راوی یہ لکھنا بھول گیا کہ مولانا نانوتوی نے جب اس کے والد کو پچھاڑا تھا تو طلباء نے جوش مسرت میں قہقہے ہی پر اکتفا کیا یا نعرہ تکبیر بھی بلند کیا تھا بہر کیف خواہ قہقہے لگے ہوں یا نعرہ تکبیر کی صدائیں گونجی ہوں ہمیں تو ایک لمحہ کے لئے ناظرین کو صفحہ کتاب سے

ہٹا کر دیوبند کے دارالحدیث میں لے جاتا ہے اور دنیائے تصور میں اکھاڑ پچھاڑ کا یہ حسین منظر کہ مہمان نیچے ہے اور کئی من کا لاشہ اس کے سینے پر بیٹھ کر جیب سے روپیہ نکال رہا ہے اور یہ پچھڑا ہوا انسان مولانا نانڈوی کی جھاڑ پھونک سے چاروں شانے چت نہیں ہوا بلکہ لفظ "پچھاڑنا" خود بتا رہا ہے کہ کچھ دیر تک ہاتھاپائی ہوتی رہی اور داؤ پینترے چلے اس کے بعد کہیں مولانا نانڈوی اس پر قابو یافتہ ہوئے۔ یہ ہیں حضرات دیوبند کے کھدر پوش اجود ھیا باشی شیخ الاسلام جو انسان نہ تھے بلکہ اللہ تعالیٰ اپنی کبریائی پر پردہ ڈال کر آ گیا تھا۔

"۱۹۲۹ء میں امروہہ میں جمعیۃ العلماء ہند کا جو عظیم الشان اجلاس ہوا تھا اس موقع پر آم چل رہے تھے ہمارے یہاں مولانا نانڈوی کو دعوت دی گئی حضرت کے ساتھ مفتی اعظم حضرت مولانا کفایت اللہ صاحب بھی تھے گھر میں جب تشریف لائے تو گوشت کی ہانڈی پکی رکھی تھی حضرت نے ازراہ خوش طبعی و بے تکلفی ہانڈی سے ہی دہان مبارک لگا کر شوربا پینا شروع کر دیا۔ جملہ ہمراہی بشمول حضرت مفتی صاحب یہ دلچسپ منظر دیکھ کر بے ساختہ قہقہہ لگانے پر مجبور ہو گئے

اٹھو وگرنہ حشر نہ ہوئے پھر کبھی

دیکھو زمانہ چال قیامت کی چل گیا

نوٹ: کہاں تو اتباع سنت کا یہ عالم کہ سیوہارہ میں پیر کا دبانا خلاف سنت سمجھا گیا اور امروہہ پہنچ کر احتیاطی و تقویٰ کا سارا نشہ ہرن ہو گیا یہاں تک کہ میزبان سے استفسار کئے بغیر ہانڈی سے منہ لگا کر شوربہ پینا شروع کر دیا۔

دوستو! مجھے رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کا ایک واقعہ یاد پڑتا ہے۔ کہ ایک بار جان رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ازراہ شفقت و عنایت حضرت بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے کاشانہ پر تشریف لائے حضرت بریدہ نے چولھے پر ہانڈی چڑھا رکھی تھی آقائے نعمت جان رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا بریدہ ہانڈی میں کیا ہے؟ عرض کیا یا رسول اللہ! اس میں گوشت ہے سرکار نے ازراہ تلطف و مہربانی ارشاد فرمایا کیا اس میں میرا بھی حصہ ہے؟ حضرت بریدہ نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ صدقہ کا گوشت ہے اور سرکار نے اپنے اوپر صدقہ حرام فرمایا ہے۔ یہ سن کر آقا دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ

وسلم نے مسئلہ ارشاد فرمایا۔

لك صدقة ولنا هدية (اے بریدہ!) یہ تمہارے لئے تو صدقہ ہے
مگر ہمارے لئے ہدیہ ہے۔

عرض یہ کرنا ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سیرت و زندگی میں یہ بات نہیں ملتی کہ حضور نے بریدہ سے دریافت کئے بغیر ہانڈی سے کچھ نکالا ہو' چہ جائیکہ منہ لگا کر شوربہ پیا۔ اور تعجب ہے کہ دیوبندیوں کے مفتی اعظم مولوی کفایت اللہ صاحب جو بات بات میں استرا استرا کہہ کر سمجھانے کے عادی تھے وہ بھی اس دھماچوکڑی میں شریک تھے حالانکہ ان کی ذمہ داری تو یہ تھی کہ وہ مولانا ٹانڈوی کو مسئلہ سے آگاہ کرتے کہ فقہاء نے مہمان کو خوان کے بچے ہوئے شوربے کو پینے سے منع فرمایا ہے چہ جائیکہ دستر خوان پر آنے سے پہلے اس کا صفایا کر کے میزبانی کی ہانڈی لوٹی جائے۔

اب دو ایک روائتیں اور بھی ملاحظہ فرمایئے جو مولانا قاسم نانوتوی اور مولانا ٹانڈوی کے مرض الموت سے متعلق ہیں۔ مگر اس سے پہلے سیدنا امام احمد رضا بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر دیوبندی گروپ کا ایک ناروا جارحانہ حملہ کا ملاحظہ کر لینا ضروری ہے۔

وفاداری مرا شیوہ جفاکاری شعاری ان کا
میں اپنی سی کہے جاؤں وہ اپنی سی کئے جائیں

رسالہ "الاحسان" جلد دوم شمارہ نمبر ا محرم الحرام ۷۵ ۱۳ھ / ستمبر ۱۹۵۵ء
زیر عنوان مسائل شہریہ صفحہ ۳

"اور یہ بالکل ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص اپنے متخلفین سے یہ وصیت کر جائے کہ میرے لئے ہفتہ میں دو تین بار فلاں فلاں کھانوں میں سے کچھ اشیاء بھیج دیا کریں اور منجملہ ان اشیاء کے دودھ کا برف خانہ ساز بھی ہو تو قابل غور بات یہ ہے کہ اگر کوئی خلف سعادت دسمبر اور جنوری میں اس وصیت پر عمل کر گزرے تو نہ جانے اس شخص کا عالم قبر میں کیا حال ہو گا اور خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ فاتحہ کا ایصال ہو گا یا ایصال عذاب۔

نوٹ: "الاحسان" کی مندرجہ بالا عبارت وصایا شریف سے متعلق ہے احسان فروش

ایڈیٹر کو زحمت نہ ہو تو اپنے گھر کی ایک کہانی سن لیں۔

وصایا شریف کا یہ جملہ "دودھ کا برف خانہ ساز ہو" تو آپ کی نظر میں کھٹک گیا مگر یہ خیال نہ رہا کہ اس وصیت میں غرباء و مساکین کی کتنی رعایت ہے وصیت کرنے والا خود اپنے لئے بے چین نہیں ہے بلکہ اس کی خواہش یہ ہے کہ مری فاتحہ میں مریدین و متوسلین کے ساتھ غرباء و مساکین کو عمدہ چیزیں دستیاب ہو جائیں جو ان کی فرحت و انبساط کا زیادہ باعث ہوگی چونکہ ناداروں کو اچھی چیزیں مشکل سے دستیاب ہوتی ہیں۔

یہ بات تو قابل تعریف ہے نہ کہ لائق مذمت' البتہ اپنے بزرگوں کی شکم پروری و لذت نفس کی روایت ملاحظہ کیجئے کہ مرض الموت میں کلمہ درود پڑھنے یا عزیز و اقارب و غرباء کے حق میں کلمہ خیر کہنے کے بجائے سردہ اور ککڑی کے لئے دل بے چین تھا اور زبان پر روح اٹکی ہوئی تھی یہاں تک کہ مرتے مرتے مولانا ٹانڈوی کے لئے لاہور اور کراچی سے سردہ منگایا گیا اور مولانا قاسم کے لئے لکھنو سے ککڑی منگائی گئی۔

اب فرمایئے ان حضرات کے بارے میں کیا فیصلہ ہے؟

تمناؤں کی قتل عام کیوں ہے سوچتا ہو گا
ہمیں پر بارشِ احکام کیوں ہے سوچتا ہو گا

شیخ الاسلام نمبر صفحہ ۱۱۴

"کون سمجھ سکتا ہے کہ اس خواہش میں بھی سنت اسلاف اور طلب رضا الٰہی کا کہاں تک جذبہ تھا اور اپنی طبعی خواہش کا کیا حصہ تھا اور یہ بھی عجیب اتفاق ہے کہ حضرت نانوتوی کے لئے لکھنو سے ککڑی منگوائی گئی تھی تو حضرت (ٹانڈوی) کے لئے مولانا سجاد حسین صاحب کی معرفت کراچی سے اور مولانا حامد میاں صاحب نے لاہور سے سردہ بھیجا تھا۔"

مرا ہی نام زمانہ نے کر دیا بدنام
میں جس کے نام پہ مرتا ہوں اس کا نام نہیں

نوٹ: مدیر احسان فروش کو اب تو ہوش آیا ہو گا کہ ان کے اکابر کی جان اس وقت تک نہ نکلی جب تک کہ سردہ اور ککڑی سے پیٹ نہ بھر لیا۔

یہ بھی کیا خوب رہی کہ سردہ اور ککڑی کے طلب کرنے میں طلب رضا الٰہی کو دخل تھا "مارے گھٹنا پھوٹے آنکھ" والا مضمون ہے طلب رضا الٰہی اور کہا لذت نفس و طبعی خواہش آخر یہ کیا بے جوڑ پیوند ہے بچ جائے عقیدت و محبت کے روگی مریض غلو محبت میں حقائق سے منہ موڑ کر کچھ ایسی ہی اٹاٹنگ شعائگ ہانکا کرتے ہیں سیدنا امام احمد رضا خان کی وصایا شریف میں کیڑے نکالنے والے بھی اپنے اکابر کے "ہائے پیٹ" و "ہائے نفس" کا نعرہ سماعت فرمائیں تو وصایا کی عبارت خود ہی سمجھ میں آجائے گی۔ ہاں ایک جگہ یہ بھی ارشاد فرمائیں کہ ککڑی اور سردہ کے طلب کرنے میں طلب رضا الٰہی کو دخل تھا اور ساتھ ہی ساتھ سنت اسلاف کا جذبہ بھی کار فرما تھا تو سنت اسلاف کا جذبہ محض ککڑی اور سردہ ہی کھانے تک محدود تھا یا میلاد و قیام تک بھی اس کی رسائی تھی اس کو تو آپ بھی جانتے ہوں گے کہ آپ سب کے روحانی گرو دادا حاجی امداد اللہ صاحب سال میں محفل میلاد شریف منعقد کرتے اور کھڑے ہو کر سلام پڑھنے میں لذت محسوس کرتے۔

پھر کیا ہوا کہ میلاد و قیام کے اجتماع میں آپ حضرات نے اپنے اسلاف سے رشتہ و ناطہ توڑ دیا۔ اب آپ لوگوں کے یہاں حاجی امداد اللہ صاحب اسلاف کے بجائے اخلاف میں شمار کئے جانے لگے یہ تو وہی مضمون ہے "میٹھا میٹھا ہڑپ اور کڑوا کڑوا تھو" قارئین اس حقیقت کو کبھی بھی فراموش نہ فرمائیں کہ شریعت سے مذاق و استہزاء علماء دیوبند کے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے لذت نفس پر طلب رضا الٰہی کا لیبل اور میلاد شریف کو کھیا کے جنم سے تشبیہ دینا یہ تو ان کا صبح و شام کا مشغلہ ہے۔ مذکورہ بالا روایت کی تفصیلی کڑی بھی ملاحظہ کر لیجئے تو بات آگے بڑھائی جائے۔

شیخ الاسلام نمبر صفحہ ۱۴۴

"کچھ عجیب اتفاق ہے کہ عموماً تمام مشائخ اور خصوصاً مولانا محمد قاسم نے آخر وقت میں پھل کی خواہش کا اظہار فرمایا چنانچہ مولانا محمد قاسم کے لئے لکھنؤ سے ککڑی منگائی گئی تھی حضرت (نانوتوی) نے بھی آخر میں "سردے" کی خواہش کا اظہار فرمایا اور منجانب اللہ اسلاف کی سنت پر طبیعت اس درجہ مجبور ہوئی کہ جب مولانا محمد قاسم اور مولانا محمد مشاہد فاخری ملاقات کو تشریف لائے تو فرمایا کہیے کیا آج کل

سردا نہیں مل سکتا؟؟ انہوں نے عرض کیا حضور ضرور مل جائے گا چونکہ اس سے قبل مولانا اسعد صاحب مولانا فرید الوحیدی صاحب وغیرہ نے دہلی، سہارنپور، میرٹھ ہر جگہ تلاش کیا مگر کہیں دستیاب نہ ہوا۔"

نوٹ: دوصیلا شریف پر اعتراض کرنے والے بھی گریبان میں منہ ڈال کر اپنے اسلاف و بزرگوں کی خواہش نفس کا جائزہ لیں۔

اور انتہا ہی نہیں کہ محض گگری اور سردہ کے لئے ان کے اکابر نے سر پیا ہو بلکہ موت کے چنگل میں کلمہ، درود شریف، سورہ یٰسین پڑھنے پڑھانے کے بجائے مولانا ٹانڈوی "الو" کا تذکرہ کر رہے تھے ملاحظہ فرمایئے۔

گلشن، قفس، بہار، گریباں، جنوں، خرد
مربوط ان سے بزم خرافات ہو گئی

شیخ الاسلام نمبر صفحہ ۱۱۳

"والدہ سے پوچھا کیا اب بھی ٹانڈے میں تمہارے مکان پر "الو" بولتا ہے ہمیشہ صبح کے وقت ایک مخصوص مقام پر بیٹھ کر وہاں الو بولتا رہا ہے۔ والدہ نے عرض کیا جی ہاں فرمایا ہاں ہمارے بچپن میں اسی جگہ املی کا بہت بڑا درخت تھا اس پر ہمیشہ ایک الو بولتا تھا وہ حسب عادت آج بھی بولتا ہے۔ میں نے عرض کیا حضرت یہ کیا ضروری ہے کہ جو اس وقت بولتا تھا آج بھی وہی ہو فرمایا ہاں بھائی اس کی عمریں چھ چھ سو سال تک کی ہوتی ہیں۔ پھر والدہ سے مخاطب ہوئے "اللہ داد پور" ہمارے بچپن میں اس قدر آباد تھا کہ حیرت ہوتی ہے وہ سب لوگ کہاں گئے فرمایا کہ والدہ کہتی تھیں کہ ایک زمانہ میں ہر طرف بڑے بڑے لوگوں کی چارپائیاں بچھی ہوتی تھیں اور مال و دولت کی فراوانی تھی لوگوں کی کثرت تھی پھر والدہ سے اظہار رائے کے طور پر فرمایا کہ اس "الو" کے بارے میں سنا ہے کہ یہ بہت ہی منحوس ہوتا ہے والدہ نے کہا جی ہاں جہاں بولتا ہے وہ جگہ اجاڑ ہو جاتی ہے فرمایا کہ سب تو مر گئے اب کسے لے جانا چاہتا ہے۔"

نوٹ: اس روایت کا آخری ٹکڑا قابل غور ہے کہ "سب تو مر گئے اب کسے لے جانا چاہتا

ہے "یعنی مولانا نانوتوی قضاء و قدر سے نہیں مرے بلکہ انہیں "الو" لے گیا اور انہیں کو کیا ہمارے خاندان کو وہی ایک "الو" لے گیا الو کی نحوست پر اتنا اعتقاد اور دوسری طرف خداوند قدوس سے بھی اعتقاد و توکل جاتا رہا۔

کہاں کھولے ہیں گیسو یار نے خوشبو کہاں تک ہے

اب شیخ الاسلام نمبر سے ایک ایسی روایت نقل کرتا ہوں جو علماء دیوبند کی ایک بہت ہی معرکۃ الآرا بحث پر ضرب کاری کا کام کرتی ہے۔ جس بحث کا تذکرہ بعد میں فاران نے بھی توحید نمبر میں بڑی شد و مد سے کیا ہے۔ پہلے فاران کی بات سنئے پھر شیخ الاسلام نمبر کی روایت۔

فاران توحید نمبر صفحہ ۴۰

"رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جس درخت کے نیچے صحابہ کرام سے بیعت لی تھی اور جس کا ذکر خود قرآن کریم میں آیا ہے اور لقد رضی اللہ عن المومنین اذ یبایعونک تحت الشجرۃ، یہ درخت برکت کا کتنا بڑا اثر و نشان ہو سکتا تھا مگر حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ دیکھ کر کہ لوگ اس درخت کے پاس کثرت سے آنے جانے لگے تھے اور خطرہ ہو گیا تھا کہ حضرت کا علم کہیں مسلمانوں کو بے احتیاطی میں مبتلا کر دے اور آنے والی نسلیں اس درخت کو نشان تعظیم نہ بنا لیں حضرت عمر نے اس درخت ہی کو جڑ سے کٹوا دیا۔"

دل میں طوفان دبا آنکھوں میں کمال اشتعال
عشق سے پہلے مذاق عاشقی پیدا کرو

نوٹ: یہ بات تو تفصیل طلب ہے کہ حضرت عمر فاروق نے اس درخت کو کٹوایا تھا یا وہ از خود غائب ہو گیا تھا جیسا کہ بعض محققین کی رائے ہے۔ بہر حال اگر اسی خیال کے تحت حضرت فاروق اعظم نے اس کو کٹوایا تو اب سنئے شیخ الاسلام مولانا حسین احمد کی بدعت پرستی ملاحظہ فرمائیے جو حضرت فاروق اعظم سے اعلان جنگ کے مترادف ہے ماہر صاحب سنئے اور سر پیٹیے

ہنر کسے نہ کرے سن تو لے مری فریاد
نہیں ہے داد کا طالب یہ بندۂ آزاد

چھوڑ کر کوئی ببول کے درخت کی پوجا پاٹ میں لگ جاتا البتہ یہ اندیشہ دیو بند میں زیادہ قرین قیاس ہے کہ گنبد خضرانہ سہی تو وہ ببول ہی سہی جس کے نیچے بیعت رضوان ہو چکی ہے اور اس کے نیچے بیٹھنا تو در کنار بلکہ اندیشہ ہے کہیں اس کی پتی 'پھول' چھال' جڑ تک کو بھی لوگ کھاتے ہوں جیسا کہ اہل نانوتہ قبر کی مٹی تک اکھاڑ لاتے اور بازو پر باندھتے جہاں بدعت پرستی کا یہ عالم ہو وہاں یہ اندیشہ اور بھی زیادہ قوی ہو جاتا ہے مگر جناب ٹانڈوی نے اس کی کوئی فکر نہ کی خواہ اس فعل سے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روح کو صدمہ پہنچے یا دیو بند میں اس کو نشان تعظیم بنالیا جائے انہیں تو اپنے ساتھیوں سے غایت درجہ کی مشابہت پیدا کرنی مقصود تھی۔

دست جنون نے ایسی اڑائی ہیں دھجیاں
چھوڑا نہ ایک جیب و گریباں کے تار کو

ماہر صاحب! اگر میرے یہ جملے بار خاطر نہ ہوں تو یہ عرض کر دینا ضروری جانتا ہوں کہ توحید نمبر کی اشاعت سے پہلے آپ نے یہ طے کر لیا تھا کہ علماء دیو بند کی تائید و حمایت کا پورا پورا حق ادا کیا جائے گا خواہ باتیں سراسر غلط ہی کیوں نہ کہتے ہوں اور اس پر تماشا یہ کہ خود آں بدولت علماء دیو بند کے عقائد سے کماحقہ 'واقف نہیں ہیں۔

مسئلہ وسیلہ و استمداد کارد کرتے ہوئے آپ توحید نمبر میں ایک مقام پر رقمطراز ہیں۔

فاران توحید نمبر صفحہ ۱۶

"کربلا میں حضرت امام حسین علیہ السلام اور اہل بیت کرام پر قیامت گزر گئی مگر ان نفوس قدسیہ میں سے کسی نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو امداد کے لئے پکارا نہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی دہائی دی۔"

نوٹ: ماہر صاحب! آپ کربلا پہنچ گئے مگر تھانہ بھون کی سیر کئے بغیر پہنچے اسی لئے آپ نے بڑی گہری ٹھوکر کھائی ہے حالانکہ آپ کو یہاں کی خبر لینے کے بعد کربلا کی خبر لینی تھی اب سنئے اپنے مولانا تھانوی کا عقیدہ کہ وہ نبی و غیر نبی سے استمداد و توسل کے کتنی شدت سے قائل ہیں۔ ناظرین سے گزارش ہے کہ وہ حسب ذیل روایت پر کڑی نگاہ رکھیں۔

نشر الطیب فی ذکر النبی الحبیب مصنفہ مولانا تھانوی صفحہ ۲۸۳

"مضمون دوم متعلق فصل ۳۸ جس میں آپ کے ساتھ توسل حاصل کرنے کی برکت مذکور ہے عطر الوردہ میں قصیدہ بردہ کے برکات میں لکھا ہے کہ صاحب قصیدہ یعنی امام عبداللہ شرف الدین محمد بن سعد بن معاذ بوصیری قدس سرہ کو فالج ہو گیا تھا جس سے نصف بدن بیکار ہو گیا انہوں نے بالہام ربانی یہ قصیدہ تصنیف کیا اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت سے خواب میں مشرف ہوئے آپ نے اپنا دست مبارک ان کے بدن پر پھیر دیا یہ فوراً شفایاب ہو گئے اور یہ اپنے گھر سے نکلے تھے کہ ایک درویش سے ملاقات ہوئی اور اس نے درخواست کی کہ مجھ کو وہ قصیدہ سنا دیجئے جو آپ نے مدح نبوی میں کہا ہے انہوں نے پوچھا کون سا قصیدہ؟ انہوں نے کہا کہ جس کے اول میں یہ ہے امن تذکر جیران بذی سلم ان کو تعجب ہوا کیونکہ انہوں نے کسی کو اطلاع نہیں دی تھی اس درویش نے کہا کہ واللہ میں نے اس کو اس وقت سنا ہے جب کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں پڑھا جا رہا تھا اور آپ خوش ہو رہے تھے سو انہوں نے وہ قصیدہ اس درویش کو دے دیا اور اس کی شہرت ہو گئی اور شدہ شدہ یہ خبر صاحب بہاء الدین وزیر ملک ظاہر کو پہنچی اس نے نقل کرایا اس کے گھر والے اس سے برکت حاصل کرتے تھے اور انہوں نے بڑے بڑے آثار اس کے اپنی دینی دنیاوی امور میں دیکھے (ص ۳۸۴) اور سعد الدین خارقی جو کہ توقیع نگار وزیر مذکور تھا آشوب چشم میں مبتلا ہوا قریب تھا کہ آنکھیں جاتی رہیں کسی نے خواب میں کہا کہ وزیر کے پاس جا کر اس سے قصیدہ بردہ لے کر آنکھوں پر رکھو چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا اور بیٹھے بیٹھے اس کو پڑھا فی الفور اللہ تعالیٰ نے اس کو شفا بخشی اور رسالہ نیل الشفاء مولفہ احقر (تھانوی) میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نقشہ نعلین شریف برکات و خواص مذکور ہیں جب صرف ان الفاظ میں جو کہ آپ کے معنی و مدح کے صورت و مثال ہیں اور پھر ان نقوش میں جو کہ ان الفاظ پر دال ہیں اور اس ملبوس میں جو کہ آپ کی نعال ہیں اور پھر ان نقوش میں جو کہ ان نعال کی تمثال ہیں سو جو خود آپ کی مجمع الکمالات و اسماء جامع البرکات سے توسل حاصل کرنا اور اس وسیلہ سے دعا کرنا کیا کچھ نہ ہو گا۔"

نشر الطیب صفحہ ۲۴۱

یاشفیع العباد خذ بیدی انت فی الاضطرار معتمدی
دستگیری کیجئے میرے نبی کشمکش میں تمہیں ہو مرے نبی
لیس لی ملجا سواك اغث مسنی الضر سیدی سندی
جز تمہارے کہاں ہے مری پناہ فوج کلفت مجھ پر غالب ہوئی
غشنی الدھر یا ابن عبد اللہ کن مغیثا فانت لی مددی
اے ابن عبداللہ زمانہ میرے خلاف ہے اے مرے مولا خبر لیجئے مری
یا رسول اللہ بابك لی من غمام الغموم ملتحدی
میں ہوں بس اور آپکا دریا رسول اللہ ابر غم گھیرے نہ پھر مجھ کو کبھی

صفحہ ۳۵۹

"مشکوۃ شریف میں حضرت انس سے روایت ہے کہ حضرت عمر جب لوگوں پر قحط ہوتا تو حضرت عباس بن عبدالمطلب کے واسطہ سے دعا بارش کیا کرتے اور فرماتے کہ اللہ ہم "پہلے" آپ کے دربار میں اپنے نبی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کا توسل کیا کرتے تھے آپ ہم کو بارش دیتے تھے اور اب ہم آپ کے دربار میں اپنے پیغمبر کے چچا کا توسل کرتے ہیں سو ہم کو بارش دیجئے چنانچہ بارش ہوتی تھی روایت کیا اس کو بخاری نے۔"

ف: اس حدیث سے غیر نبی کے ساتھ بھی توسل جائز نکلا جب کہ اس کو نبی سے کوئی تعلق ہو قرابت حسیہ یا قرابت معنویہ کا تو توسل بالنبی کی ایک صورت یہ بھی نکلی اور اہل فہم نے کہا ہے کہ اس پر متنبہ کرنے کے لئے حضرت عمر نے حضرت عباس سے توسل کیا نہ اس لئے کہ پیغمبر صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے ساتھ وفات کے بعد توسل جائز نہ تھا جب کہ دوسری روایت سے اس کا جواز ثابت ہے اور یہ کہ اس توسل پر کسی صحابہ سے نکیر منقول نہیں اس لئے اس میں اجماع کے معنی آگئے۔

ہوا ہے مدعی کا فیصلہ اچھا مرے حق میں
زلیخا نے کیا خود چاک دامن ماہ کنعاں کا

نوٹ: ماہر صاحب! اب فرمائیے کہ بات آپ کی صحیح ہے یا آپ کے حکیم الامت کی؟ آپ کے حکیم الامت تو قصیدہ بردہ شریف نقشہ نعل پاک اور حضرت عباس تک سے توسل کے قائل ہیں بلکہ وہ یہاں تک فرماتے ہیں کہ اس پر کسی صحابہ سے نکیر منقول نہیں لہٰذا اس کی حیثیت اجماع کی ہو گئی ہے اب اگر زحمت نہ ہو تو آپ اپنے دارالعلوم دیوبند سے استفتاء کر لیں کہ اجماع کا منکر گمراہ ہے یا کافر؟ دیکھئے آپ کے بارے میں کیا حکم نافذ ہوتا ہے فتویٰ دیکھتے ہی تائید و حمایت کا سارا نشہ ہرن ہو جائے گا اسی لئے میں نے عرض کیا تھا کہ آپ کو کربلا جانے سے پہلے تھانہ بھون جانا چاہیے تھا۔

ماہر صاحب! آپ نے واقعہ کربلا میں تصویر کا محض ایک ہی رخ ملاحظہ فرمایا ہے یعنی اگر سرکار حسین کی نظر میں توسل واستمداد درست ہوتا تو سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یا مولائے کائنات علی مشکل کشا کو امام حسین میدان کربلا میں پکارے ہوتے اور نہ پکارے تو آپ نے عدم جواز کی دلیل سمجھا۔ اے کاش! آپ اتنا غور کرتے کہ میدان کربلا میں امام حسین کس مقصد کے تحت خیمہ زن ہوئے ہیں۔ کیا میدان کربلا میں سرکار حسین اپنے والد محترم یا نانا جان کی کرامات و اعجاز کا مظاہرہ کرنے گئے ہیں یا اس کے سوا کچھ اور مقصد ہے۔ اگر مقصد وہ ہوتا جیسا کہ آپ بہ گمان خویش سمجھ بیٹھے ہیں تو یقیناً آپ اپنے سوال میں حق بجانب ہوتے مگر مقصد حسین کرامات کا اظہار نہیں ہے مگر عزم و استقلال کی ایک نئی تاریخ مرتب کرنی تھی۔ چنانچہ سرکار حسین موت کی آنکھوں میں ڈال کر مسکرائے ایک ایک کالاشہ اپنے کندھے پر اٹھایا علی اصغر جیسے معصوم بچے کو اپنی گود میں دم توڑتے دیکھا مگر صبر و شکیب کا دامن نہ چھوٹا اور پائے استقامت میں کوئی لغزش اور ڈگمگاہٹ نہ آئی۔ امام حسین کا عظیم مقصد ورنہ یزیدی فوج کی پسپائی و تباہ کاری کیلئے نہیں بلکہ اتمام حجت کی خاطر خود سرکار حسین نے میدان کربلا میں بسا اوقات اپنی کرامات کا اظہار فرمایا ہے اور اسی سلسلہ میں اسماعیل ما زندرانی کا ایک واقعہ بڑی ہی شہرت رکھتا ہے۔

ماہر صاحب! توحید نمبر میں تو آپ نے حق پسندی کو بالائے طاق رکھ کر قسم کھالی ہے کہ بات بھی کہی جائے وہ تعصب کی جنبہ داری کے ماتحت ہو ورنہ وہ بات ہی کیا جو اس سے الگ تھلگ رہے۔ چنانچہ آپ اپنی حسب ذیل تحریر کا جائزہ لیجئے کہ واقعتاً یہ ایمان و عقل کی آواز

ہے یا دارفتگی عقل کی۔

اے دوست اپنے غم سے کر اس در جہ دل فگار
فطرت بھی رحم کھائے تو درماں نہ کر سکے

فاران توحید نمبر ۲۲

"آپ "یعنی رسول اللہ کے صاحبزادے حضرت ابراہیم وفات پاتے ہیں تو آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے ہیں ظاہر ہے کہ آپ کے اختیار میں ہوتا تو بھلا لخت جگر کو مرنے دیتے۔"

یہ ہے تنقیص رسالت اور توہین نبوت کا وہ غارت گر ایمان جذبہ شیطنت جو علماء دیوبند کی وفاداری میں بار بار توہین نبوت پر اکساتا رہتا ہے۔ آپ ہی فرمایئے آخر ش یہ کہہ کر آپ نے کون سا بڑا تیر مارا۔ کیا خدا نہ کردہ ہم میں سے کسی نے رسول اللہ کو خدا کہا ہے معاذ اللہ البتہ ذرا زحمت فرما کر دیوبند تشریف لایئے اور دیکھئے کہ آپ کے تیر نے کتنوں کو گھائل کیا ہے آپ کے مولانا محمود الحسن مولانا رشید احمد گنگوہی کے مرثیے میں فرماتے ہیں۔

مردوں کو زندہ کیا اور زندہ کو مرنے نہ دیا
اس مسیحائی کو دیکھیں ذری ابن مریم

کسی کو مرنے نہ دینا یہ تو مولانا گنگوہی کی شان تھی البتہ اب آپ قاری طیب صاحب سے دریافت کیجئے کہ جب مولانا گنگوہی کی یہ شان تھی کہ وہ زندوں کو مرنے نہ دیتے تو خود آں بدولت کیوں مر گئے؟ آپ سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لخت جگر کی وفات پر ہمیں طعنہ دینے کے بجائے علماء دیوبند سے پوچھئے کہ جن گنگوہی صاحب کو آپ حضرات نے تخت خداوندی پر بٹھایا تھا اور قضاء وقدر جن کے قبضہ قدرت میں تھی وہ کیوں مر کر مٹی میں مل گئے۔ برا ہو اس تعصب اور فرقہ بندی کا جس نے آپ کو حقیقت سے اتنا دور کر دیا اور اندھا بنا دیا کہ آپ یہ بھی نہ دیکھ سکے کہ میرے ترکش کا تیر کس کے دل میں پیوست ہو رہا ہے۔

میں اس عارفانہ تجاہل کے صدقے
ہر اک دل کو چھیدا مرا دل سمجھ کے

ماہر صاحب اب دامن بچا کر گزرنے کی کوشش نہ کیجئے آپ کے دل کا چور گرفت میں

آچکا ہے

عبث ہے اب یہ بیگانہ نگاہی
کہ دل نے تیرے دل کی بات پالی

علماء دیوبند کی جبہ داری میں اپنی چند سطریں اور ملاحظہ فرمایئے۔

فاران صفحہ ۳۵

"اگر بزرگان دین کے ولادت ووفات کے یوم منانے کو اسلام میں پسندیدہ سمجھا جاتا ہے تو انبیاء سابقین ایک دوسرے کا یوم ولادت ووفات ضرور مناتے۔"

نگاہ غور سے دیکھو تو عقدہ صاف کھل جائے
وفا کے بھیس میں بیٹھا کوئی بے وفا ہو کر

نوٹ: ماہر صاحب اگر واقعتہً یہ آپ کے دل کی آواز ہے تو مجھے بھی کہنے دیجئے کہ اگر "توحید نمبر" کی اشاعت کو اسلام میں پسندیدہ سمجھا جاتا ہے تو انبیاء ورسل ضرور اس کی اشاعت فرماتے اور اسلام وائمہ دین وشریعت ہدایہ 'فتح القدیر' شامی 'عالمگیری' بحر الرائق' فتاوی قاضی خاں حسامی 'توضیح' تلویح کی ترتیب وتدوین میں مشغول ہونے کے بجائے توحید نمبر کی اشاعت کرتے مگر ہمیں تو اسلاف میں اس کی کوئی مثال نہیں ملتی۔ آپ پھر اسی صفحہ پر تحریر فرماتے ہیں۔

فاران صفحہ ۳۵

"یہ مروجہ مولود نہ سنت رسول ہے نہ اسوہ صحابہ اور نہ طریق سلف صالحین بلکہ سنت ملوک ہے۔"

ماہر صاحب اب مجھے کہنے دیجئے کہ توحید نمبر کی اشاعت نہ سنت رسول ہے نہ اسوۂ صحابہ اور نہ طریق سلف صالحین بلکہ سنت صحافت ہے۔ کیا آپ کی نظر میں سنت صحافت بھی کوئی دلیل ہے اگر ہو سکے تو یہ بھی فرما دیجئے کہ "مروجہ مولود" اگر سنت سلف صالحین بھی نہیں ہے تو دیوبندیوں کے مقتدا و پیشوا حاجی امداد اللہ یہ سلف صالحین سے تھے یا سلف فاسقین سے معاذ اللہ۔

ماہر صاحب آپ نے اپنے اداریے میں ایک جگہ یہ تحریر کیا ہے۔

فاران صفحہ ۴۳

"اس باب کو ختم کر دینے سے پہلے اس بات کا اظہار کر دینا ضروری سمجھا گیا کہ ہم نے جگہ جگہ ایک گروہ اہل بدعت جو کہا ہے بعض حضرات کو غالباً گراں گزرے کہ یہ جدال احسن کی راہ نہیں ہے اس کے جواب میں گزارش یہ ہے کہ جن لوگوں کا اوڑھنا بچھونا بدعات ہوں ان کو بدعتی نہ کہیں تو آخر کیا کہیں۔"

کچھ نہ صیاد کا شکوہ نہ گل چیں کا گلہ
اپنے ہاتھوں سے جلایا ہے نشیمن اپنا

ماہر صاحب! میں بھی اس سلسلہ کو ختم کرتے ہوئے اس امر کا اظہار ضروری جانتا ہوں کہ میں نے بھی جگہ جگہ ایک فرقہ کو دریدہ دہن 'گستاخ' بے ادب 'شاتم رسول کہا ہے۔ ممکن ہے یہ باتیں ان پر یا آپ پر بار خاطر گزریں تو جواباً عرض ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں گستاخی 'بے ادبی و دریدہ دہنی جن لوگوں کا اوڑھنا بچھونا ہوا نہیں شاتم رسول نہ کہا جائے تو کیا کہا جائے!

"تم عنایت جو نہ کرتے تو عنایت ہوتی"

اور اتنی بات تو آپ بھی فرما چکے ہیں کہ علماء دیوبند غیر محتاط و غیر معتدل' بے قرینہ 'بد سلیقہ ہیں لہٰذا اگر دریدہ دہن و گستاخ و بے ادب کہنے کی اجازت نہیں ہے تو یہی کہنے دیجئے کہ علماء دیوبند بے قرینہ و بد سلیقہ ہیں۔

ماہر صاحب! علماء دیوبند کی بد سلیقگی پر ایک آپ ہی ماتم گسار نہیں بلکہ اس انجمن میں آپ کے بہت سے ساتھی براتی ہیں' لیجئے اپنے کھدر پوش خدا مولوی حسین احمد صاحب کے بارے میں اپنے امیر کارواں مولوی سید ابوالاعلیٰ مودودی کی رائے ملاحظہ کیجئے معاف فرمایئے گا آپ ہی کے انداز بیان نے اس سلسلہ کو دراز کر دیا ہے ورنہ حقیقت تو یہ ہے

قربت کی آرزو کا گنہ گار ہی سہی
بخشا اس آرزو کو سہارا خود آپ نے

مسئلہ قومیت صفحہ ۵۲ مرتبہ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی

"اس سلسلہ میں ڈاکٹر اقبال کے متعلق (مولوی حسین احمد صاحب) فرماتے ہیں کہ

ان کی ہستی کوئی معمولی ہستی نہ تھی وہ ایسے تھے اور ویسے تھے مگر باوجود کمالات گونا گوں کے ساحرین برطانیہ کے سحر میں مبتلا ہو گئے تھے۔"

نوٹ: یعنی مولانا ٹانڈوی کی نگاہ میں ڈاکٹر اقبال برٹش گورنمنٹ کے ہاتھ کٹھ پتلی بن چکے تھے واہ رے دیدہ دلیری' ہندوستان کا وہ مانا ہوا شاعر جس نے قوم کو جگانے اور بیدار کرنے میں اپنا ریکارڈ قائم کر دیا ہو وہ مولانا ٹانڈوی کی نظر میں برطانیہ کا آلہ کار تھا۔

ابھی کیا ہے دو چار قدم اور آگے بڑھئے اور مولانا مودودی کے الفاظ میں ٹانڈوی صاحب کی تصویر ملاحظہ کیجئے۔

مسئلہ قومیت اور اسلام صفحہ ۳۸ بحوالہ مسئلہ قومیت صفحہ ۵۲

"اگر قوم ایسی ہی ملعون اور بدترین چیز ہے تو چونکہ یورپ نے اس کو استعمال کر کے اسلامی بادشاہوں اور عثمانی خلافت کی جڑ کھودی ہے مسلمانوں کو چاہیے تھا کہ اس ملعون ہتھیار کو برطانیہ کی جڑ کھودنے کے لئے استعمال کرتے۔"

نوٹ: مولانا ٹانڈوی کی مندرجہ بالا رائے پر مولانا مودودی کا تبصرہ ملاحظہ فرمایئے۔

مسئلہ قومیت صفحہ ۵۳ و ۵۴

"مندرجہ بالا عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ مولانا (ٹانڈوی) کی نگاہ میں حق و باطل کا معیار صرف برطانیہ بن کر رہ گیا ہے وہ مسئلہ کو نہ تو علمی زاویہ نظر سے دیکھتے ہیں کہ حقائق اپنے اصلی رنگ و روپ میں نظر آ سکیں نہ وہ مسلمانوں کی خیر خواہی کے زاویہ نظر سے اس پر نگاہ ڈالتے ہیں۔"

(چند سطر بعد)

"جب یہ بات ان (مولوی حسین احمد صاحب) کے دل میں بیٹھ چکی ہے کہ متحدہ قومیت برطانیہ کے لئے مہلک ہے تو جو اس کی مخالفت کرتا ہے وہ برطانیہ پرست کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے خیریت یہ ہو گئی کہ کسی نے مولانا کو برطانیہ کی ہلاکت کا ایک دوسرا نسخہ نہ بتا دیا جو متحدہ قومیت سے زیادہ کارگر ہے یعنی یہ کہ ہندوستان کی پینتیس کروڑ آبادی خودکشی کر لے جس سے برطانوی سلطنت آن کی آن میں ختم کی جا سکتی ہے یہ تیر بہدف تدبیر اگر مولانا کے دل میں بیٹھ جاتی تو وہ بے تکلف

فرماتے ہیں جو شخص ہندوستان کے باشندوں کو خودکشی سے روکتا ہے وہ برطانیہ
پرست ہے خودکشی اگرچہ ملعون اور بدترین فعل سہی مگر جب اس سے برطانیہ کی جڑ
کھودی جا سکتی ہے تو فرض ہو جاتا ہے کہ اس فعل قبیح کا ارتکاب کیا جائے۔"

نوٹ: مدیر صاحب بات ابھی ختم نہیں ہوئی ہے تو آپ نے ملاحظہ فرما لیا کہ آپ کے
کھدر پوش ملا اسماعیل کو نہ تو علمی زاویہ نظر سے جانچنے پرکھنے کے عادی تھے اور نہ ہی مسائل
کے سوچ بچار میں مسلمانوں کی خیر خواہی کا جذبہ کار فرما ہوتا۔

شک پر یقین ہونے سے پہلے یہ ملحوظ خاطر رہے کہ مندرجہ بالا رائے نہ تو علماء بریلی کی
ہے اور نہ ہی مشائخ ندوہ دیوبندیوں کی بلکہ آپ کے مسلم مقتدا و پیشوا جناب مودودی صاحب
کی رائے ہے جس کے تسلیم کرنے میں آپ کوئی جھجک محسوس نہ کریں گے۔

اب ذرا ایک قدم اور آگے بڑھئے اور ندوی صاحب پر مودودی صاحب کی شرعی
گرفت کا جائزہ لیجئے

کام آئی کچھ نہ پردہ پوشی حضور کی
دیکھی گئی جناب کی سر سے پاؤں تک

مسئلہ قومیت صفحہ ۷۰

"مولانا (مدنی) کی ذکر کردہ جن حدود قومیت کو رسول خدا کی طرف منسوب کر
رہے ہیں اس میں آج کل کی حدود قومیت کے عناصر ترکیبی میں سے کون سا عنصر پایا
جاتا ہے اگر وہ کسی عنصر کا پتہ نہیں دے سکتے اور میں یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں
کہ ہرگز نہیں دے سکتے تو کیا مولانا کو خدا کی باز پرس کا خوف نہیں (چند سطر
بعد) الفاظ کا سہارا لے کر مولانا (حسین احمد) نے اپنا مدعا ثابت کرنے کی کوشش تو
بہت خوبی کے ساتھ کر دی مگر انہیں یہ خیال نہ آیا کہ حدیث کے الفاظ کو مفہوم
نبوی کے خلاف کسی دوسرے مفہوم پر چسپاں کرنا اور اس مفہوم کو نبی کی طرف
منسوب کر دینا (من كذب علی متعمدا) کی زد میں آ جاتا ہے۔"

نوٹ: مدیر صاحب مجھے افسوس ہے کہ بات بڑھتی جا رہی ہے مگر چند لمحے کی اور سمع
خراشی چاہتا ہوں اور یہ کہانی تو آپ ہی کے بزرگوں کی ہے جس سے آپ کو اکتانا بھی نہ چاہیے۔

چڑھائیں اور مولانا اپنے والد بزرگوار کی حمایت میں آپ کو انگوٹھا دکھائیں یہ تو آپ کی گھریلو جنگ کا پس منظر ہے خدا کا شکر ہے کہ گاہے گاہے آپ حضرات کا نقشہ جنگ بدل جاتا ہے ہم سنیوں سے لڑتے لڑتے جب آپ حضرات تھک جاتے ہیں تو آپس ہی میں ایک دوسرے کی جیب و گریباں کی خبر لینے لگتے ہیں یہ نہ سمجھئے کہ ملک کا ہوشمند طبقہ آپ کی طرف سے بے خبر ہے وہ بہت کڑی نگاہ سے آپ کے جنگ و جدال کا نظارہ کر رہا ہے۔

ماہر صاحب! اگر میری باتیں آپ کے حلق میں تلخ گھونٹ بن جاتی ہے تو اپنے سرخیل جماعت مولانا مودودی ہی کی رائے پر عمل کیجئے دیکھئے آپ کے مودودی صاحب کا کہنا ہے کہ مولانا ٹانڈوی تہذیب 'کلچر' پرسنل لا، کا معنی تک نہیں جانتے۔

(۲) مولانا ٹانڈوی مذہبی پیشوائی کی مسند مقدس سے مسلمانوں کی غلط رہنمائی کر رہے ہیں۔

(۳) خندقوں سے بھری ہوئی راہ کو شاہراہ مستقیم بتا رہے ہیں۔

(۴) مولانا ٹانڈوی غیر حدیث مفہوم کو حدیث کی طرف منسوب کر رہے ہیں۔

مولانا ٹانڈوی کو خدا کی باز پرس کا خوف نہیں وغیرہ وغیرہ۔

اتنے ہی پر بس نہیں بلکہ اس کے علاوہ اور بھی ہے ملاحظہ فرمائیے

للہ یہ تم دیکھنے والوں سے نہ پوچھو
کیا چیز ہو تم دیکھنے والوں کی نظر میں

مسئلہ قومیت صفحہ ۶۹

"کم از کم اب وہ (مولوی حسین احمد) امت پر رحم فرما کر اپنی غلطی محسوس فرمالیں ورنہ اندیشہ ہے کہ ان کی تحریریں ایک فتنہ بن کر رہ جائیں گے اور اس پرانی سنت کا اعادہ کریں گی کہ ظالم امراء اور فاسق اہل سیاست نے جو کچھ کیا اس کو علماء کے ایک گروہ نے قرآن و حدیث سے ثابت کر کے ظلم و طغیان کے لئے مذہبی ڈھال فراہم کر دی۔"

نوٹ: ماہر صاحب! آپ کے کھدر پوش خدا مولوی حسین احمد صاحب کی نقاب کشائی شاید ہی کسی نے اس سے زیادہ کی ہو جتنا کہ آپ کے پیشوا مولوی ابوالاعلیٰ مودودی صاحب نے کی ہے میری حیثیت تو محض ناقل روایت کی ہے اب حجت و فاصلہ تو ناظرین کے ہاتھ

ہے البتہ اس مقام پر ناظرین سے محض اتنی گزارش ہے کہ ان روایات کو سطحی نظر سے دیکھنے کے بجائے انہیں بہ نگاہ غائرد یکھیں اور یہ اندازہ کریں کہ علماء دیوبند نے جس کو شیخ الاسلام سے شروع ہو کر پیکر عصمت اور کھدر پوش خدا تک کہہ دیا ہو اس کی مذہبی اور سیاسی پوزیشن مولوی ابو الاعلیٰ مودودی کی نظر میں کیا ہے مجھے اس مقام پر اس سے بحث نہیں کہ مسئلہ قومیت (یعنی قوم مذہب سے ہے یا وطن سے) آیا اس مسئلہ میں حق بجانب کون ہے؟ بلکہ علماء دیوبند کے شیخ الاسلام پر مولانا مودودی کے تازیانہ قلم کے کچھ نشانات دکھلانے ہیں ہمیں افسوس ہے کہ ہر چند سمیٹنے کے باوجود بات پھیلتی جارہی ہے اور اس کے باوجود ابھی تک یہ داستان ختم نہ ہو سکی اختتام گفتگو پر محض ایک دو حوالے اور حاضر کر کے بات ختم کئے دیتا ہوں۔

جنوں کو عقل کا پابند کرنے کی ہدایت ہے
اب اہل ہوش بھی دیوانہ پن کی بات کرتے ہیں

"اس میں خرابی بس اتنی ہے کہ اپنے مفہوم ذہنی کو مولانا (حسین احمد) کانگریس کا مفہوم و مدعا قرار دے رہے ہیں حالانکہ کانگریس اس سے بہ مراحل دور ہے اگر مولانا صرف اتنا کہنے پر اکتفا کرتے کہ متحدہ قومیت سے میری مراد یہ ہے تو ہمیں ان سے جھگڑا کرنے کی ضرورت نہ تھی لیکن وہ آگے قدم بڑھا کر فرماتے ہیں کہ نہیں کانگریس کی مراد بھی یہی ہے اور کانگریس بالکل نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ پر چل رہی ہے اور مسلمانوں کو مامون و مطمئن ہو کر اپنے آپ کو اس متحدہ قومیت کے حوالہ کر دینا چاہیے جیسے کانگریس بنانا چاہتی ہے یہیں سے ہمارے اور ان کے درمیان نزاع کا آغاز ہوتا ہے۔"

مسئلہ قومیت صفحہ ۹۳ کا ایک حوالہ ملاحظہ فرمایئے۔

"کیونکہ آپ (مولانا ٹانڈوی) کو صرف برطانوی اقتدار کا زوال مطلوب ہے عام اس سے کہ وہ کسی صورت میں ہو اسی لئے آپ ایسی انجمن کے معاملہ صرف علت جواز ہی ڈھونڈتے ہیں اور علت حرمت جو سامنے منہ کھولے کھڑی ہے آپ کو کسی طرح نظر نہیں آتی لیکن ہم مجبور ہیں کہ ان دونوں پہلوؤں کو ساتھ ساتھ دیکھیں اور علت حرمت کو دفع کئے بغیر علت جواز کو قبول نہ کریں اس لئے ہم کو برطانوی اقتدار

کا زوال اور اسلام کا مفاد دونوں ساتھ ساتھ مطلوب ہے اس کا نام اگر برطانیہ پرستی رکھتا ہے تو رکھے ہمیں اس کے طعن کی ذرہ برابر پرواہ نہیں۔"

نوٹ: آخرش مجبور ہو کر مولانا مودودی کو حسب ذیل بات کہنی پڑی۔

مسئلہ قومیت صفحہ ۸

"مولانا (حسین احمد) اس متحدہ قومیت کو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ سے تشبیہ دینے کی جرات فرما رہے ہیں حالانکہ ان بنیادی حقوق ملکہ وکٹوریہ کے مشہور اعلان سے کچھ بھی مختلف نہیں ہے اور مغربی ڈپلومیسی کی ایسی چالوں کا رشتہ رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عمل سے جوڑنے کی جسارت ہم جیسے گنہگاروں کے بس کی بات تو نہیں ہاں جن کے پاس تقویٰ کا زاد اور اوا تنا زیادہ ہے کہ وہ ایسی جسارتیں کرنے پر بھی بخشے جانے کی امید رکھتے ہیں انہیں اختیار ہے کہ وہ جو چاہیں کہیں اور جو چاہیں لکھیں۔"

نوٹ: مناسب ہو گا کہ یہیں علماء دیوبند کے پرانے ساتھی عبید اللہ سندھی کے خطبہ صدارت کی چند سطریں حاضر کر دی جائیں جس سے علماء دیوبند کی دوزخی پالیسی کے صحیح خد و خال سامنے آجائیں گے۔

آیا ہے کبھی ذکر اگر دار و رسن کا
گیسو و قد یار کی بات آ ہی گئی ہے

بحوالہ مسئلہ قومیت صفحہ ۱۷

"اگر میرا وطن اس انقلاب کے نقصان سے بچنا چاہتا ہے جو اس وقت دنیا پر چھا گیا ہے اور چھاتا جا رہا ہے تو اسے یورپین اصول نیشنلزم کو ترقی دینا چاہیے پچھلے زمانہ میں ہمارا ملک جس قدر نامور رہا ہے اسے دنیا جانتی ہے مگر اس سے ہم کچھ فائدہ نہیں اٹھا سکتے جب تک ہم آج کی قوموں میں اپنا وقار ثابت نہ کر سکیں ---- میں سفارش کرتا ہوں کہ ہمارے اکابر مذہب و ملت برٹش گورنمنٹ کے دو صد سالہ عہد سے زیادہ سے زیادہ استفادہ کی کوشش کریں جس طرح ہم نے یورپ سے تنفر برت کر اپنی ترقی کو مسدود کر لیا ہے اسے اب خیر باد کہیں اس معاملہ میں میں نے ترکی قوم کے

اس انقلاب کا پوری طرح مطالعہ کیا ہے جو سلطان محمود سے شروع ہو کر مصطفیٰ کمال کی جمہوریت پر ختم ہوتا ہے میں چاہتا ہوں کہ یورپ کے انٹرنیشنل اجتماعات میں ہمارا وطن ایک معزز ممبر بن جائے اس کے لئے ہمیں اپنی معاشرت میں انقلاب کی ضرورت محسوس ہوگی۔

سندھی اپنے وطن کا بنا ہوا کپڑا پہنے مگر وہ کوٹ پتلون کی شکل میں ہوگا کالر دار قمیض اور نیکر کی صورت میں مسلمان اپنا نیکر گھٹنے سے نیچے تک استعمال کرسکتے ہیں۔ ہیٹ دونوں صورتوں میں بے تکلف استعمال کیا جائے گا۔

جب مسلمان مسجد میں آئے گا ہیٹ اتار کر ننگے سر نماز پڑھے گا۔"

نوٹ: ناظرین نے مسئلہ قومیت سے متعلق مولانا ٹانڈوی اور معاشرتی انقلاب کی بابت مولانا عبیداللہ سندھی کا نظریہ پڑھ کر یہ اندازہ کر لیا ہوگا کہ علماء دیوبند اس امر پر اتفاق سمجھوتہ کر چکے ہیں کہ مذہب و سیاست کے نام پر جب کوئی تحریک اٹھے تو اس کا ایک طرف ساتھ نہ دیا جائے۔

اگر کوئی کانگریس کی ہمنوائی کرے تو دوسرا مسلم لیگ کی، جس کی شہادت میں مولوی حسین احمد[1] ٹانڈوی اور مولوی شبیر احمد[2] عثمانی کا نام لیا جا سکتا ہے ایسے ہی اگر کوئی محمد بن عبدالوہاب نجدی کو باغی و لٹیرا کہے تو دوسرا متبع سنت، جس کی شہادت میں مولانا ٹانڈوی[3] اور مولانا گنگوہی[4] کا نام لیا جا سکتا ہے، اس قسم کی متعدد مثالیں "خون کے آنسو" جلد اول میں گزر چکی ہیں۔

مقصود نگارش یہ ہے کہ علماء دیوبند کا نظریہ اور ان کے فتاوے قرآن و حدیث کی روشنی میں نہیں ہوتے بلکہ یہ فتاوے سیاست کی ہر نئی کروٹ پر اپنا رخ بدلتے رہتے ہیں۔ مناسب ہوگا کہ یہیں پر علماء دیوبند کے فتاوے کا کچا چٹھا بھی پیش کر دیا جائے

خرد زنجیر پہناتی رہے گی
جو دیوانے ہیں دیوانے رہیں گے

"فتویٰ دیوبند کا تحقیقی جائزہ" از مولانا ابو محمد امام الدین رام نگری صفحہ ۱۱۳ و ۱۱۴

---

۱ کانگریسی ۲ مسلم لیگی ۳ عبدالوہاب نجدی باغی و لٹیرا تھا۔ ۴ عبدالوہاب نجدی متبع سنت تھا

جماعت اسلامی سے متعلق مفتی دیوبند کا فتویٰ

"یہ طریق فکر و انداز دعوت و تبلیغ صحیح نہیں ہے بلکہ غلط ہے کہ یہ نئے مذہب کی ایجاد اور تفریق بین المسلمین ہے جہاں تک ممکن ہو اس سے اجتناب ضروری ہے جواب اول میں جو کچھ عرض کیا گیا ہے وہ اس کے شاہد عدل ہے جس میں اعتزال 'خارجیت' رافضیت 'اجتہاد جدید' تجدید نو وغیرہ سب ہی کچھ ہے 'صحابہ اور رواۃ حدیث و طریقت و حقیقت اور اس کے حاملین کی جو گت بنائی وہ سوال ہی میں موجود ہے وہ (مولانا مودودی) ایسا مذہب ایجاد کرنا چاہتے ہیں جو سلف صحابہ ہی نہیں بلکہ اصلی روح اسلام ہی کے مخالف ہیں۔"

نوٹ: جماعت اسلامی اور مولانا مودودی سے متعلق یہ مفتی مہدی حسن صاحب مفتی دارالعلوم دیوبند کا فتویٰ ہے۔ اب مولانا منظور نعمانی دیوبندی کی رائے ملاحظہ فرمایئے

کوئی جی بھر کے دیکھ لے اے کاش
لئے پھرتا ہوں کتنی سوغاتیں

فتویٰ دیوبند کا تحقیقی جائزہ صفحہ ۱۱۷ و ۱۱۸۔ ماخوذ از الفرقان لکھنؤ ماہ ذیقعدہ ۱۳۷۰ھ

"مولانا سعید ابو الاعلیٰ کو میں ذاتی طور سے بھی جانتا ہوں (چند سطر بعد) میں کہہ سکتا ہوں کہ ان کے لکھے ہوئے سینکڑوں ہزاروں صفحات میں میری نظر سے کبھی کوئی ایسی چیز نہیں گزری جس کی بنا پر فتوے کی شکل میں ان کے خلاف کوئی سخت حکم لگایا جا سکے۔"

نوٹ: اب قاری محمد طیب صاحب کی رائے ملاحظہ فرمایئے۔

رسالہ زندگی رامپور ۱۳۶۹ھ بحوالہ فتویٰ دیوبند کا تحقیقی جائزہ صفحہ ۶۰

"جہاں تک احقر کی رائے کا تعلق ہے یہ صحیح نہیں ہے کہ مودودی صاحب کا لٹریچر دیکھنے سے ایمان جاتا رہتا ہے 'ممدوح نے اسلامی اجتماعیات کے بارے میں نہایت مفید اور قابل قدر ذخیرہ فراہم کر دیا ہے اس دو غلط و اخلاط اور تلبیس اقتباس میں جس بے جگری سے انہوں نے اسلامی اجماعیات کا تجزیہ اور تنقیح کر کے جماعتی مسائل کو صاف کیا ہے وہ انہیں کا حصہ ہے میں انہیں اسلامی اجتماعیات کا ایک بہترین سیاسی مفکر سمجھتا ہوں۔"

نوٹ: مولانا مہدی حسن مفتی دیوبند' مولانا منظور احمد نعمانی مدیر الفرقان' قاری محمد طیب مہتمم دار العلوم دیوبند کے فتاوے آپ کی نظر سے گزرے۔ غالباً یہ بات آپ کے ذہن میں ہو گی کہ اسی جماعت اسلامی کے متعلق مولانا حسین احمد ٹانڈوی یہ فتویٰ دے چکے ہیں کہ ارکان جماعت اسلامی جہنمی ہیں' یہ جماعت روافض سے بدتر ہے وغیرہ وغیرہ۔ جس کا حوالہ جلد اول میں گزر چکا ہے۔

اب اسی مقام پر مولانا قاسم نانوتوی کے ایک شعر پر علماء دیوبند کا فتویٰ ملاحظہ کیجئے جو فتویٰ لا علمی میں دیا گیا ہے جس کی اصل کاپی سلطان المناظرین حضرت مولانا محمد حسین صاحب سنبھلی کے پاس ہے۔ علامہ جلیل مولانا مجیب الاسلام اعظمی کے توسط سے یہ فتویٰ میں نے حاصل کیا ہے۔

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک میلاد خواں نے مندرجہ ذیل شعر محفل مولود میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نعت میں پڑھا ۔

جو چھو بھی دیوے سگ کوچہ ترا اس کی نعش
تو پھر خلد میں ابلیس کا بنائیں مزار

(قصائد قاسمی مصنفہ مولوی محمد قاسم نانوتوی صفحہ ۷ مطبوعہ سادھورہ ضلع انبالہ)

سوال میں یہ حوالہ نہیں دیا گیا تھا۔ اب جواب ملاحظہ فرمایئے۔

الجواب: (۱) یہ شعر پڑھنا حرام اور کفر ہے اگر یہ سمجھ کر پڑھے کہ اس کا اعتقاد اور پڑھنا کفر ہے۔ تب تو اس کا ایمان باقی نہ رہا اور اگر یہ علم نہ ہو تو اس کا پڑھنا اور اعتقاد و کفر ہے۔ یہ شخص فاسق اور سخت گنہگار ہے۔ اس کو تا بہ مقدور اس حرکت سے روکنا شرعاً لازم ہے احمد حسن' ۱۵ شوال ۵۹ ۱۳ھ سنبھل۔

(۲) اس شعر کا مفہوم کفر ہے' لکھنے والا (یعنی شاعر) اور عقیدہ سے پڑھنے والا خارج از ایمان ہے۔ ایسے صریح الفاظ میں تاویل کی گنجائش نہیں۔ ظہور الدین سنبھل۔

(۳) کسی بیہودہ اور جاہل آدمی کا شعر ہے۔ بیوقوف اور بیہودہ لوگ ہی ایسے مضمون سے محفوظ ہوتے ہیں اگر یہ اس کا عقیدہ ہے تو کفر ہے۔ دیندار آدمی کو اس کے سننے سے بھی احتیاط چاہیے۔ فقط سعید احمد سنبھل

(۴) اس شعر کا نعت میں پڑھنا اور لکھنا دونوں کفر ہے۔ وارث علی عفی عنہ سنبھل

(۵) تینوں حضرات دام ظلہم العالی کے جوابات کی میں بالکل موافقت کرتا ہوں۔ محمد ابراہیم عفی عنہ مدرسۃ الشرع سنبھل۔

(۶) شعر مذکور اگرچہ نعت میں ہے لیکن حد شریعت سے باہر ہے۔ ایسا شعر نہ کہنے والے کو کہنا اور نہ پڑھنے والے کو پڑھنا جائز ہے۔ یہ غلو اور قبیح ہے محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی نمبر ۱۲۱ الف نمبر فتوئی۔

"مذکورہ شعر اگرچہ آنحضرت صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی تعریف میں شاعر نے کہا ہے لیکن اتنا ضرور ہے کہ شاعر شرعی اصول سے واقف نہیں ہے۔ شعر میں حد درجہ کا غلو ہے جو اسلامی اصول کے کسی طرح مناسب نہیں ہے شاعر کافر اس وجہ سے نہیں ہو سکتا کہ شعر کا پہلا مصرعہ شرط ہے (جو) معنی میں اگر کے ہے اور محال چیز کو فرض کر رکھا ہے "شرط کا وجود محال ہے اس لئے دوسرا مصرعہ جو بطور جزا کے ہے اس کا مترتب ہونا بھی محال ہے مگر شعر نعت رسول سے بہت گرا ہوا اور رکیک ہے ایسے غلو سے شاعر کو بچنا فرض اور ضروری ہے ایسے اشعار سے آپ کی تعظیم نہیں ہوتی بلکہ توہین کا پہلو نمایاں ہو جاتا ہے۔ یہ صحیح ہے قرآن کے حکم کے مطابق ابلیس جنت میں نہیں جائے گا مگر اس شعر کے قائل کو کافر نہیں کہہ سکتے اس میں محال کو فرض کر رکھا ہے جب تک توجیہ ان کے کلام کی ہو سکتی ہے اس وقت تک اس کے قائل کو کافر کہنا جائز نہیں۔ ایسے اشعار مولود میں پڑھنا نہیں چاہیے۔ واللہ اعلم۔

کتبہ سیدی مہدی حسن صدر مفتی دارالعلوم دیوبند

۲ صفر ۷۰ ۱۳ھ

نمبر ۱۲۹ فتوئی

شاعر کا مقصد بظاہر رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی نعت ہے اور وہ فرط عقیدت میں سگ کوچہ نبی کو بھی ابلیس سے بھی برتر ثابت کرنا چاہتا ہے اس کا مقصد ابلیس کو جنتی کہنا نہیں ہے جو ان نصوص کا انکار بھی نہیں اور نہ ابلیس کے جنتی ہونے کا مدعی

ہے اس لئے شاعر کو کافر نہ کہا جائے گا البتہ اس شعر سے چونکہ اس قسم کا ایہام ہو سکتا ہے جیسا کہ دوسرا فریق کہتا ہے اور ایہام کفر سے بھی بچنا واجب ہے اس لئے شعر کو ہرگز نہ پڑھا جائے اور توبہ کی جائے مگر دوسرے لوگوں کو بھی اس کے کافر کہنے میں احتیاط کی ضرورت ہے کیونکہ التزام کفر اور لزوم کفر میں فرق ہے۔ اور جب کسی قول میں احتمال ادنیٰ کفر بھی ہو سکتا ہے اگرچہ بتاویل ہو قائل کو کافر نہ کہا جائے گا۔ واللہ اعلم۔

سعید احمد غفرلہ

مفتی مظاہر العلوم سہارنپور ۱۵ صفر ۷۰ ۱۳ھ"

بے گناہوں کو بھی پامال کئے جاتے ہو

پاؤں رکھتے ہو کہاں اور کدھر پڑتا ہے

نوٹ: ایک ہی سوال کے جواب میں ناظرین نے بھانت بھانت کی بولی ملاحظہ فرمائی۔ یہ وہ اونٹ ہے جس کی کوئی کل سیدھی نہیں کوئی تو مولوی قاسم نانوتوی کو جاہل اور بیہودہ کہہ رہا ہے کوئی کافر اور فاسق کوئی التزام کفر اور لزوم کفر کی بحث میں الجھا ہے غرضیکہ ان کے یہاں فتویٰ نویسی کا کوئی معیار ہی نہیں اور یہ سارے فتوے اس بنیاد پر ہیں کہ کسی کو بھی اس کی خبر نہیں کہ تیر کے نشانے پر کون ہیں۔ اگر یہ معلوم ہوتا کہ بانی دارالعلوم دیوبند کا شعر ہے تو پھر اس شعر میں نعت نبی کے وہ گوشے نکالے جاتے کہ عالمگیری و شامی کے بجائے دیوان غالب و دیوان ذوق کے صفحات الٹے جاتے اور اردو شاعری میں اس شعر کو ایک نئے مفہوم کا اضافہ کہا جاتا۔ یہ بھی ایک رہی کفر کے فتاوے خود دیوبند سے دیئے جائیں اور بدنام بریلی کو کیا جائے۔ آج بلند بانگ نعروں سے یہ کہا جاتا ہے کہ "کافر کو کافر نہ کہو" حالانکہ یہ کہہ کر خود آں بدولت نے کافر کہہ دیا یعنی کافر تو ہے مگر کافر مت کہو۔

اس سادگی پہ کون نہ مر جائے اے خدا

لڑتے ہیں مگر ہاتھ تلوار تک نہیں

سچ جانئے افتراپردازی اور بہتان تراشی میں تو اس طبقے نے ریکارڈ توڑ دیا ہے۔ اس وقت مولوی نذیر احمد رحمانی کی رد عقاید بدعیہ میری نظر کے سامنے ہے اس کے بھی چند حوالے

جات ملاحظہ فرمایئے تو یقین آجائے گا کہ دیوبندیت اور غیر مقلدیت آپس میں سوتیلے بہن بھائی ہیں۔

رد عقائد بدعیہ حصہ اول مرتبہ نذیر احمد رحمانی حمیدیہ برقی مشین پریس بلوا گنج لہریا سرائے دربھنگہ صفحہ ۱۰ و ۱۱

"پس اگر "کل نفس" سے جملہ افراد کا استغراق مراد ہو تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے بھی موت تسلیم کرنی پڑے گی حالانکہ بریلوی عقائد کے مطابق یہ صحیح نہیں کیونکہ ان کے نزدیک تو آں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر ایک لمحہ کے لئے بھی موت طاری نہیں ہوئی بلکہ آپ "اوٹ" یعنی پردے میں ہو گئے گو ہمارے نزدیک ان کا یہ عقیدہ بھی صحیح نہیں۔"

نوٹ: چہ دلاور است دزدے کہ بکف چراغ دارد۔ بھری محفل میں علم و دیانت کی آبرو لٹانا یہ انہیں حضرات کا کام ہے۔

یہ کیا غضب ہے کہ آنجناب نے بریلوی عقیدے پر چوٹ تو کی مگر اس کا حوالہ نہ دے سکے گویا آپ کچھ فرمادیں وہی بریلوی عقیدہ ہو جائے گا اگر نقد و نظر اور تصنیف و تالیف کا یہی طریقہ ہے جو آنجناب نے اختیار کر رکھا ہے تو آئندہ آپ یہ بھی لکھ سکتے ہیں کہ "بریلوی عقیدہ میں سیدنا امام اعظم ابو حنیفہ خاتم النبیین ہیں" پھر ایسے ہی بے پر کی اڑاتے رہیے اور مصنف و مولف بن کر اپنی مجارتی میں بیٹھ کر مونچھوں پر تاؤ دیجئے۔ اے کاش! آپ کو خدائی بازپرس کا خوف ہوتا اور کبھی یہ سوچ سکتے کہ مرنا ہے اور مر کر خدائے قدیر کی بارگاہ عدالت میں زندگی کا حساب و کتاب دینا ہے اگر آج سے پہلے آپ اصول صحافت سے نا آشنا تھے تو اب ہوش و خرد کا دامن تھامئے اور اپنی ذمہ داری کا احساس کرتے ہوئے اس کا حوالہ دیجئے کہ بریلوی مکتبہ فکر کی وہ کون سی کتاب ہے جس میں یہ عقیدہ لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر ایک لمحہ کے لئے بھی موت کا طریان نہیں ہوا بلکہ وہ "اوٹ" یعنی پردہ میں چلے گئے۔ "ھاتوا برھانکم ان کنتم صادقین" میں نہیں کہہ سکتا کہ "رد بدعیہ" کوئی موقر سنجیدہ کتاب ہے یا بلیک مارکیٹ کرنے والے تاجر کا بہی کھاتہ۔ ڈنڈی مارنیئے کا بہی کھاتہ تو تاہم غنیمت ہوتا ہے مگر آپ کی مایہ ناز تالیف تو اس سے بھی چار قدم آگے ہے۔ چنانچہ عارف

بالله مولانا آسی علیہ الرحمۃ کے سر پر بھی آپ نے تنقید فرمائی ہے مگر کتر بیونت کر کے اس کی اصل صورت ہی مسخ کر دی ہے۔ اگر زحمت نہ ہو تو ایک بار "عین المعارف[1]" کا مطالعہ کر لیجئے آپ نے تحریر فرمایا ہے۔

رد عقائد بدعیہ صفحہ ۱۷

"وہی جو مستوی عرش تھا خدا ہو کر"

رحمانی صاحب! عین المعارف کا مطالعہ کر کے خدا لگتی بات کہیے کہ کیا آپ نے مصرع میں "ہے" کو "تھا" سے بدل نہیں دیا۔ اب آپ ہی فرمائیے اس میں ترمیم کے بعد آپ کی تنقید کا وزن ہی کیا رہ گیا؟

رحمانی صاحب! عبارت میں کتر بیونت کے آپ اس قدر عادی ہیں کہ دوسروں کی تحریر میں بھی آپ کو اپنا ہی عکس نظر آتا ہے چنانچہ آپ صفحہ ۵۸ پر رقمطراز ہیں۔

"الفاظ حدیث کے نقل و حوالہ میں مراد آبادی کی خیانت"

ابھی آپ کے منہ سے دودھ کی بو نہیں گئی اور آپ صدر الافاضل حضرت مولانا نعیم الدین رحمۃ اللہ علیہ کے منہ لگنا چاہتے ہیں چادر کا طول و عرض دیکھ کر پاؤں پھیلانے کی کوشش کرنی چاہیے۔

دامن کو ذرا دیکھ ذرا بند قبا دیکھ

رحمانی صاحب! مجھے آپ کی اس جسارت پر کوئی شکوہ نہیں میں تو بہت اچھی طرح جانتا ہوں کہ انبیاء و رسل علماء و صلحاء کی تنقیص و توہین تو آپ کی برادری کا اوڑھنا بچھونا ہے جب آپ سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تنقیص میں نہیں چوکتے تو پھر آپ صدر الافاضل علیہ الرحمۃ کو کیسے بخش سکتے ہیں۔ اگر بھول بیٹھے ہوں تو اپنی کتاب سے ایک عبارت ملاحظہ کر لیجئے۔

رد عقائد بدعیہ صفحہ ۲۷

"یہی وجہ ہے کہ جس قدر جلیل القدر انبیاء علیہم السلام گزرے ہیں ان کے خاص خاص لقب ہیں۔ مثلاً حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خلیل اللہ اور حضرت موسیٰ کو

---

[1] دیوان آسی

کلیم اللہ اور حضرت عیسیٰ کو روح اللہ لیکن آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے باوجود اس کے کہ وہ اشرف انبیاء تھے اپنے لئے عبدیت اور رسالت کا لقب پسند کیا۔"

رحمانی صاحب! محض اس خیال کے تحت کہ رسول خدا کو اپنے جیسا بشر ثابت کیا جائے سرکار دو عالم کے مقام عبدیت پر تو آپ کی نگاہ پڑ گئی مگر اس واقعہ کو آپ ہضم کر گئے کہ ایک بار صحابہ آپس میں تذکرہ کر رہے تھے کہ حضرت موسیٰ کلیم اللہ تھے، حضرت عیسیٰ روح اللہ تھے اور حضرت ابراہیم خلیل اللہ تھے کہ اچانک اسی محفل میں جان رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف لائے اور فرمایا کہ۔

انا الحبیب

میں اللہ کا حبیب ہوں

پھر کبھی آپ نے یہ بھی خیال فرمایا کہ سرکار دو عالم نے اپنے لئے عبدیت کا لقب پسند فرمایا تو پھر ایک وہ شخص جو امتی ہونے کا دعویدار ہو اس کو اپنے پیغمبر کی عزت و شان کے اظہار کے لئے کن القابات و خطابات کو اختیار کرنا چاہیے۔ تنقیص رسالت میں اس قدر غلو کے باوجود آپ یہ تحریر فرماتے ہیں۔

رد عقائد بدعیہ صفحہ ۱۵۹

"خدانخواستہ اگر کوئی شخص ہماری ان باتوں کو جناب رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان اقدس کی تنقیص و توہین قرار دینے کی کوشش کرے تو یہ اس کی شرارت و خباثت ہوگی۔"

نوٹ: یہ بھی خوب رہی یہ تو شرابیوں اور جواریوں والا لب و لہجہ ہے۔ مثلاً ایک شرابی کہتا ہے جو مجھے شرابی کہے وہ خود شرابی ہے یہی حال آنجناب کا ہے سرکار دو عالم کو گالیاں دیجئے اور بطور اصلاح اس کی طرف آپ کی توجہ دلائے تو آنکھیں لال پیلی کر کے خود اس کو شریر اور خبیث کہیے میں حیران ہوں کہ آپ کی ان بہکی بہکی اداؤں کی کہاں تک نشان دہی کی جائے۔ عالم تو یہ ہے

یہ گیسوؤں کی گھٹائیں لبوں کے میخانے
نگاہ شوق الٰہی کہاں کہاں ٹھہرے

رحمانی صاحب اب اختتام گفتگو پر اپنی ہی گزارش ہے کہ آئندہ کب کبھی بھی قلم اٹھائیے اس کا لحاظ رکھئے کہ حوالہ میں جس مکتبہ فکر کی بھی عبارت یا اس کا عقیدہ پیش کیجئے صحت کا پورا پورا خیال رکھئے "رد عقائد بدعیہ" میں جو انداز تحریر آپ نے اختیار کیا ہے وہ صرف میری نگاہ میں بلکہ ہر انصاف پسند کی نظر میں ناقابل قبول ہوگا افسوس ہے کہ اب اس کا موقع نہیں کہ آپ کی جماعتی پوزیشن پر کوئی گفتگو کی جا سکے ورنہ میں اس کی وضاحت کرتا کہ غیر مقلدیت کہاں کی پیداوار ہے۔ بس اتنا سمجھ لیجئے کہ آپ حضرات اپنے جن آقاؤں کی بارگاہ میں حلف وفاداری اٹھا چکے ہیں اس کے پیش نظر اس قسم کی بہکی بہکی باتوں کے لکھنے پر مجبور ہیں کون نہیں جانتا کہ ہندوستان کی خارجیت 'دیوبندیت 'قادیانیت 'غیر مقلدیت سب اس وقت کی پیداوار ہے۔ جب کہ انگریز بہادر نے لال قلعہ پر مسیحی پرچم لہرایا ہے۔

فرق اتنا ہے کہ انگریزی سامراج سے پہلے قادیانیت کا تو وجود نہ تھا۔ انگریزوں نے مسلمانوں میں پھوٹ ڈالنے اور مسئلہ ختم نبوت کو کمزور بنانے کے لئے غلام احمد کو خریدا اور یہ جماعت اسی سہارے سے آگے بڑھی ایسے ہی فرقہ غیر مقلد جو آج اپنے کو اہل حدیث کہتا ہے یہ بھی اسی وقت کی پیداوار ہے چنانچہ کافی دنوں تک جماعتی طور پر یہ مسئلہ زیر بحث رہا کہ اس نئے فرقے کا نام کیا ہوگا؟ یہ واضح رہے کہ نیا نام نئی جماعت کے لئے تلاش کیا جاتا ہے۔ رحمانی صاحب! اگر میری باتوں پر اعتماد و بھروسہ نہ ہو تو زحمت فرما کر ایک بار پھر اپنی تاریخ پیدائش کا جائزہ لیجئے اور یہ فرمائیے کہ ابتداء آپ کی جماعت کا کیا نام تھا؟

لیجئے میں آپ کی اس زحمت کو کسی حد تک آسان کئے دیتا ہوں کہ پہلے آپ لوگ "محمدی" تھے پھر بعد میں "اہل حدیث "ہو گئے نہیں جانتا کہ مستقبل میں آپ لوگ اہل حدیث ہی ابھار کھیں گے یا اہل ----- البتہ فتنہ خارجیت اس وقت کی پیداوار تو نہیں ہے مگر اس دبے ہوئے فتنے کو انگریزوں نے ابھارا اور اس کی قیادت کے لئے مولوی عبدالشکور لکھنوی کا انتخاب عمل میں آیا مناسب ہوگا کہ اس مقام پر خارجیوں کے امام عبدالشکور لکھنوی کے بھی کچھ اقوال پیش کر دیے جائیں تاکہ آپ کا اطمینان قلب آپ کو حاصل رہے۔ اور یہ یقین ہو سکے کہ ایسی باتیں وہی کہہ سکتا ہے جو اسلام سے رشتہ و ناطہ توڑ کر کسی اور سے اپنا ساز باز کر چکا ہو۔ ملاحظہ فرمائیے۔

مختصر سیرت نبویہ صفحہ ۲۱ مولفہ مولوی عبدالشکور لکھنوی

"لیکن باوجود محاسن عقلیہ کے محاسن شرعیہ سے آپ "یعنی رسول خدا" بالکل بے خبر تھے محاسن شرعیہ کے اصل اصول یعنی ایمان باللہ کی حقیقت بھی آپ نہ جانتے تھے۔

صفحہ ۲۲

اخلاقی محاسن کے تین جز ہیں تہذیب اخلاق، تدبیر منزل، سیاست مدن، ان تینوں سے آپ "یعنی رسول خدا" قطعاً و اصلاً بے خبر تھے۔ جب آپ یہ بھی نہ جانتے تھے کہ کتاب الٰہی کیا چیز ہے اور ایمان کیا چیز ہے تو اور محاسن سے آپ کو کیونکر آگاہی ہو سکتی ہے۔"

نوٹ: ان عبارات کو میں اس قابل ہی نہیں سمجھتا کہ ان پر نقد و نظر کی جائے یہ عبارتیں خود ہی پکار پکار کر کہہ رہی ہیں کہ میں کسی دشمن رسول کے منہ سے نکلی ہوئی گالیوں کی گندہ تصویر ہوں۔ دو ایک حوالہ جات اور بھی ملاحظہ فرمایئے۔

اخبار النجم مورخہ ۱۱ جون ۱۹۳۷ء صفحہ ۵ کالم ۳ ایڈیٹر مولوی عبدالشکور لکھنوی

"نبی کریم نے فرمایا: انما انا بشر مثلکم میں تمہاری طرح ایک معمولی انسان ہوں اگر تم میں اور مجھ میں فرق ہے تو صرف اتنا کہ میں تمہارے پاس خدا تعالیٰ کا پیغام لایا ہوں۔"

نوٹ: ان عبارات کو میں اس قابل ہی نہیں سمجھتا کہ اس پر نقد و نظر کی جائے۔ یہ عبارتیں خود ہی پکار پکار کر کہہ رہی ہیں کہ میں کسی دشمن رسول کے منہ سے نکلی ہوئی گالیوں کی گندہ تصویر ہوں۔ دو ایک حوالہ جات اور بھی ملاحظہ فرمایئے۔

اخبار النجم مورخہ ۱۱ جون ۱۹۳۷ء صفحہ ۵ کالم ۳ ایڈیٹر مولوی عبدالشکور لکھنوی

"نبی کریم نے فرمایا: "انما انا بشر مثلکم" میں تمہاری طرح ایک معمولی انسان ہوں اگر تم میں اور کچھ میں فرق ہے تو صرف اتنا کہ میں تمہارے پاس خدا تعالیٰ کا

پیغام لایا ہوں۔

نوٹ: قرآن مجید کی مندرجہ بالا آیت کا ترجمہ دیکھ کر ڈاکٹر اقبال کا ایک شعر یاد آ گیا

اس راز کو تو فاش کر اے روح محمدؐ
آیات الٰہی کا نگہبان کدھر جائے

کیا مجھے کوئی بتا سکتا ہے کہ آیت کے ترجمہ میں جو "معمولی" کہا گیا ہے یہ کس لفظ کا ترجمہ ہے واحسر تاہ! قرآن کو آج کھلونا بنالیا گیا ہے اے دوستو! اگر تمہیں یہی کرنا ہے تو محض کہنے کے لئے اپنی گردن میں جو اسلام کا قلادہ ڈال رکھا ہے اس کو بھی اتار پھینکو۔ جو کہنا ہے کھلے بند کہو ایسے ہی کب تک اسلام کے جسم پر تم ناسور بن کر رستے رہو گے۔ آخر ش تمہاری ریشہ دوانیوں کا سلسلہ کب تک جاری رہے گا اگر تم عذاب آخرت کو بھول بیٹھے ہو اور اب تمہیں اپنی ہڈیوں اور بوٹیوں کے جھلنے کا احساس تک نہیں رہ گیا ہے تو کم از کم اسلام اور قائدین اسلام پر ترس کھاؤ آخر تم کس کا فرادا کے شکار ہو گئے ہو ابھی تو کل ہی بات ہے کہ تمہارے باپ دادا رسول خدا کا گن گاتے تھے اور تم ایسے خلف نکلے کہ سید عالم کو ایک معمولی بشر کہتے ہو۔

کاش تمہاری آنکھیں کھلتیں اور ٹھنڈے دل سے اپنی کتابوں پر نظر ثانی کر کے مسلمانوں کے حال زار پر رحم کرتے۔

مجھے افسوس ہے کہ بات کچھ پھیل گئی۔ میں لکھنوی صاحب کی دریدہ دہنی اور بارگاہ نبوت میں گستاخی کی مثالیں دے رہا تھا۔ دو ایک حوالہ جات اور بھی ملاحظہ فرمائیے۔

اخبار النجم جلد ۱۳ پرچہ نمبر ۱۱ مورخہ ۲۳ ربیع الاول شریف ۱۳۵۳ھ مطابق ۶ جولائی ۱۹۳۴ء صفحہ نمبر ۶ کالم نمبر ۲ سطر نمبر ۲۴

"تعریف کے تمام افراد اللہ کے لئے ثابت ہیں کسی طرح کی تعریف کسی دوسرے کے لئے جائز نہیں۔ اللہ کی ذات کے سوا کسی کی تعریف کرنا حرام ہے"

نوٹ: ایک مطلق العنان قلم ہے جو بے لگام شرابی کی طرح بہکتا جارہا ہے ناظرین عبارت کے اس ٹکڑے پر خاص دھیان رکھیں گے:

"کسی طرح کی تعریف کسی دوسرے کے لئے جائز نہیں۔"

لکھنوی صاحب کی یہ داستان کچھ مختصر نہیں بلکہ بہت ہی طویل ہے نہ جانے ایسے کتنے اقوال مردود ہیں مثلاً خدا نے ایک کعبہ بنایا تو شیطان نے اجمیر شریف 'دیوا شریف 'کلیر شریف بہرائچ شریف کے روضے بنوائے۔ امام حسن باغی تھے امام حسین کو سید الشہداء کہنا ناجائز و حرام ہے یزید پلید امام برحق امیر المومنین تھا۔ وغیرہ وغیرہ کا مضمون ہے۔

تن ہمہ داغ داغ شد پنبہ کجا کجا نہم

بات یہ چل رہی تھی کہ قادیانی 'خارجی 'غیر مقلد 'دیوبندی یہ سب ایک ہی تھیلے کے چٹے بٹے ہیں جو ہندوستان کی سرزمین پر انگریز بہادر کے سہارے پھلے پھولے۔ البتہ یہ بات ضرور کہی جائے گی کہ وہابی نام کی تحریک دلی کے آخری تاجدار بہادر شاہ ظفر کے دور میں چور دروازے سے اپنا داخلہ لے رہی تھی جس نے کچھ ہی دنوں بعد غیر مقلدیت اور دیوبندیت کا لبادہ اوڑھ لیا جس کی شہادت میں بہادر شاہ ظفر کا وہ استفتاء جو تاج الفحول حضرت علامہ فضل رسول بدایونی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی خدمت میں آیا تھا پیش کیا جاسکتا ہے سوال و جواب دونوں زبان فارسی میں ہیں ناظرین کی سہولت کے لئے سوال کا خلاصہ اردو زبان میں درج کیا جاتا ہے جواب بہت ہی طویل ہے اس کے بارے میں اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ تاج الفحول حضرت علامہ فضل رسول علیہ الرحمۃ والرضوان نے جو جواب بہادر شاہ ظفر کو عنایت فرمایا تھا علماء بریلی اور علماء بدایون کا اسی پر معمول ہے۔ سوال ملاحظہ فرمایئے۔

اکمل التاریخ از صفحہ ۱۵۴ تا ۱۶۹

استفتاء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔

کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس شخص کے متعلق جو کہتا ہے کہ دن متعین کر کے محفل مولود شریف منعقد کرنا گناہ کبیرہ ہے اور محفل مولود شریف میں قیام کرنا شرک ہے اور فاتحہ کرنا طعام و شیرینی پر حرام ہے اور اولیاء اللہ سے مراد چاہنا شرک ہے اور حسب دستور قدیم ختم میں پانچ آیتوں کا پڑھنا بدعت سیہ ہے اور حضرت نبی کریم صلی اللہ

ـ محفل میلاد 'فاتحہ 'نیاز 'گیارھویں 'توشہ 'مجلس جیسے تمام ہی مراسم اہل سنت کا رواج تھا جب ان مراسم پر مولوی اسمٰعیل دہلوی نے شرک و بدعت کے فتوے دیئے تب بہادر شاہ ظفر نے مولانا فضل رسول بدیونی کی خدمت میں استفتاء کیا

تعالی علیہ وسلم کے قدم مبارک کا معجزہ حق نہیں ہے اور کہتا ہے تعزیہ کا بالقصد یا بلا قصد دیکھنا کفر ہے اور ہولی کا دیکھنا اور دسہرے میں سیر کرنا اگرچہ بالارادہ ہو تو کافر ہو جائے گا اور اس کی عورت پر طلاق ہو جائے گی اور کعبہ شریف و مدینہ منورہ کے خطہ میں کوئی بزرگی نہیں ہے اس وجہ سے کہ اس زمین میں ظلم ہوا ہے اور سننے میں آیا ہے کہ وہاں کے باشندگان ظالم ہیں۔ مدینہ منورہ میں حضرت عثمان رضی اللہ تعالی عنہ کو قتل کیا اور مکہ معظمہ میں عبداللہ ابن زبیر کو قتل کیا اور حضرت امام حسین رضی اللہ تعالی عنہ کو مکہ سے باہر کیا۔ پس ایسی صورت میں ان لوگوں کی اقتدا اور ان کے پیچھے نماز پڑھنا یا مسلمانوں کو ان سے بیعت ہونا درست ہے یا نہیں اور شرع شریف کا ایسے لوگوں پر کیا حکم ہے نیز ان کے متبعین پر کیا حکم ہے۔ فقط

محمد بہادر شاہ بادشاہ غازی ابو ظفر سراج الدین

نقل مہر حضرت ظل سبحانی خلیفۃ الرحمانی

بادشاہ دین پناہ وفقہ اللہ لمایحبہ ویرضاہ

خلاصہ گفتگو یہ ہے کہ مذہب اہل سنت کو مٹانے اور کمزور بنانے کے لئے یہ سب جماعتیں انگریزوں کے اشارے پر عالم وجود میں آئیں۔ چنانچہ مولوی اسماعیل دہلوی جو دیوبندی' وہابی غیر مقلد سبھی کے مقتداء و پیشوا ہیں۔ انہیں خود اپنی تقویۃ الایمان کے بارے میں اس امر کا احساس تھا کہ اس کتاب سے انتشار پھیلے گا اور مسلمانوں کا شیرازہ منتشر ہو گا کہ بایں ہمہ یہ کتاب شائع ہوئی اور مسلمانوں کی یک جہتی ٹکڑے ٹکڑے ہو کر رہ گئی۔

چنانچہ حج کو روانگی سے قبل مولوی اسماعیل دہلوی نے ایک بار بھرے مجمع میں جو تقریر کی تھی اس کو ملاحظہ فرمایئے۔

باغی ہندوستان صفحہ ۱۱۵

"میں جانتا ہوں کہ اس (تقویۃ الایمان) میں بعض جگہ ذرا تیز الفاظ بھی آگئے ہیں اور بعض جگہ تشدد بھی ہو گیا ہے مثلاً ان امور کو جو خفی شرک ہیں۔ شرک جلی لکھ دیا گیا ہے۔ اس وجہ سے مجھے اندیشہ ہے کہ شورش ضرور پھیلے گی۔"

نوٹ: اب معاملہ ناظرین کی عدالت میں پیش ہے فیصلہ کرنا آپ حضرات کا ہی کام ہے۔ تقویۃ الایمان پر بدایوں یا بریلی کی تنقید نہیں ہے بلکہ اپنی تصنیف سے متعلق خود مصنف

ہی کا اقرار ہے۔

آپ سمجھ سکتے ہیں کہ یہ تقریر کس قدر سنبھل کر گئی ہو گی اور کتنے بچے تلے الفاظ ڈھونڈے گئے ہوں گے مگر اس کے باوجود ادائیگی مفہوم میں مصنف نے حسب ذیل باتوں کا اقرار کیا ہے:

۱۔ "الفاظ بھی تیز آگئے ہیں" "الفاظ بھی" یہ اشارہ کر رہا ہے کہ معنی میں تیزی و تلخی تو ہے ہی مگر الفاظ بھی تیز ہے۔

۲۔ "بعض جگہ تشدد بھی ہو گیا ہے"

۳۔ "شرک خفی کو شرک جلی لکھ دیا ہے" آخرش یہ دین میں ٹھیکیداری نہیں تو اور کیا ہے؟ یہ اسلام اور شریعت سے استہزا و مذاق کی جیتی جاگتی مثال ہے۔

۴۔ "مجھے اندیشہ ہے کہ شورش ضرور پھیلے گی۔"

جس کتاب سے شورش پھیلنے کا اندیشہ ہو اس کو چھپانا ہی نہیں چاہیے مگر اسی بات سے پوری حقیقت واضح کر دی اور وہابی مشن کی قلعی بھی کھل گئی۔ انگریزوں کے اشارے پر شورش پھیلانے کے لئے ہی تقویۃ الایمان لکھی گئی ہے یہ وہی تقویۃ الایمان ہے جس کا مولوی رشید احمد گنگوہی کے فتوے کی بنا پر ہر گھر میں ہونا اور اس کا پڑھنا عین اسلام ہے یہ بھی خوب رہی جس کتاب سے شورش پھیلے اس کا ہر گھر میں ہونا عین اسلام ہے گویا معاذ اللہ اسلام کا کام شورش پھیلانا ہے۔

آج علماء دیوبند گلی گلی کوچہ کوچہ یہ پروپیگنڈہ کرتے پھر رہے ہیں کہ علماء اہل سنت کا کام تو محض لڑانا و شورش پھیلانا ہے۔

کاش وہ ایک لمحہ کے لئے نارمل حالت میں تقویۃ الایمان کو پڑھ کر خود مصنف کے بیان کی روشنی میں یہ فیصلہ کرتے کہ افتراق بین المسلمین کے بانی خود آں بدولت ہیں یا کوئی اور؟ چنانچہ اس سلسلہ میں مولوی عبد الشاہد خاں شیر وانی ناظم جمعیۃ العلماء علی گڑھ کا ایک بیان حوالہ میں عرض کیا جاتا ہے جس سے حقیقت خود ہی بے نقاب ہو جائے گی۔

باغی ہندوستان صفحہ ۱۱۵ و ۱۱۶

"پس افراط و غلو کا نتیجہ یہ ہوا کہ مولانا (اسماعیل دہلوی) کے جذبہ اصلاح اور وعظ و

ارشاد کی قدر کرنے والے پرانے ساتھی ہیں (مولانا اسماعیل) مخالفت کئے بغیر نہ رہ سکے۔ انہیں میں سے علامہ فضل حق خیر آبادی بھی تھے۔ علامہ کی دور بین نگاہوں نے تاڑ لیا کہ یہ تو آسمان سے گر کر کھجور پر انکنا ہوا' تفریط گئی تو افراط پیدا ہو کر رہے گا ایسے موقع پر پہلو تہی اور خاموشی گناہ عظیم ہے۔"

نوٹ: اب وہ حضرات جو حضرت علامہ فضل حق خیر آبادی کی حق پسندی سے برہم ہو کر انہیں مورد طعن و تشنیع قرار دے رہے ہیں اور مولوی اسماعیل دہلوی کی شورش پسندی پر رد شرک و بدعت کا غلاف ڈال کر تقویۃ الایمان کو عین اسلام کہہ رہے ہیں وہ اپنے گریبان میں منہ ڈال کر سوچیں کہ اپنی روش میں وہ کس حد تک حق بجانب ہیں۔

اے کاش! اب بھی علماء دیوبند کو ہوش آتا اور وہ اسلام اور مسلمانوں کے حال زار پر ترس کھاتے آج سے یہی مطالبہ ہے کہ تقویۃ الایمان میں جہاں باطل و گمراہ عقیدے ہیں' اسی کے ساتھ اس کتاب کا انداز بیان اور لب ولہجہ بھی درست نہیں ہے جس کی بابت خود مصنف کا اقرار ہے۔

لہٰذا ایسی کتاب جس میں تیز الفاظ آگئے ہوں' تشدد ہو اور شرک خفی کو شرک جلی لکھا گیا ہو اور اس کتاب سے مسلمانوں میں شورش پھیلنے کا اندیشہ ہو اس کی اشاعت ہی نہ کرنی چاہیے مگر یہاں تو نقشہ ہی بدلا ہوا ہے' اشاعت کی روک تھام تو درکنار اسی کتاب کو عین اسلام کہہ کر چھاپا اور بیچا جا رہا ہے اور جس قدر تقویۃ الایمان کی اصلاح کا مطالبہ کیا گیا۔ اسی قدر مصنف کی شدت اور بڑھتی گئی چنانچہ مولوی عبد الشاہد خاں شیروانی ناظم جمعیۃ علماء علی گڑھ رقمطراز ہیں۔ ملاحظہ فرمائیے۔

باغی ہندوستان صفحہ ۱۱۴

"مسلمانوں کی شدت مخالفت کی بنا پر قدرتی طور پر شاہ صاحب (مولوی اسماعیل صاحب) کا جذبہ اصلاح غلو کی شکل اختیار کر گیا ایک طرف تفریط تھی تو دوسری جانب افراط۔ شاہ اسماعیل صاحب نے مسلمانوں کی ہر غلط روی کو شرک سے تعبیر کرنا شروع کیا (چند سطر بعد) وعظ و تبلیغ کے ساتھ تصنیف و تالیف کا سلسلہ بھی شروع ہوا' پہلے عربی میں پھر اردو میں تقویۃ الایمان لکھی اس میں حد اعتدال سے

تجاوز کیا گیا اس کا مصنف کو خود بھی احساس تھا۔"

نوٹ: مندرجہ بالا عبارت کے حسب ذیل ٹکڑے ناظرین کی توجہ چاہتے ہیں۔

۱- "شاہ صاحب کا جذبہ اصلاح غلو کی شکل اختیار کر گیا۔"

۲- "شاہ صاحب نے مسلمانوں کی ہر غلط روی کو شرک سے تعبیر کرنا شروع کر دیا۔"

یعنی فی الواقع وہ باتیں شرک تو نہیں ہیں مگر چونکہ شاہ صاحب کا جذبہ اصلاح غلو کی شکل اختیار کر چکا تھا اس لئے مسلمانوں کا جو فعل بھی ان کے مزاج وطبیعت کے خلاف ہوا اس کو شرک کہہ دیا گیا۔ اس اندازہ کے لئے یہ بات کافی ہے کہ تقویۃ الایمان کی ہر ہر سطر میں جو شرک وبدعت کی تے کی گئی ہے اس کی حقیقت کیا ہے۔

۳- "تقویۃ الایمان میں حد اعتدال سے تجاوز کیا گیا ہے۔"

یہ تو سبھی جانتے ہیں کہ جو کتاب حد اعتدال سے متجاوز ہو جاتی ہے وہ اپنا وقار اور وزن کھو دیتی ہے وہ کتاب ہی نہیں کہی جاتی بلکہ مصنف کے غم وغصہ، قہر وغضب اور گالی گلوچ کا پلندہ سمجھی جاتی ہے۔

۴- "اس کا خود مصنف کو بھی احساس تھا۔"

یعنی مصنف کی یہ خطا غیر شعوری طور پر نہ تھی بلکہ دیدہ ودانستہ تھی اور یہ بات اہل نظر پر مخفی نہیں کہ ایسی خطا انتہائی مخدوش وخطرناک ہوتی ہے۔ یہیں سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ احساس لغزش کے باوجود اگر لغزش کی جائے تو اس کا بھی امکان رہتا ہے کہ اس لغزش پر کوئی خارجی دباؤ پڑ رہا ہے یعنی شاہ اسماعیل کو اس کا احساس تو تھا کہ اس حد اعتدال سے متجاوز ہو چکا ہوں اور اس کتاب سے شورش پھیلے گی مگر اس کے باوجود اپنی روش نہ بدل سکے محض اس وجہ سے کہ ان پر انگریز بہادر کا دباؤ پڑ رہا تھا کہ میرے حق میں وہی کتاب مفید ہو گی جس سے مسلمانوں میں شورش پھیلے۔ یہ ہے تقویۃ الایمان کا پس منظر، نہ تو وہ عین اسلام ہے اور نہ ہی ردِ شرک وبدعت میں کوئی قابل قدر تصنیف، بلکہ وہ انگریز بہادر سے روپیہ اینٹھنے کی ترکیب بتانے والی ایک کتاب ہے ورنہ ردِ شرک وبدعت کا جو طریقہ مولوی اسماعیل دہلوی نے اختیار کیا تھا اس کو خود مولوی قاسم نانوتوی برداشت نہ کر سکے بلکہ اس مذموم طریقے پر انہوں نے

ل مولوی قاسم نانوتوی)

بڑی سخت تنقید کرتے ہوئے اظہار تنفر کیا ہے جس کو آپ مصنف سوانح قاسمی کے قلم سے ملاحظہ فرمائیے مگر اس سے پہلے مولوی اسماعیل صاحب کے انداز تبلیغ واصلاح پر ایک شعر سن لیجئے۔

میخانہ سلامت ہے تو ہم سرخی مے سے
تزئین در و بام حرم کرتے رہیں گے

سوانح قاسمی جلد دوم صفحہ ۲۵

"کون نہیں جانتا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ میں نہ کلام اللہ اس طرح من اولہ الی آخرہ اوراق میں لکھا ہوا تھا نہ اس زمانہ میں زبر زیر جزم اور تشدید ایجاد ہوئے تھے نہ کتب احادیث یوں تصنیف ہوئیں نہ تدوین کتب فقہ اصول فقہ اور تفسیر کا دستور تھا۔

طبقہ علماء کی مذکورہ بالا خدمات یا اسی نوعت کی جو دوسری چیزیں ہیں سب کو آپ نے اسی مد میں شمار فرمایا ہے جو ضمناً و عرضاً مامور بہ ہیں یعنی شریعت کے مطالبات کی تکمیل میں مدد و معاون ہیں۔"

صفحہ ۲۲

"ایسے ہی علاج قلبی میں بہت سے امور ہوتے ہیں کہ وہ صراحتاً مامور بہ نہیں ہوتے' ضمناً و عرضاً مامور بہ ہوتے ہیں اس وجہ سے ظاہر میں وہ بدعت معلوم ہوتے ہیں حقیقت میں بدعت نہیں۔"

نوٹ: اب پتے کی بات سنئے۔

صفحہ ۲۰ و ۲۱

"اس زمانہ میں مسلمانوں کے بعض ممالک میں بھی یہ سوال اٹھ کھڑا ہوا تھا کہ اگلی نسلوں کے دین پر اعتماد کر کے پچھلی نسلیں جن باتوں کو مانتی چلی آتی ہیں ضروری ہے کہ ان پر تنقید کی جائے خصوصاً عرب جو مسلمانوں کا دینی مرکز ہے اس تحریک کا وزن اس کے بعض خاص علاقوں پر غیر معمولی پڑ رہا تھا۔ نجد کے باشندے اور اسی

۔ مولوی قاسم نانوتوی

علاقہ کے ایک عالم محمد بن عبدالوہاب اس تحریک کے سب سے بڑے علمبردار تھے۔ یہی پیچ در پیچ تاثیری اسباب تھے جن کا نتیجہ یہ ہوا کہ سید شہید جس جماعت کو چھوڑ کر احیاء عند ربھم یرزقون کی قدوسی صف میں شریک ہوئے تھے۔ اس جماعت کے بعض افراد تطہیر وتزکیہ کے اس عمل میں حدود سے تجاوز کرنے لگے۔ سڑے ہوئے گوشت کے ساتھ زندہ گوشت پر بھی عمل جراحی کرنے لگے، بے احتیاطیاں اس حد تک ترقی کر کے پہنچ چکی تھیں کہ مسلمانوں کی دینی زندگی کی شرائین اور شہ رگ تک کو نشتر زنی کی دھمکیاں دینے لگی تھیں اور بقول سیدنا امام الکبیر۔ فیوض قاسمیہ صفحہ ۴۸ علماء و فقرا جن کو خلاصہ امت کہیے اس خلاصہ امت کو اپنے عمل جراحی کا تختہ مشق ان لوگوں نے چاہا کہ بنالیا جائے گویا اسلام کی سیزدہ سالہ دینی و علمی تاریخ کے سارے اوراق ہی کو چاہتے تھے کہ بے دردی کے ساتھ پھاڑ دیا جائے الغرض بدعت کے ساتھ ایسی بے شمار چیزوں کو وہ بدعت ٹھہرانے لگے جن کے ہونے کی کوئی وجہ نہ تھی۔"

قدم یہ اٹھتے نہیں ہیں اٹھائے جاتے ہیں

نوٹ: اب اس خصوص میں جناب قاری محمد طیب صاحب سے گزارش ہے کہ اگر انہیں علمائے اہل سنت کی باتیں ناگوار خاطر گزرتی ہیں تو کم از کم انہیں اپنے دادا کی نصیحت پر عمل کرنا چاہیے اور شرک و بدعت سے متعلق جو نظریہ مولوی قاسم نانوتوی نے بیان کیا ہے اسی کو اپنانے کی کوشش کریں۔

فیوض قاسمیہ اور سوانح قاسمی کی جو عبارات پیش کی گئی ہیں یہ خود ان کے گھر کی باتیں ہیں گویا یہ وہ حوالہ جات ہیں جس سے دیوبندی مشینری کے ایک ایک کل و پرزے خود ہی ڈھیلے ہو جاتے ہیں۔

تقویۃ الایمان پر نقد و نظر کا یہ ایک اجمالی خاکہ ہے اختتام گفتگو پر اس امر کا اظہار ضروری ہے کہ علماء دیوبند نے تقویۃ الایمان کو مولوی اسماعیل دہلوی کی طرف منسوب کرنے سے انکار کیا ہے۔

اس سلسلہ میں انتہائی تجسس و تلاش کے بعد مولوی عبدالشکور مرزاپوری کتاب

"التحقیق الجدید علی تصنیف الشہید" مجھے دستیاب ہو سکی جس کا بالاستیعاب میں نے مطالعہ کیا لیکن مصنف نے اثبات مدعی سے متعلق جو طرز استدلال اختیار کیا ہے وہ انتہائی ناپسندیدہ وہ نا قابل قبول ہے۔ غالبًا یہی وجہ ہے کہ یہ کتاب خود حلقہ دیوبند میں بھی مقبول نہ ہو سکی اس لئے اس کتاب پر کسی بھی تبصرے کو طول عبث سمجھتا ہوں ویسے مصنف نے خود اس امر کا اعتراف بھی کیا ہے میرے شبہات مسائل سے متعلق نہیں ہیں بلکہ مولوی اسماعیل کی کتاب ہونے میں شبہ ہے۔ حوالہ ملاحظہ فرمائیے۔

"التحقیق الجدید علی تصنیف الشہید" مصنفہ مولوی عبدالشکور مرزاپوری مطبع مجیدی کانپور صفحہ ۷

چار کتابوں پر شبہ:۔ جدول کی کتب مطبوعہ و مشہورہ سے صراط مستقیم تنویر العین ایضاح الحق، خصوصاً تقویۃ الایمان یہ کتابیں ہیں جن کے متعلق شبہات ہیں مگر ان شبہات کا تعلق مسائل سے نہیں بلکہ تاریخ سے ہے جنہیں قلم بند کئے عرصہ گزرا تاہم شائع کرنے کی ہمت نہ پڑتی تھی۔"

نوٹ: اولاً تو خود مصنف نے اپنی پوری کاوش کو شبہ سے تعبیر کیا ہے اور یہ طے ہے کہ یقین کو یقین ہی توڑتا ہے نہ کہ شبہ!

پھر آگے چل کر مصنف کا یہ کہنا کہ کتاب کو قلم بند کئے عرصہ گزرا شائع کرنے کی ہمت نہ پڑتی تھی جس سے خود ڈھکی چھپی کمزوریوں کا پتہ چلتا ہے اس لئے میری اپنی رائے میں اس کتاب کے اقتباسات پر نقد و نظر کرنا محض صفحات کو سیاہ کرنا ہے۔

میرے خیال میں مولانا سید الزماں صاحب نیچر عابدہ ایچ ای سکول مظفر پور نے اپنی کتاب "تعظیم شہ مصطفیٰ" یہ جواب "شہید کی بچی باتیں" مرتبہ مولوی نور محمد ٹانڈوی میں اس عنوان پر کافی روشنی ڈالی ہے۔ جن اہل ذوق کو اس سے زیادہ کی تلاش ہو وہ اس کی طرف رجوع کریں "تعظیم شہ مصطفیٰ" اپنے انداز کی سنجیدہ اور انوکھی کتاب ہے۔

ناظرین نے پچھلے صفحات میں محمد بن عبدالوہاب نے نجدی اور مولوی اسماعیل دہلوی کی تحریک پر مولوی قاسم نانوتوی بانی دارالعلوم دیوبند کی رائے ملاحظہ فرمائی ہے کہ خود بانی دارالعلوم دیوبند کو اس تحریک سے اتفاق نہ تھا۔

مگر اس کو کیا کہیے کہ اخلاف نے اسلاف سے منہ موڑ لیا ہے اب ان حضرات کو بسا اوقات اپنے بزرگوں کی موافقت اتنی منظور نہیں جس قدر کہ ہماری مخالفت۔

چنانچہ ابھی کل ہی بات ہے کہ "خون کے آنسو" جلد اول کی اشاعت پر مولانا ابوالوفا صاحب شاہجہان پوری نے خود دیوبندی مکتبہ فکر کے ایک فرد نے سوال کیا تو بجائے اس کے کہ مولانا اس کو کوئی معقول جواب دیتے مجھ پر دو چار تبصرے کر کے دل کی بھڑاس نکال لی۔

عجب اتفاق ہے کہ سوال میرے فائل میں محفوظ ہے جو محض اس خاطر ہدیہ ناظرین ہے کہ اس سوال ہی کو پڑھ کر یہ فیصلہ کر سکیں گے کہ "خون کے آنسو" نے خود دیوبندی ذہن وفکر کو کس حد تک متزلزل کیا ہے۔

اس سلسلہ میں ادارۂ پاسبان کو سینکڑوں خطوط موصول ہوئے اور خود مجھے اپنے بیشتر پروگرام میں لوگوں نے ایسے واقعات بتائے کہ "خون کے آنسو" کو پڑھ کر بہت سے دیوبندیوں نے توبہ کی ہے سوال ملاحظہ فرمایئے۔

بات وہ کہیے کہ جس بات کے سو پہلو ہوں
کوئی پہلو تو رہے بات بدلنے کے لئے

روزنامہ "آج" بمبئی جلد ۱۷ شمارہ ۲۲۹، ۲۰ اگست ۱۹۶۱ء

"مولانا ابوالوفا صاحب شاہجہانپوری سے گزارش۔"

"حضرت مولانا ابوالوفا صاحب شاہجہانپوری سے گزارش ہے کہ یوں تو ہمیشہ علماء دیوبند اور رضاخانیوں کا عقائد کے مسئلہ پر اختلاف رہا اور مناظرہ تک کی نوبت آئی مگر ہم لوگوں نے یہی سمجھا کہ علماء دیوبند حق بجانب ہیں رضاخانی ضدی ہیں اور زبردستی اپنی بات منوانا چاہتے ہیں مگر حال ہی میں ایک کتاب خون کے آنسو مولوی مشتاق احمد نظامی الہ آبادی نے شائع کی ہے جس میں الجمعیۃ شیخ الاسلام نمبر کا حوالہ دیتے ہوئے مولانا عبدالرزاق صاحب ملیح آبادی کا مضمون نقل کیا ہے جو مولانا مدنی کے متعلق ہے اس میں لکھا ہے۔

مولانا مدنی صاحب اللہ تعالیٰ کے روپ میں ہماری خدمت کیا کرتا تھا ہماری گلیوں میں چلا پھرا کرتا تھا اور یہاں تک لکھا ہے کہ تم کبھی تصور بھی نہ کر سکے کہ رب العالمین اپنی کبریائیوں پر پردہ ڈال کر تمہارے گھروں میں بھی آکر رہے گا۔ پہلے تو

خیال ہوا کہ یہ بات غلط ہے۔ ایسی بات کوئی انسان عقل والا نہیں کہہ سکتا مگر احباب کے اصرار پر الجمعیۃ شیخ الاسلام نمبر بڑی مشکل سے حاصل کیا گیا دیکھا تو واقعی اس قسم کی عبارت موجود ہے۔ پھر اسے پڑھ کر بڑی شرمندگی ہوئی پھر خیال ہوا کہ مولانا ابوالوفاہ صاحب عید میلادالنبی میں تشریف لا رہے ہیں بذریعہ اخباران سے دریافت کر لیا جائے گا کہ کیا اس مضمون کے خلاف کسی اپنے عالم نے یعنی علماء دیوبند میں سے کسی عالم نے اس تحریر کے خلاف پرچہ نکالا کہ یہ مضمون غلط ہے اور ایسا لکھنا کفر ہے۔

مولانا عبدالرزاق صاحب ملیح آبادی کو توبہ کرنا چاہیے اور آپ نے بھی اس کے خلاف کوئی مضمون لکھا اور شائع کرایا آپ نے اس مضمون کو دیکھا تو ضرور ہو گا اگر کسی نے بھی علماء دیوبند سے اس کے خلاف کوئی پرچہ شائع کیا ہو تو برائے کرم ان پرچوں کا حوالہ دیتے ہوئے کسی اخبار میں اول فرصت میں شائع کر دیں تاکہ ہم لوگ رضاخانیوں کو جواب دے سکیں ورنہ چلتے پھرتے ہم پر سوال ہوتا ہے اور جملے کسے جاتے ہیں خاموشی سے سن لیتے ہیں اور اس میں ہم نے یہ بھی لکھا دیکھا کہ مولانا حسین احمد صاحب مولانا ابوالوفا صاحب کا پاؤں دبایا کرتے تھے امید ہے کہ آج ہی کل میں اس کا جواب کسی اخبار میں مرحمت فرما کر ہم سب کو مطمئن فرمائیں گے۔

فقط آپ کا مخلص
برہان الدین میرٹھی

خوب امیدیں بندھیں لیکن ہوئیں حرماں نصیب
بدلیاں اٹھیں مگر بجلی گرانے کے لئے

نوٹ: مجھے افسوس ہے کہ عزیزی عبدالرحمان نے بمبئی سے جواب کی کاپی میرے پاس بھیجی تھی مگر وہ فائل میں محفوظ نہ رہ سکی تاہم مجھے اس کی تلاش ہے اگر وہ اخبار مل گیا تو بلا کم و کاست وہ جواب خون کے آنسو جلد سوم میں شائع کر دیا جائے گا۔ غالباً مولانا شاہجہانپوری کے جواب کا آخری ٹکڑا یہ تھا کہ۔

"مشتاق نظامی اور ان کے پرکھوں کا یہی کام ہے۔"

اب اس جواب کی روشنی میں سوال کے چند ٹکڑے ملاحظہ فرمائیں۔

۱۔ پہلے تو یہ خیال ہوا کہ یہ بات غلط ہے ایسی بات کوئی انسان عقل والا نہیں کہہ سکتا۔

۲۔ اسے پڑھ کر شرمندگی ہوئی۔

۳۔ کیا کسی دیوبندی عالم نے اس تحریر کے خلاف پرچہ نکالا کہ یہ مضمون غلط ہے۔

۴۔ اور ایسا لکھنا کفر ہے۔

اب ناظرین انصاف فرمائیں کہ میں نے صرف عبدالرزاق ملیح آبادی کا ایک مضمون بطور حوالہ پیش کیا تھا جس کو دیکھ کر خود دیوبندی جماعت کے ایک فرد کے یہ تاثرات ہیں کہ یہ بات غلط ہے ایسا کوئی دیوانہ پاگل ہی لکھ سکتا ہے کوئی عقل والا انسان نہیں لکھ سکتا۔ ایسے مضمون کو پڑھ کر ہمیں شرمندگی ہوتی ہے۔ یہ مضمون غلط ہے اور ایسا لکھنا کفر ہے۔

یہ بات مشتاق احمد نظامی اور اس کے پرکھوں نے نہیں کہی بلکہ اکابر دیوبند کی گندی و کفری عبارات دیکھ کر خود ان کی جماعت کا ایک فرد یہ حکم لگاتا ہے۔ یہ سب کچھ کہنے کے ساتھ سائل کتنی سادگی سے یہ بھی کہہ گزرتا ہے کہ

"چلتے پھرتے ہم پر سوال ہوتا ہے اور جملے کسے جاتے ہیں خاموشی سے سن لیتے ہیں۔"

کوئی سوچے تو سہی کہ سائل کے ان جملوں سے کتنی بیکسی و بیچارگی ٹپکتی ہے مگر مولانا شاہجہانپوری کو اس کا کچھ بھی احساس نہ ہوا، بس یہ کہہ کر دامن چھڑا لیا کہ مشتاق نظامی اور ان کے پرکھوں کا یہی کام ہے۔

مولانا شاہجہانپوری کے تذکرے سے ایک بات یاد آئی "خون کے آنسو" جلد اول میں بحوالہ تجلی دیوبند ایک مضمون کی اشاعت ہوئی ہے کہ یہ لوگ بہرائچ شریف عرس میں شرکت کرتے ہیں اور نذرانہ میں روپے کے علاوہ قبر شریف کی چادریں بھی اپنے ساتھ لے جاتے ہیں۔ چنانچہ تجلی فروری ۶۲ء کے شمارہ میں مولوی ابوالوفاء صاحب شاہجہانپوری اور مولوی محمد قاسم شاہجہانپوری سے متعلق ایک اور مضمون شائع ہوا ہے جو درج ذیل ہے

خیال خاطر اب چاہیے ہر دم
انھیں ٹھیک نہ لگ جائے آبگینوں کو

تجلی فروری ۶۲ء صفحہ ۱۷ سرخی "پیٹ کی باتیں" سوال نمبر ۴ از عبد الوحید۔

"تجلی کے مئی ۶۱ء کے شمارہ میں ہم نے مولوی محمد قاسم صاحب اور مولوی ابوالوفاء صاحب شاہجہانپوری کی قبر پرستی اور قول و عمل کے تضاد کے سلسلہ میں کچھ استفسار کیا تھا اور یہ تحریر کیا تھا کہ ان حضرات کے رویہ سے کچھ لوگ جو راہ راست پر آگئے تھے وہ عالم تذبذب میں پڑ گئے ہیں اس سلسلہ میں آپ کے مفصل جواب نے بحمد اللہ ان لوگوں پر بہت اچھا اثر کیا۔ خیال تھا کہ شاید مذکورہ مولوی صاحبان کی آنکھیں بھی کھل جائیں گے اور سو سوا سو روپے کی خاطر اب ضمیر فروشی نہ کریں گے اور درگاہ میں عرس کے موقعہ پر تشریف نہ لائیں گے مگر ہماری حیرت کی انتہا نہ رہی جب ہم نے یہ دیکھا کہ دونوں حضرات پھر تشریف لائے اور بڑی ڈھٹائی سے پھر وہی سب باتیں کیں جو سال گزشتہ میں کی تھیں ان کے رویہ کو دیکھ کر ایک بریلوی مولوی صاحب نے کہا کہ لوگ مزاروں پر مرغا مینڈھا وغیرہ چڑھاتے ہیں ہم نے بھینسا چڑھا دیا۔ یہ اشارہ مولوی محمد قاسم صاحب کی طرف تھا افسوس ہے شہر کے خوش عقیدہ حضرات کے جذبات ہر دو مولوی صاحبان کی طرف سے بہت برگشتہ ہو گئے۔ چنانچہ ایک اشتہار عرس کے موقع پر شائع ہوا تھا جس میں مولوی صاحب مذکور سے کچھ سوالات کئے گئے تھے یہ اشتہار عین اس وقت تقسیم ہوئے جب مولوی محمد قاسم صاحب تقریر کرنے بیٹھے اشتہار خود ان کے ہاتھ میں دیا گیا مگر مولوی صاحب نہایت صفائی کے ساتھ اس کو پی گئے ایک بھی سوال کا جواب دینے کی زحمت گوارا نہیں فرمائی اور نہایت اطمینان کے ساتھ اپنا نذرانہ اور تبرکات لے کر چلے گئے اشتہار مذکورہ بالا برائے تبصرہ ارسال خدمت ہے۔

منہ کھلے خم کا نہ واعظ قلقل و مینا کے بعد
میکدے میں طول اتنا تو نہ دے تقریر کو

الجواب نمبر ۴:

آپ کے مرسلہ پمفلٹ کو نقل کر کے اس پر تبصرہ کرنا سوائے طول لاحاصل کے اور کوئی فائدہ نہیں رکھتا قدتبین الرشد من الغی اچھا کیا ہے اور برا کیا یہ واضح ہو

چکا ہے لیکن نفس امارہ کے پائے سرکش میں بیڑیاں ڈالنا دلائل کے بس سے باہر ہے۔

فی الحقیقت آپ کے خط میں کوئی بات جواب طلب ہی نہیں لیکن اسے صرف عبرت کے لئے نقل کر دیا ہے ہاں یہ سن لیجئے کہ قبوری شریعت کے ناپاک ہنگاموں کی حرمت کا دیوبندی مسلک کی طرف اور ان کے جواز و استحسان کا بریلی کی طرف منسوب ہو جانا محض ایک اصطلاحی بات ہے ورنہ حقیقت یہ ہے کہ طویل الذیل مسئلہ کسی گروہی مسلک سے تعلق نہیں رکھتا بلکہ یہ تو دین کے اساسی امور میں شامل ہے قبروں پر میلے لگانا حرام ہے مردہ بزرگوں سے مدد چاہنا شرک ہے۔ گانا بجانا زندقہ ہے غیر اللہ کی نذر و نیاز بدعت و معصیت ہے۔ یہ سب دیوبندیوں کا مسلک نہیں بلکہ قرآن کا فیصلہ اور حدیث کا فرمان ہے۔ یہ سب اللہ اور رسول کا واضح فرمودہ ہے دیوبندیوں نے اس کے آگے سر تسلیم خم کر دیا اس لئے یہ ان کا مسلک قرار دیا گیا اور بریلویوں نے اسے نفسانی و شیطانی رجحانات کی رو میں بہا دیا اس لئے ان کا مسلک جواز و استحسان ٹھہرا لیا گیا لیکن حقیقت یہ ہے کہ مسلک و مسلک کا ان مسائل میں کوئی سوال ہی نہیں یہ تو صریح حق و باطل کا مقابلہ ہے ایک طرف عبدیت ہے اور دوسری طرف زندقہ ایک طرف قرآن و سنت ہے اور دوسری طرف ذہنی مبالغے خیالی پروازیں ضعف اعتقاد اور غلو در غلو ایک طرف من ذالذی یشفع عندہ الا باذنہ کا یقین محکم ہے اور دوسری طرف عیسیٰ ابن مریم ابن اللہ والا فاسد ذہن مولوی محمد قاسم اور مولوی ابو الوفا صاحبان اگر خود کو دیوبندی المسلک کہتے ہیں۔ اور پھر بھی قبوری شریعت کے ہنگاموں میں شریک ہو کر کچھ پیسے کما لیتے ہیں تو یہ کوئی عجب بات نہیں۔ جمعیۃ العلماء کے اعیان و اکابر تصویر کشی کو حرام بتلاتے لیکن ان کی آرگن روزنامہ الجمعیۃ دھڑلے سے تصویریں شائع کرتا ہے نہ کرے تو اس کا کہنا ہے کہ اخبار نہ چلے اسی طرح کتنے ہی مسلمان رشوت لیتے ہیں شراب پیتے ہیں جوا کھیلتے ہیں زنا کرتے ہیں اگر مذکورہ بالا دونوں مولوی صاحبان ہی اس گرانی کے دور میں مالی منفعت کی خاطر تھوڑا سا تقیہ کر گزرتے ہیں تو اس میں تعجب

اور تشویش کی کیا بات ہے جہاں تک اس طرح کے سوالات کا تعلق ہے کہ آخرت میں ایسے نفاق اور تقیہ کا کیا انجام ہو گا۔ دنیا میں لوگ کیا کہیں گے اور بر اور ان ملت پر ان حرکتوں کا کیا اثر پڑے گا تو خوب سمجھ لیجئے کہ ان سوالات کی گرفت عرصہ ہوا علماء کے دل و دماغ سے ڈھیلی ہو چکی (الا ماشاء اللہ) اگر یہ گرفت ڈھیلی نہ ہوتی تو امت مسلمہ آج اس انجام کو پہنچی ہوئی نہ ہوتی اگر کوئی آلہ ایسا ہو سکتا جو بتا سکتا کہ فلاں شخص کے قلب میں خدا اور حساب آخرت کا خوف کس مقدار میں ہے تو یقین کیجئے عجیب عجیب انکشافات سامنے آتے کتنے ہی ایسے لوگوں کے بارے میں جنہیں ہم دنیادار نا قابل التفات سمجھتے ہیں یہ آلہ بتاتا کہ ان کے دلوں میں خوف آخرت کی وافی مقدار موجود ہے اور کتنے ہی ایسے بزرگوں کے بارے میں جن کے متعلق عام خیال ہے کہ ان کے نچوڑے ہوئے دامن سے فرشتے وضو کرتے ہیں یہ آلہ انکشافات کرتا کہ وہاں خوف آخرت کے نام کی کوئی چیز سرے سے موجود ہی نہیں ہے بلکہ اس کی جگہ غرور زہد ہے کبر عبدیت ہے یا پھر گہرا نفاق ہے۔ حاصل جواب یہ ہے کہ کھانے کمانے دیجئے ان لوگوں کو جو جی بھر کے دنیا کمانا چاہتے ہیں عامر عثمانی دلیل کو دلیل سے توڑ سکتا ہے لیکن کسی دیوبندی مولوی کو عرسوں میں جانے اور نذر و نیاز وصول کرنے سے نہیں روک سکتا یہ تو اس درہ فاروقی کا کام ہے جو نہ جانے اب کب آئے گا۔"

کل میاں حجام سب کا مونڈتے پھرتے تھے سر
آج اس کوچہ میں ان کی بھی حجامت ہو گئی

نوٹ: چاہیے تو یہ تھا کہ میں مندرجہ بالا مضمون کا اقتباس حاضر کر دیتا لیکن بالقصد و بالارادہ میں نے پورے مضمون کو من و عن شائع کر دیا تاکہ بیک وقت تصویر کے دونوں رخ سامنے آجائیں گے مضمون بالا سے اگر ایک طرف مولوی ابوالوفا اور مولوی محمد قاسم کی دورخی پالیسی بے نقاب ہوتی ہے تو اسی کے ساتھ اعراض کو مٹانے اور حرمت اولیاء کو ختم کرنے کی منصوبہ بندی بھی سامنے آجاتی ہے۔

۱؎ تجلی ۱۹۶۴ء جلد ۱۱

کاش اب بھی ہماری جماعت کے بعض وہ افراد جو ردوہابیہ سے گریز کرتے ہیں چند دیدی تقریر و تحریر سے جس بہ جبیں ہوتے ہیں وہ ٹھنڈے دل سے غور کرتے کہ وہ اپنی روش میں کس حد تک حق بجانب ہیں ہمارے مخالف کیمپ سے ہر وقت ایٹمی دھماکے کی آواز آرہی ہے اور آپ ہمیں ترکش تک سنبھالنے کی اجازت نہیں دیتے۔

واضح رہے کہ جس طرح ایک ملک میں سپاہیوں اور فوجی دستوں کا جال بچھا رہتا ہے جس کا کام یہ ہے کہ ملک کے داخلی اور خارجی حملوں کی روک تھام کرے تاکہ ملک کے نظام و عمل میں کوئی رخنہ واقع نہ ہو سکے۔ ایسے ہی ایک جماعت کو بھی ایسے افراد کی ضرورت پڑتی ہے جو جماعت کے داخلی یا خارجی فتنوں کی مدافعت کے لئے ہمہ وقت سینہ سپر رہیں ورنہ ایسی جماعت ہواؤں کے دوش پر ہوتی ہے نہ تو وہ داخلی فتنوں کا سد باب کر سکتی ہے اور نہ ہی خارجی حملے کی تاب لا سکتی ہے اگر ملک کا تاجر طبقہ فوجیوں کے دوش بدوش کھڑا نہیں ہوتا تو کم از کم ان کی عمدہ کارگزاریوں کی تحسین ضرور کرتا ہے ورنہ وہ ملک کا باغی قرار پاتا ہے۔

ایسے ہی جماعت کا وہ طبقہ جو مخالف گروہ سے ٹکر نہیں لیتا تو کم از کم اسے زبان و قلم کی جنگ کرنے والوں کے خلاف زہر بھی نہیں اگلنا چاہیے ورنہ میرے خیال میں ایسے لوگ ان کھلے ہوئے دشمنوں سے کہیں زیادہ خطرناک اور زہر ہلاہل ہیں۔ نہ جانے یہ مار آستین کب اور کہاں ڈس لے گا ایسے لوگوں کے لئے اس کے سوا اور کیا کہا جائے۔

رنگت ہے نزاکت ہے لطافت ہے مگر حیف
اک بوئے وفا یہ گل رعنا نہیں رکھتے

بظاہر یہ چند سطریں موضوع کتاب سے باہر معلوم ہوتی ہیں لیکن "خون کے آنسو" کا مقصد جہاں یہ ہے کہ دیوبندی عقائد کو پیش کر کے دشمن کو اصل وضع قطع میں سامنے کھڑا کر دیا جائے تو ان دوست دشمنوں کے چہرے سے اگر نقاب اٹھا دیا گیا تو کیا مضائقہ!

سنا کرتے ہیں پہروں دل لگا کر میرے شیون کو
سخن سنجی سکھاتا ہوں نو اسنجان گلشن کو

بات یہ چل رہی تھی کہ بسا اوقات علماء دیوبند ہماری مخالفت کے غلو میں اپنے اکابر سے بھی منہ موڑ لیتے ہیں جس کی زندہ مثال حسب ذیل حوالے میں ملاحظہ فرمائیے۔

ملفوظات اشرف العلوم بابت ماہ رمضان ۱۳۵۵ھ صفحہ ۸۸

"فرمایا حاجی علی محمد انبیٹھوی کلیر شریف سے واپس آئے تو کہا کہ حضرت حاجی نے مجھ کو سماع کی اجازت دی ہے حضرت مولانا گنگوہی دیوبند تشریف لائے ہوئے تھے اور بہت بڑا مجمع تھا مولانا سے اس کا ذکر کیا گیا فرمایا محمد علی غلط کہتا ہے اور اگر یہ صحیح کہتا ہے تو حاجی صاحب (حاجی امداد اللہ مہاجر مکی) غلط کہتے ہیں۔
حضرت حاجی صاحب مفتی نہیں ہیں۔ یہ مسائل حضرت حاجی صاحب کو ہم سے پوچھنے چاہئیں۔

کچھ طرز ستم بھی ہیں کچھ انداز وفا بھی
کھلتا نہیں حال ان کی طبیعت کا ذرا بھی

نوٹ: یہ ہیں علماء دیوبند کے قطب عالم مربی خلائق مولانا رشید احمد گنگوہی جنہوں نے کو اخور کی شریعت کی بنیاد ڈالی ہے کہ پیر کو مرید سے مسئلہ دریافت کرنا چاہیے۔
میرے استاد محترم مرشد برحق مجاہد ملت مولانا الحاج محمد حبیب الرحمان صاحب قبلہ بسا اوقات فرماتے ہیں کہ جو شاگرد استاذ سے چون وچرا نہ کرے اور جو مرید اپنے پیر سے چون و چرا کرے دونوں ناقص ہیں۔
استاذی و شاگردی میں قیل و قال کی گنجائش ہے لیکن پیری و مریدی میں تو پیر کے اشارے پر چلنا پڑتا ہے بلبل شیراز حضرت حافظ علیہ الرحمۃ نے کتنے پتے کی بات کہی ہے

بہ مے سجادہ رنگین کن گرت پیر مغاں گوید
کہ سالک بے خبر نہ بود ز راہ و رسم منزلہا

اب جب کہ دیوبندیوں کے روحانی لگڑ دادا حضرت حاجی امداد اللہ مکی کا تذکرہ آہی گیا ہے تو ان کی مشہور و معروف تالیف "فیصلہ ہفت مسئلہ" سے چند ایسے حوالے حاضر کر دیے جائیں جس سے یہ صحیح اندازہ ہو جائے کہ پیر کچھ کہتا ہے اور مرید کچھ

مجھ سے بھی اقرار عدو سے بھی وعدہ
کیا جانے کہاں جائیں گے نیت کدھر کی ہے

"فیصلہ ہفت مسئلہ" مولفہ حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی صفحہ ۱۰

"ملائکہ کا درود شریف حضور اقدس میں پہنچانا احادیث سے ثابت ہے اس اعتقاد سے کوئی شخص الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ کہے کچھ مضائقہ نہیں۔"

نوٹ: پیر کی نگاہ میں الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ درست ہے مگر مریدوں کی شریعت میں شرک و بدعت

فیصلہ ہفت مسئلہ صفحہ ۸

"لفظ عرس اس حدیث سے ہے نم کنومة العروس یعنی بندہ صالح سے کہا جاتا ہے کہ عروس کی طرح آرام کر کیونکہ موت مقبولان الٰہی کے حق میں وصال محبوب حقیقی ہے اس سے بڑھ کر کون عروس ہوگی چونکہ ایصال ثواب بروح اموات مستحسن ہے خصوصاً جن بزرگوں سے فیوض و برکات حاصل ہوتے ہیں ان کا زیادہ حق ہے اور ہر اپنے پیر بھائی سے ملنا موجب ازدیاد محبت و تزائد برکات ہے نیز طالبوں کا یہ فائدہ ہے کہ پیر کی تلاش میں مشقت نہیں ہوتی، بہت سے مشائخ رونق افروز ہوتے ہیں اس میں جس سے عقیدت ہو اس کی غلامی اختیار کرے اس لئے مقصود ایجاد رسم عرس سے یہ تھا کہ سب سلسلہ کے لوگ ایک تاریخ میں جمع ہو جائیں باہم ملاقات بھی ہو جائے اور صاحب قبر کی روح کو قرآن و طعام کا ثواب بھی پہنچایا جائے یہ مصلحت ہے تعین یوم میں"

اسی صفحہ پر آگے چل کر فرماتے ہیں۔

"پس حق یہ ہے کہ زیارت مقابر انفراداً و اجتماعاً دونوں طرح جائز اور ایصال ثواب قرات و طعام بھی جائز اور تعین تاریخ بہ مصلحت بھی جائز سب مل کر بھی جائز رہا۔"

نوٹ: پیر و مرشد کی نظر میں عرس، تعین یوم، قرآن و طعام کا ایصال ثواب یہ ساری باتیں جائز و درست ہیں مگر مریدین کی کوا خور شریعت میں یہ ساری باتیں ناجائز، حرام، شرک و بدعت ہیں، جہاں جہاں مالی منفعت یا سیاسی تقاضے وہاں سب جائز ہے۔

سیاست میں بھی داخل ریاست میں بھی شامل
ہمارا مولوی بھی فی الحقیقت تھالی کا بینگن ہے

فیصلہ ہفت مسئلہ صفحہ ۶

"نفس ایصال ثواب ارواح اموات میں کسی کو کلام نہیں"

فیصلہ ہفت مسئلہ صفحہ ۷

"پس یہ ہیئت مروجہ ایصال ثواب کسی قوم کے ساتھ مخصوص نہیں اور گیارھویں غوث پاک قدس سرہ کی دسواں 'بیسواں' چہلم' ششماہی' سالیانہ وغیرہ اور توشہ حضرت شیخ احمد عبدالحق رودولوی رحمۃ اللہ علیہ اور سہ منی حضرت بو علی قلندر رحمۃ اللہ علیہ وحلوائے شب برات اور دیگر طریق ایصال ثواب کے قاعدے پر مبنی ہیں اور مشرب فقیر کا اس مسئلہ میں یہ ہے کہ فقیر کا اس مسئلہ میں یہ ہے کہ فقیر پابند اس ہیئت کا نہیں ہے مگر کرنے والوں سے انکار نہیں کرتا۔"

نوٹ: پیرومرشد کی خانقاہ میں سوئم' دسواں' بیسواں' چہلم' سالیانہ' شب برات' غوث پاک کی گیارھویں اور حضرت مخدوم عبدالحق رودولوی کا توشہ' حضرت بو علی شاہ قلندر یہ کی سہ منی وغیرہ سبھی درست ہیں۔

لیکن مطاع عالم' قطب عالم' مربی خلائق جناب گنگوہی اور ان کے متبعین کی کوا خور شریعت میں یہ ساری باتیں شرک وبدعت' ناجائز و حرام ہیں۔

البتہ اگرچہ اچھا کر فاتحہ کی یہ تمام چیزیں کھانے کو مل جائیں تو طیب وطاہر ہیں۔

ریاضؔ توبہ نہ ٹوٹے نہ میکدہ چھوٹے
زبان کا پاس رہے وضع کا نباہ رہے

فیصلہ ہفت مسئلہ صفحہ ۳

"پہلا مسئلہ مولود شریف کا اس میں تو کسی کو کلام ہی نہیں کہ نفس ذکر ولادت شریف حضرت فخر آدم سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم موجب خیرات وبرکات دینوی واخروی ہے۔"

فیصلہ ہفت مسئلہ صفحہ ۵

"اور مشرب فقیر کا یہ ہے کہ محفل مولود میں شریک ہوتا ہوں بلکہ ذریعہ برکات سمجھ کر ہر سال منعقد کرتا ہوں اور قیام میں لطف ولذت پاتا ہوں۔"

نوٹ: یہ جان رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا منہ بولتا معجزہ نہیں تو اور کیا؟
پیر و مرشد نہ صرف میلاد و قیام کے قائل بلکہ ذریعہ برکات سمجھ کر ہر سال محفل میلاد شریف منعقد کرتے ہیں اور کھڑے ہو کر سلام پڑھتے ہیں۔ لطف ولذت محسوس کرتے ہیں جیسا کہ عام اہل اللہ کا دستور رہا اور ہے ویسے ہی حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی بھی اس پر عامل پابند رہے مگر یہ سارے مراسم دیوبند کی چہار دیواری تک پہنچتے پہنچتے اسراف' فضول خرچی' نمائش' رسم بن کر شرک و بدعت کی نذر ہو گئے حالانکہ یہ وہی دیوبند ہے جو اپنے ایک مہمان کے ناشتہ میں دس ہزار کی رقم خرچ کرتا ہے۔

ملاحظہ کیجئے تجلی دیوبند کا مضمون ہے۔

"پنبہ کجا کجا نہم تن داغ داغ شد"

آج تقدس و اتباع شریعت کے نام پر قوم کو لوٹا جا رہا ہے کھوپڑی گھٹی ہوئی' مونچھیں صاف' پیشانی پر کالا داغ' ہاتھ میں تسبیح' پائجامہ کے بجائے لانا نیکر' اور اگر رضاکاروں کی صف میں شامل ہو گئے تو سر پر چنے کی گٹھڑی اور بغل میں ستو زبان پر کلمہ مگر نرخرے سے نیچے نہیں اترتا۔ صورت سے شیخ نجدی کے سوتیلے بھائی معلوم ہوں اور سیرت میں اس کے بھی چچا۔ ان لوگوں کا حال بالکل ان دو مسخروں کی طرح ہے کہ ایک مسخرے نے اپنے ساتھی سے کہا "بھی! تم ہمیں اور ہمارے خاندان والوں کو نہیں پہچانتے ہمارے باپ دادا نے وہ وہ کر دکھایا کہ جس کو تم بھی سن کر حیران ہو جاؤ گے" اس کے ساتھی نے کہا "ارے بھائی! کچھ سناؤ تو سہی" مسخرہ بولا "ہم اپنے خاندان والوں سے سنتے چلے آئے ہیں کہ ہمارے لگڑ دادا نے ایک مکان بنوایا تھا' جس کا صحن اتنا بڑا تھا کہ ایک تیز رفتار گھوڑا صحن کے مشرقی حصے سے صحن کے مغربی حصے کی طرف چلتا اور ساری عمر چلتے چلتے مر جاتا مگر صحن کے اس سرے سے اس سرے تک پہنچ نہ پاتا۔"

یہ سنتے ہی اس کے ساتھی نے کہا "تم جھوٹ اور بالکل جھوٹ کہتے ہو۔ پھر بھی یہ کوئی زیادہ تعجب کی بات نہیں البتہ ہم نے اپنے خاندان کی ایک روایت سنی ہے کہ ہمارے لگڑ دادا نے بانس کے سارے جنگلات کٹوا کر ایک بانس کو دوسرے میں' دوسرے کو تیسرے میں' تیسرے کو چوتھے میں غرضیکہ ایسے ہی سارے بانسوں کو جڑواتے چلے گئے بالآخر وہ اتنا

لمبا ہو گیا کہ جب کبھی قحط پڑتا' بارش نہ ہوتی تو ہمارے لکڑ دادا کسی بدلی کو اسی بانس سے کھود دیتے اور جھما جھم بارش ہو جاتی تو اس کے ساتھی نے کہا تم تو بالکل ہی جھوٹ کہتے ہو' کہیں اتنا بڑا بانس تیار کیا جا سکتا ہے! آخر ش اس کو رکھتے کہاں تھے؟ تو جھٹ اس کے ساتھی نے کہا اسی مکان کے صحن میں جس کو تمہارے لکڑ دادا نے بنوایا تھا تو فوراً اس نے کہا آپ تو بالکل صحیح ہے۔

گرے گا ہمسری کیا عشق میں کوئی بھلا میری
کہ چلیں رات دن بھر تا تھا مجنوں کا چچا میری

دیکھا آپ نے یہ الجھا ہوا مسئلہ کس قدر آسانی سے حل ہو گیا جب ایک نے اسے بڑے صحن کو مان لیا تو دوسرے نے بارش برسانے والا بانس بھی تسلیم کر لیا بحث واقعہ کی نہیں تھی بلکہ شخص و افراد کی تھی۔ بالکل یہی حال علماء دیوبند کا ہے اگر کسی کرامت کی نسبت غوث پاک 'غریب نواز کی طرف کیجئے تو ڈھائی سیر کا سر گردش میں آجائے گا اور ڈھائی گز کی زبان باہر نکل آئے گی لیکن اگر اسی کرامت کی نسبت مولانا تھانوی کے والد اور مولانا نانوتوی کے دادا کی طرف کر دیجئے تو اپنی جگہ چھوڑ کر آپ سے قریب آجائیں گے اور آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بڑے معصوم و بھولے بن کر ارشاد فرمائیں گے ارے صاحب ان بزرگوں کا کیا کہنا' وہ اللہ والے تھے ان کا مرتبہ تو اس سے بھی زیادہ بلند تھا جتنا کہ ہم اور آپ سمجھ رہے ہیں۔ مولانا گنگوہی قطب عالم و مربی خلائق تھے مولانا نانوتوی انسانی روپ میں فرشتہ تھے اور کیا کہنا ہمارے حکیم الامت کا وہ تو اپنے دور کے پیغمبر و رسول تھے اور کچھ نہ پوچھئے مولانا ٹانڈوی کے متعلق اللہ تعالیٰ اپنی کبریائی پر پردہ ڈال کر اتر آیا تھا حالانکہ حال یہ ہے ؂

رات شیطاں کو خواب میں دیکھا
ساری صورت جناب کی سی تھی

دوستو! یہ دنیا کا اصول ہے کہ انسان اپنے بزرگوں کی بڑائی بیان کرنے میں لطف و لذت محسوس کرتا ہے۔ یہ ایک فطری تقاضا ہے کہ جس پر نہ کوئی پہرہ بٹھایا جا سکتا ہے اور نہ کوئی بند باندھا جا سکتا ہے۔ سوچو تو سہی یہ اللہ کا کیسا فضل عظیم ہے کہ علماء دیوبند اپنے خانہ ساز پیروں کی تعریف میں زبان و قلم گھس رہے ہیں اور علماء اہل سنت اس کی بارگاہ میں خراج عقیدت

پیش کرتے ہیں جو خلاصہ کائنات اور محبوب خدا ہیں۔

اب اسی ضمن میں اپنے بزرگوں کی بارگاہ میں علماء دیوبند کی عقیدت کیشی کے چند ایسے حوالہ جات ملاحظہ فرمایئے جس سے آپ کو ان کی ذہنیت اور بدعقیدگی کا صحیح اندازہ ہو سکے۔

اشرف السوانح حصہ اول۔ مطبوعہ نامی پریس لکھنو صفحہ ۲۶

"ایک خواب کا تذکرہ کرتے ہوئے حضرت والا نے خواب دیکھا کہ حضرت والا کو ایک بزرگ نے اور ایک دنیاوی حاکم نے دو متفرق تحریریں لکھ کر دیں اور دونوں میں یہ لکھا تھا کہ ہم نے تم کو عزت دی ایک پر تو چاروں طرف حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اسم مبارک کی مہر لگی ہوئی تھی اور وہ صاف پڑھی جاتی تھی اور دوسری مہر کے حروف پڑھے نہ جاتے تھے۔ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی یہ تعبیر دیکھی کہ تمہیں انشاء اللہ تعالیٰ دین اور دنیا دونوں کی عزت ملے گی۔"

نوٹ: میں "خون کے آنسو" جلد اول میں اس کی طرف اشارہ کر چکا ہوں کہ یہ بھی ایک عجیب حادثہ ہے کہ علماء دیوبند اپنے اکابر کے جس قدر بھی بزرگی و کرامات کا تذکرہ کرتے ہیں وہ سب براہ خواب ہی نمودار ہوتی ہے۔

اشرف السوانح کی دو ایک اور روایات ملاحظہ فرمایئے جس سے ان کے غلو محبت کا اندازہ ہو سکے گا۔

اشرف السوانح حصہ اول صفحہ ۱۲۴ و ۱۲۵

"حضرت حافظ احمد حسین شاہجہان پوری جو باوجود شاہجہانپور کے بڑے رئیس ہونے کے صاحب سلسلہ بزرگ تھے حضرت والا سے بہت محبت فرماتے تھے ایک بار کسی کے لئے بددعا کی تو وہ شخص دفعۃً مر گیا بجائے اس کے کہ وہ اپنی کرامت سے خوش ہوتے ڈرے اور بذریعہ تحریر حضرت والا سے مسئلہ پوچھا کہ مجھے قتل کا گناہ تو نہیں ہوا۔ حضرت والا نے مفصل جواب دیا جس سے ان کی پوری تشفی ہو گئی۔ خلاصہ جواب کا یہ تھا کہ اگر آپ میں قوت تصرف ہے اور بددعا کرنے کے وقت اپنے اس قوت سے کام لیا تھا کہ یہ شخص مر جائے تب تو قتل کا گناہ ہوا اور چونکہ عذر شبہ عمر

ہے اس لئے دیت اور کفارہ واجب ہوگا۔"

جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

نوٹ: پہلے خواب کا مقصد یہ تھا کہ اپنے شیخ کے لئے دین ودنیا کی عزت ثابت کی جائے اور دوسری روایت سے یہ ثابت کرنا ہے کہ جب حکیم الامت کے خدام ایسے صاحب تصرف تھے کہ اگر کسی کو بددعا دیں تو دفعتہً مر جائے پھر حکیم الامت کی قوت تصرف کا کیا عالم ہوگا۔

اب اشرف السوانح کی تیسری روایت ملاحظہ فرما کر علماء دیوبند کی چومکھی پالیسی کا جائزہ لیجئے۔

حدود کوچہ محبوب ہیں وہیں سے شروع
جہاں سے پڑنے لگے پاؤں ڈگمگائے ہوئے

اشرف السوانح حصہ اول صفحہ ۱۲

"تھانوی صاحب کے پردادا کے حالات کا تذکرہ کرتے ہوئے پردادا صاحب تو کیرانہ اور شاملی کے درمیان جہاں پختہ سڑک ہے شہید ہوئے اور وہیں پر سماء الدین صاحب کے مزار کے پاس دفن کئے گئے اور شروع میں بہت عرصے تک ان کا عرس بھی ہوتا رہا۔ (چند سطر بعد) شہادت کے بعد ایک عجیب واقعہ ہوا شب کے وقت اپنے گھر مثل زندہ کے تشریف لائے اور اپنے گھر والوں کو مٹھائی لا کر دی اور فرمایا کہ اگر تم کسی سے ظاہر نہ کروگی تو اسی طرح روزانہ آیا کریں گے لیکن ان کے گھر والوں کو یہ اندیشہ ہوا کہ گھر والے جب بچوں کو مٹھائی کھاتے دیکھیں گے تو معلوم نہیں کیا شبہ کریں اس لئے ظاہر کر دیا اور پھر آپ تشریف نہیں لائے یہ واقعہ خاندان میں مشہور ہے۔"

جادو ہے یا طلسم تمہاری زبان میں
تم جھوٹ کہہ رہے ہو مجھے اعتبار ہے

نوٹ: اس کو تو خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ مٹھائی کون لاتا تھا اور کس سازباز کے تحت لاتا تھا جس کو کرامت وبزرگی کا نام دیا جا رہا ہے۔ یہ بھی بدنامی سے بچانے کا ایک نیا راستہ ہے لیکن اب ان مٹھائی کھانے والوں سے کوئی دریافت کرے کہ تمہارے گھر کا کوئی فرد شہید ہو جائے تو وہ زندہ ہو جاتا ہے چلتا پھرتا ہے بلکہ بچوں کے لئے مٹھائی بھی لاتا ہے۔ مگر کیا نقص رہ گیا تھا

سید سالار مسعود غازی رحمتہ اللہ علیہ کی شہادت میں کہ آج ان کی قبر کو مٹی کا ڈھیر کہا جاتا ہے اور آستانہ بہرائچ پر جانے والوں کو مشرک و بدعتی

مرے دل کو توڑو پر اتنا سمجھ لو
کہ برباد ہو گا یہ کاشانہ کس کا

اگر سید سالار مسعود غازی علیہ الرحمتہ والرضوان کی حیات وزندگی سے آپ کو انکار ہو گا تو پھر تھانہ بھون کے شہیدوں کا آپ کس طرح گن گا سکیں گے؟

یاللعجب واحسرتاہ!

ایک ہنگامہ محشر ہو تو اس کو بھولوں
سینکڑوں باتوں کا رہ رہ کے خیال آتا ہے

داد دیجئے انگریز بہادر کو وہ نہ جانے علماء دیوبند کو افیون کی کونسی سی گولیاں کھلا گیا کہ ۔۔۔ اس کا نشہ اتر ہی نہ سکا۔ دو چار کتابیں' دس پانچ عبارتیں ہوتیں تو امتداد زمانہ انہیں خود ہی مٹا دیتا اور اختلافات کی نہریں دھیرے دھیرے خود ہی پٹ جاتیں۔ مگر یہاں تو قوم مسلم کی تباہی و دل آزاری کے لئے قدم قدم پر خیمے نصب ہیں۔ ایک حفظ الایمان و تقویۃ الایمان ہی کا رونا نہیں ہے بلکہ اس گروہ نے جب بھی قلم اٹھایا تو قوم مسلم ہی کو تختہ مشق بنایا۔ کبھی رسول کریم کو گالیاں دے کر ہمیں رلایا تو کبھی حرمت اولیاء و عظمت اسلام کو گھٹا کر ہمیں ستایا اور جب اس سے بھی تسکین نہ ہوئی تو قوم و پیشہ کی بحث چھیڑ کر پوری ملت اسلامیہ کی دلآزاری کی چنانچہ ہندو پاک میں لاکھوں نہیں کروڑوں انصاری برادری کے ایسے دیندار مخیر اہل علم اہل ثروت ملیں گے جن کی بدولت ہزارہا مدارس عربیہ و فارسیہ پھل پھول رہے ہیں اور مذہبی امور میں یہ برادری کتنے ذوق و شوق سے پیش پیش ہو کر حصہ لے رہی ہے وہ محتاج بیان نہیں آج اسی برادری میں اتنی کثرت سے حافظ قاری' مولوی' عالم' فاضل ملیں گے کہ دوسری برادری میں ملنا مشکل ہے۔ لیکن ایسی دیندار اور اہل خیر برادری کے لئے مولانا اشرف علی صاحب تھانوی کا نظریہ ملاحظہ کیجئے جس کو نقل کرتے ہوئے میرا قلم کانپ رہا ہے۔

الرفیق فی سواء الطریق (ملقب بہ) کیل یوسفی

مصنفہ مولوی اشرف علی تھانوی در مطبع امداد المطابع تھانہ بھون ذی الحجہ ۱۳۶۶ھ صفحہ ۲۵

"الحائك اذا صلى يومين انتظر الوحى"

ترجمہ: جولاہا دو دن نماز پڑھ کر (اپنی کم عقلی کی وجہ سے) وحی کا انتظار کرتا ہے۔

اب میں اس مقام پر ناظرین کا انصاف چاہتا ہوں کہ وہ ٹھنڈے دل سے سوچیں کہ یہ اسلام کا کون سا ایسا اہم مسئلہ تھا جس کے بیان کئے بغیر مولانا تھانوی کا تبلیغی مشن نا تمام رہ جاتا؟ اس کے سوا اور کیا کہا جائے کہ آپس میں مسلمانوں کو لڑا کر انگریز بہادر کی خوشنودی اور وفاداری کا حق ادا کیا جا رہا تھا۔ چنانچہ اب سے بہت دنوں پہلے دیوبند کی چہار دیواری سے اسی قسم کا ایک ناروا حملہ کیا گیا تھا جس پر ہندوستان کی پوری انصاری برادری تڑپ اٹھی اور جمعیۃ الانصار قصبہ مئوناتھ بھنجن ضلع اعظم گڑھ کے اراکین نے بطور احتجاج ایک کتابچہ شائع کیا جس کے ٹائٹل پیج کی سرخی یہ ہے۔

"ڈوب مرنے کی جگہ ہے دوستو"

"مفتی صاحب دیوبند اور غریب پیشہ ور اقوام"

مفتی صاحب دیوبند اور حکیم الامت 'مولانا اشرف علی تھانوی کی علمی تہذیب کا نمونہ اور کروڑوں پیشہ ور مسلمانوں بھائیوں کی توہین و تذلیل

اب اسی کتابچہ کی چند عبارتیں ملاحظہ فرمایئے جس سے آپ کو اندازہ ہو گا کہ افتراق بین المسلمین میں علماء دیوبند کا کتنا زبردست ہاتھ ہے۔

صفحہ ۴ کی عبارت سنئے۔

"جب قیامت کا دن ہو گا ایک منادی آواز دے گا لوگ کہاں ہیں جنہوں نے زمین پر رہتے ہوئے اللہ کے ساتھ خیانت کی ہے اس پر ٹھٹھیرے اور صراف حاضر کئے جائیں گے"

صفحہ ۴ کی دوسری عبارت ملاحظہ فرمایئے۔

"میری امت کے بدترین لوگ دستکاری کرنے والے اور سنار ہیں۔"

تیسری عبارت ملاحظہ فرمایئے۔

"جلاہوں سے مشورہ نہ لو اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی عقلیں سلب کر لی ہیں اور ان کی کمائی سے برکت دور کر دی اس لئے کہ حضرت مریم علیہم السلام جلاہوں کی ایک جماعت کے پاس سے گزریں تو ان سے راستہ پوچھا انہوں نے غلط راستہ بتادیا تو مریم علیہا السلام نے بددعا کی خدا تعالیٰ تمہاری کمائی سے برکت سلب کر لے۔"

نوٹ: اب مفتی صاحب دیوبند اور پیشہ ور اقوام کے صفحہ ۸ و ۹ کی عبارت ملاحظہ کر کے اندازہ کیجئے کہ علماء دیوبند کے جارحانہ حملے سے بھارت کے مسلمانوں میں کیسا شدید ہیجان تھا۔

صفحہ ۸ و ۹

"محترمانِ قوم! احکام بالادست دیوبند کی منطق کا سمجھنا آسان نہیں ہے، یہی تو ان کا زبردست ہتھکنڈہ ہے جس سے تمام دنیا چکر میں ہے۔ کہاں تو مفتی دیوبند پیشہ وروں کی تذلیل و توہین کرنے کے متعلق یہ کوشش اور وہ گرما گرمی و شوریٰ شوری کہ اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتے بلکہ خود سرکار رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جو کچھ پیشہ وروں کے متعلق فرمایا ہے وہی پیش کر رہے ہیں اور صرف ایک ہی جھٹکے میں مفتی صاحب اور شرفا اراکین و مدرسین دار العلوم دیوبند کی یہ بے نمکی اور پھیکا پن کہ ہر کلمہ گو مسلمان کو اپنا بھائی سمجھتے ہیں۔ ہم شرفاء اراکین دار العلوم دیوبند سے کہے دیتے ہیں کہ اب وہ زمانہ گیا کہ آپ مدرسہ کی چہار دیواری کے اندر بیٹھ کر جو کچھ رطب و یابس فرمادیا کرتے تھے دنیا اس پر ایمان لانے کے لئے تیار تھی اور رات دن ان لوگوں کے گورکھ دھندوں اور منطقی اینچ پینچ میں پڑی رہتی تھی۔"

ہوا حاصل یہ ہم کو دوستوں کی بے وفائی سے
کہ ہم نے عمر بھر کو توبہ کر لی آشنائی سے

نوٹ: مندرجہ بالا عبارت کے حسب ذیل جملے قابل توجہ ہیں۔

۱- یہی تو ان (علماء دیوبند) کا زبردست ہتھکنڈہ ہے۔

۲- مدرسہ کی چہار دیواری کے اندر بیٹھ کر جو کچھ رطب و یابس فرمادیا کرتے تھے۔

۳- ان لوگوں کے گورکھ دھندوں اور منطقی اینچ پینچ

اسی ضمن میں ارواح ثلاثہ کی ایک عبارت ملاحظہ کیجئے۔

ارواح ثلاثہ صفحہ ۲۷۴

حکایت (۲۹۱)

"مولوی فاروق صاحب نے فرمایا کہ مولانا احمد حسن صاحب نے ارشاد فرمایا کہ جب میں اول اول مولانا قاسم صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا تو مولانا محمد قاسم صاحب کی خدمت میں ایک جولاہا آیا اور دعوت کے لئے عرض کیا مولانا محمد قاسم صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے منظور فرمالیا۔ یہ امر مجھ کو بہت ناگوار ہوا تھا کہ جیسے کسی نے گولی ماردی۔ کہ بھلا جولاہے کی دعوت بھی منظور کرلی۔"

تواضع کا طریقہ صاحب سیکھو صراحی سے
کہ جاری فیض بھی ہے اور جھکی جاتی ہے گردن بھی

نوٹ: یہ ہیں علماء دیوبند اور ان کے حاشیہ نشین کہ ان کے قبول کرلینے پر انہیں ناگوار گزری کہ گویا کسی نے انہیں گولی ماردی۔

یہ اور بات ہے کہ جمعیۃ الانصار مئوناتھ بھنجن ضلع اعظم گڑھ کے احتجاج پر ان کی پالیسی نرم ہوگئی تھی لیکن علماء دیوبند نے اب سے پہلے جو کچھ لکھ دیا تھا آج تک اس کی اشاعت ہورہی ہے مجھ پر تو محض نقل روایت کی ذمہ داری ہے اور وہ بھی بادل نخواستہ۔

خدائے قدیر کی بارگاہ میں یہی دعا کہ وہ ان کی اصلاح فرمائے تاکہ یہ گروہ مقام نبوت کی عظمت و برتری، حرمت اولیاء اور وقار مسلم کا پاس و لحاظ رکھ سکے۔

کس قدر دکھ اور صدمے کا مقام ہے کہ یہ وہی حضرات ہیں جو اپنے خانہ ساز پیروں کی منقبت میں ایسی چھلانگیں مارتے ہیں جو صرف انہیں کو زیب دیتا ہے نہ تو حدود شرعی کی کوئی رعایت اور نہ ہی روایت و درایت کا کوئی لحاظ اس موقع پر مولانا نانوتوی کی تعریف میں ایک شعر سن لیجئے اور دیوبندی ذہن و فکر کی داد دیجئے۔

شیخ الاسلام نمبر صفحہ ۴۹

ہجوم خلائق ہے بہر زیارت
نہیں اس کو جنت میں بھی آج فرصت

نوٹ: گویا جنت بھی آسام و سلہٹ کی کوئی نشست گاہ ہے جہاں لوگ سیاسی مسائل کا حل دریافت کرنے یا دعا تعویذ کے لئے جوق در جوق چلے آ رہے ہیں یا وہاں بھی تقسیم و بٹوارہ کی نوبت آگئی ہے کہ حضرت شیخ سے "قومی نظریہ" پر ان کی رائے حاصل کی جائے۔

جب بات آہی گئی ہے تو حضرت شیخ سے متعلق "شیخ الاسلام" نمبر کا ایک شعر اور سن لیجئے۔

شیخ الاسلام نمبر صفحہ ۱۰۰

ملتا نہیں ہے رابطہ دور معرفت
گھبرا رہی ہے رحمت یزداں ترے لئے

اس ضمن میں روزنامہ "نئی دنیا" دہلی کے عظیم مدنی نمبر سے بھی ایک شعر ملاحظہ کیجئے۔

عظیم مدنی نمبر صفحہ ۱۸۶

اپنی کہاں بساط کہ اس تک پہنچ سکیں
ہم ذرہ ہائے خاک ہیں وہ آفتاب تھا

یہ بہت ہی سادہ اور واضح اشعار ہیں جن پر مجھے کوئی تبصرہ نہیں کرنا ہے ان کو پیش کر کے دیوبندی مکتبہ فکر کی ایک جھلک دکھلائی ہے کہ یہ اپنوں کی تعریف میں کیا سے کیا ہانک جاتے ہیں اور یہ حال مریدوں و عقیدت کیشوں ہی کا نہیں ہے بلکہ خود آں بدولت جب تعلی اور ڈینگ پر اتر آتے ہیں تو مقام نبوت سے نیچے کی بات ہی نہیں کرتے۔

ارواح ثلاثہ کی ایک عبارت ملاحظہ فرمایئے۔

ارواح ثلاثہ صفحہ ۱۹۷

حکایت نمبر ۳۱۴ "فرمایا ایک مرتبہ حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ حج بیت اللہ شریف کو تشریف لے گئے۔ مولانا گنگوہی کا تو قدم قدم پر انتظام اور مولانا نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ لاابالی[1] کہیں کی چیز کہیں پڑی ہے

---

[1] ۔ اس لاابالی پن کے نتیجے میں تحذیر الناس جیسی کتاب لکھی گئی ہے اس کتاب پر سیر حاصل گفتگو "خون کے آنسو" جلد سوم میں کی جائے گی۔

کچھ پرواہ نہیں اس وقت ایک گروہ مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس گیا کہ ہم بھی آپ کے ہمراہ حج کو چلیں گے آپ نے فرمایا کہ زادِ راہ بھی ہے۔ انہوں نے کہا ایسے ہی توکل پر چلیں گے مولانا نے فرمایا جب ہم جہاز کا ٹکٹ لیں گے تو تم منیجر کے سامنے توکل کی پوٹلی رکھ دینا۔

بڑے آئے توکل کرنے جاؤ اپنا کام کرو۔ پھر ان لوگوں نے حضرت مولانا نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ سے کہا تو آپ نے اجازت دے دی۔

ہر گلے رنگ و بوئے دیگر ست

راستہ میں جو کچھ بھی ملتا وہ سب لوگوں کو دے دیتے اور ساتھیوں نے کہا کہ حضرت آپ تو سب ہی دے دیتے ہیں کچھ اپنے پاس تو رکھئے۔ تو فرمایا انما انا قاسم واللہ یعطی۔"

نوٹ: یہ وہی حدیث ہے جس کو آقائے دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی بابت ارشاد فرمایا مگر دیوبندیوں کے مقتدا و پیشوا اپنے بارے میں فرماتے ہیں کہ اللہ عطا فرماتا ہے اور میں تقسیم کرتا ہوں یعنی جانتے اسی حدیث پاک کو جب علمائے اہل سنت فضائل مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء کے لئے عنوان گفتگو بناتے ہیں تو حضرات دیوبند کے چہرے پر ایک رنگ آتا ہے اور ایک جاتا ہے مگر جب اپنی باری آئی تو بہت سے بلا تکلف کہہ دیا کہ اللہ عطا فرماتا ہے اور میں تقسیم کرتا ہوں۔ ان کا حال تو یہ ہے کہ اگر آقائے دو جہاں کی تعریف و توصیف میں کوئی حدیث پیش کی جائے تو اس کو تو راحدیث ضعیف کہہ کر منہ بنالیں گے گویا یہ حدیث قابل اسناد ہی نہیں لیکن اپنے لئے حدیث ضعیف بھی قبول کرلیں گے کہ حدیث تو ہے اگرچہ ضعیف سہی حوالہ ملاحظہ فرمایئے

کے خبر تھی کہ لے کر چراغ مصطفوی
جہاں میں آگ لگاتی پھرے گی بولہبی

ارواح ثلاثہ صفحہ ۲۷۲

"ایک مرتبہ گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے حاضرین مجلس سے فرمایا کہ مولانا محمد قاسم کو گلاب سے زیادہ محبت تھی جانتے بھی ہو کیوں تھی ایک صاحب نے عرض کیا کہ

حدیث ضعیف میں آیا ہے کہ گلاب جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عرق سے بنا ہوا ہے فرمایا ہاں اگرچہ حدیث ضعیف ہے مگر ہے تو حدیث۔"

نوٹ: اگر آج ہم اسی حدیث پاک سے سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فضائل بیان کرنا چاہیں تو ان کا ہر چھوٹا بڑا شور مچائے گا کہ یہ تو حدیث ضعیف ہے۔ لیکن جب گنگوہی صاحب کے چھیتے کی باری آئی جس کو بھری محفل میں چارپائی پر لے کر لیٹے تھے۔ تو صاف صاف کہہ دیا کہ اگرچہ حدیث ضعیف ہے مگر ہے تو حدیث۔ یہ دیوبندی گروہ کے کسی چھوٹے موٹے کی بات نہیں ہے بلکہ مربی خلائق قطب عالم پیر مغاں حضرت گنگوہی صاحب کا ارشاد ہوا یوں ہے جن کی حدیث دانی پر پوری دنیائے دیوبندیت کو اتفاق ہے۔

جب بات ان کے لاف و گزاف اور تعلّی اور ڈینگ مارنے کی آ گئی ہے تو اس کو مکمل ہی کر دیا جائے پچھلے صفحات پر بات گزر چکی ہے کہ مولانا گنگوہی نے فرمایا۔

"حاجی صاحب مفتی صاحب نہیں ہیں یہ مسائل حضرت حاجی صاحب کو ہم سے پوچھنے چاہئیں۔"

اب ارواح ثلاثہ کی ایک حکایت ملاحظہ فرمایئے جو تھانوی صاحب سے متعلق ہے۔

ارواح ثلاثہ صفحہ ۲۸۷

حکایت نمبر ۳۲۳ "فرمایا ایک مرتبہ میں حضرت حاجی صاحب کے ملفوظات و حالات بیان کر رہا تھا اس جلسہ میں ایک وکیل صاحب حضرت حاجی صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے معتقد بیٹھے ہوئے تھے جو بہت مزے لے رہے تھے اور ایک حالت طاری تھی انہوں نے اسی حالت میں مجھے مخاطب کر کے یہ شعر پڑھا۔

تو منور از جمال کیستی
تو مکمل از کمال کیستی

میں نے فی البدیہہ یہ جواب دیا۔

من منور از جمال حاجیم
من مکمل از کمال حاجیم

۔ حاجی امداد اللہ مہاجر مکی

نوٹ: یہ بھی خوب رہی جب حاجی صاحب کا فتوی آپ حضرات کے خلاف تھا تو بڑی صفائی سے کہہ دیا کہ حاجی صاحب محقق نہیں انہیں ہیں۔ انہیں ہم سے فتوی دریافت کرنا چاہیے اور جب اپنے اپنے اظہار کمال باری آئی تو جھوم جھوم کر یہ پڑھنے لگے۔

من مکمل از کمال حاجیم

جب آپ لوگوں کی نظر میں خود حاجی امداد اللہ صاحب مکمل نہیں تھے (محقق نہیں تھے) تو یہ کمال آپ میں کہاں سے آ گیا؟

اب حضرت گنگوہی کی ایک اور روایت سنئے۔

ارواح ثلاثہ صفحہ ۲۹۰

حکایت نمبر ۳۰۷ "خاں صاحب نے فرمایا کہ ایک دفعہ حضرت گنگوہی صاحب رحمۃ اللہ علیہ جوش میں تھے اور تصور شیخ کا مسئلہ در پیش تھا فرمایا کہہ دوں عرض کیا گیا کہ فرمایئے پھر فرمایا کہہ دوں عرض کیا گیا کہ فرمایئے۔ پھر فرمایا کہہ دوں عرض کیا گیا کہ فرمایئے۔ تو فرمایا کہ تین سال کامل حضرت امداد کا چہرہ میرے قلب میں رہا ہے اور میں نے ان سے پوچھے بغیر کوئی کام نہیں کیا۔"

نوٹ: یہ وہی حاجی صاحب ہیں جنہیں مولانا گنگوہی سے فتوی دریافت کرنا چاہیے تھا اب کوئی دریافت کرے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خیال لانے سے تو نماز جاتی رہتی ہے جب مسلسل تین سال حاجی صاحب آپ کے قلب میں رہے تو آپ کی نماز کا کیا حشر ہوا؟ اگر ان کے لٹریچر سے اس قسم کی متضاد عبارتیں اکٹھا کی جائیں تو وہ خود ایک مستقل کتاب ہو جائے گی یہ صرف چند اشارے ہیں۔

اب اسی ضمن میں مولانا قاسم نانوتوی کی ایک روایت ملاحظہ کیجئے جس میں انہوں نے اپنے جھوٹ بولنے کا اقرار کیا ہے۔

اللہ رے بتوں کی تلون مزاجیاں
ہاں ہاں گھڑی میں ہے تو گھڑی میں نہیں نہیں

ارواح ثلاثہ صفحہ ۳۶۸

حکایت نمبر ۳۹۱ : میری اس بات کو کسی نے نواب قطب الدین خاں صاحب تک

بھی پہنچادیا اور مولوی نذیر حسین صاحب تک بھی اور مولوی صاحب تو سن کر ناراض ہو گئے مگر نواب صاحب پر یہ اثر ہوا کہ جہاں میں ٹھہرا ہوا تھا میرے پاس تشریف لائے اور میرے پاؤں پر عمامہ ڈال دیا اور پاؤں پکڑ لئے اور رونے لگے اور فرمایا بھائی جس قدر بھی میری زیادتی ہو خدا کے واسطے مجھے بتلادو۔ میں سخت نادم ہوا اور مجھ سے بجز اس کے کچھ بن نہ پڑا کہ میں جھوٹ بولوں۔ لہٰذا میں نے جھوٹ بولا (اور صریح جھوٹ میں نے اسی روز بولا تھا) اور کہا کہ حضرت آپ میرے بزرگ ہیں میری کیا مجال تھی کہ میں ایسی گستاخی کرتا۔"

نوٹ: ناظرین نے اس حکایت سے اندازہ کر لیا ہو گا کہ دنیا کے ایک نواب سے سابقہ پڑ گیا تو بانی دارالعلوم دیوبند مولانا قاسم نانوتوی صریح جھوٹ بول گئے اور تھے بھی کچھ ایسے ہی لاابالی، کہیں سچ کہیں جھوٹ کہیں گول مول اب گول مول والی روایت سنئے

نو عمر ہیں ابھی ہے تلون مزاج میں
غصے کا اعتبار ہے ان کے نہ پیار کا

ارواح ثلاثہ صفحہ ۲۶۸

حکایت نمبر ۲۷۶ "فرمایا سیوہارہ میں ایک جماعت نے جن میں مسئلہ مولد میں نزاع ہو رہا تھا مولانا قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس وقت وہاں تشریف رکھتے تھے مولود کے بارے میں دریافت کیا تو فرمایا کہ بھائی نہ تو اتنا برا ہے جتنا لوگ سمجھتے ہیں اور نہ اتنا اچھا ہے جتنا لوگ سمجھتے ہیں یہ حکایت مولوی محمد یحیٰی سیوہاروی سے سنی ہے۔"

نوٹ: یہ بالکل وہی مضمون ہے۔

باغباں بھی خوش رہے راضی رہے صیاد بھی

اور یہ کچھ مولوی قاسم نانوتوی ہی کے ساتھ منحصر نہیں بلکہ تمام ہی اکابر دیوبند کا یہی عالم ہے کہ جہاں جیسا موقع دیکھا وہاں ویسی بات کہہ دی۔
چنانچہ پچھلے صفحات میں مولوی حسین احمد صاحب کے تذکرے میں ایسے واقعات گزر چکے ہیں مثلاً سیوہارہ میں لوگوں نے پاؤں دبانا چاہا تو وہاں آں بدولت نے فرمایا کہ اس کا سنت سے

ا؎ اگر کسی نے "خون کے آنسو" کا جواب لکھا تو اس وقت یہ روایت کام دے گی۔

ثبوت نہیں ملتا اور خود حضرت شیخ مولوی ابوالوفاء وغیرہ کا پاؤں دبایا کرتے۔ اس سلسلہ کی ایک اور روایت مل گئی ہے جو ایک خاص [1] مقصد کے تحت درج کی جاتی ہے۔

شیخ الاسلام نمبر ۱۴۹

"حضرت مولانا احمد شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ حسن پور کے ایک مشہور بزرگ تھے جن کے صاحبزادے مولانا سید محمود احمد صاحب حضرت شیخ الاسلام کے خلفاء میں ہیں مولانا احمد شاہ حضرت کے یہاں مہمان تھے گرمیوں کا موسم تھا دوپہر کا وقت تھا شاہ صاحب آرام فرمارہے تھے حضرت شیخ پہنچے اور پاؤں دبانے شروع کر دیئے۔ مولانا احمد شاہ صاحب نے گھبرا کر اٹھنا چاہا تو حضرت شیخ نے ایک ہاتھ ان کے سینہ پر رکھ لیا کہ وہ اٹھ نہ سکیں اور دوسرے ہاتھ سے ان کے پاؤں دباتے رہے۔ دیر تک یہ خدمت انجام دی۔"

نوٹ: واقعات پڑھنے سے کچھ ایسا اندازہ ہوتا ہے کہ جناب شیخ کو پاؤں دبانے سے بڑی دلچسپی تھی جب مولانا ٹانڈوی کا ذکر آہی گیا ہے تو ایک اور دلچسپ روایت سن لیجئے کہ مولانا کو پائخانہ صاف کرنے کی بھی مہارت تھی۔

عادت جو پڑی ہو ہمیشہ کی وہ دور بھلا کب ہوتی ہے
رکھی ہے چنوٹی پاکٹ میں پتلون کے نیچے دھوتی ہے

شیخ الاسلام نمبر صفحہ ۱۴۹

"مولانا محمد اسماعیل صاحب سنبھلی جو حضرت کی خلافت سے بھی مشرف ہیں راوی ہیں کہ ایک مرتبہ ٹرین میں حضرت والا فرسٹ کلاس میں سفر کر رہے تھے ایک ہندو صاحب بہادر بھی اسی ڈبہ میں تھے وہ قضائے حاجت کے لئے پائخانہ میں گئے اور فوراً واپس آگئے حضرت شیخ نے بھانپ لیا تھوڑی دیر بعد خاموشی سے اٹھے پائخانہ میں گئے وہ نہایت گندہ ہو رہا تھا اس کو صاف کیا پھر واپس تشریف لائے۔ تھوڑی دیر بعد میں نے صاحب بہادر سے دریافت کیا۔ آپ پاخانہ سے کیوں واپس آگئے تھے صاحب بہادر نے جواب دیا وہ بہت گندہ ہے حضرت نے فرمایا نہیں وہ تو صاف ہے

---

[1] الفقیہ امرتسر

جا کر ملاحظہ فرمائیے صاحب بہادر بے حد متاثر ہوئے۔"

نوٹ: آج کے ماحول میں یہ کہنا کہ صاحب بہادر بہت متاثر ہوئے یہ محض مولوی اسماعیل صاحب کی خوش فہمی ہے البتہ صاحب بہادر کا اس بات سے متاثر ہونا زیادہ قرین قیاس ہے کہ جب ایسے (پاخانہ کی صفائی کرنے والے) لوگ فرسٹ کلاس میں سفر کریں تو ہم لوگوں کا خدا ہی حافظ!

نہ پوچھئے کہ مولانا ٹانڈوی کے متوسلین نے کیا کیا گل کھلائے ہیں۔ تقسیم ہند سے پہلے کا ایک واقعہ ہے کہ کانگریس کی دعوت پر ٹانڈوی صاحب لاہور گئے اور پنجاب مندر میں آپ کی تقریر ہوئی اس وقت لاہور سے اخبار "ملاپ" نکلتا تھا چنانچہ دوسرے دن اخبار "ملاپ" میں جلی قلم سے یہ سرخی تھی "پنجاب مندر میں مولانا ننگ اسلاف کی ولولہ انگیز تقریر "ایڈیٹر "ملاپ" کو یہ معلوم تھا کہ مولانا ٹانڈوی اپنے کو "ننگ اسلاف" لکھتے ہیں اور اس کا یہ خیال تھا کہ یہ مولانا کا کوئی بہت بڑا خطاب ہوگا۔ اخبار جیسے ہی بازار میں آیا پوری دنیائے دیوبندیت میں آگ لگ گئی اور ایک کہرام مچ گیا یہاں تک کہ دیوبندیوں کا ایک جتھا دفتر "ملاپ" تک پہنچ گیا جن کا نعرہ تھا "دفتر میں آگ لگادو" پانی سر سے اونچا دیکھ کر ایڈیٹر "ملاپ" باہر نکل آیا اس نے مشتعل ہجوم سے دریافت کیا آخر شور و ہنگامہ کیسا ہے؟ سب لوگوں نے کہا کہ تم نے حضرت شیخ الاسلام کی توہین کی ہے اس لئے ہم دفتر میں آگ لگائیں گے۔

یہ سن کر ایڈیٹر "ملاپ" نے کہا آخرش میرے جرم کی نشان دہی تو کی جائے کہ میں نے کیا خطا کی ہے میں خود کانگرسی ہونے کے اعتبار سے مولانا کا احترام کرتا ہوں۔ یہ سنتے ہی سب نے بیک آواز کہا "کیا تم نے ہمارے حضرت شیخ کو ننگ اسلاف نہیں لکھا" آخر اب اس سے بڑھ کر اور کیا توہین ہوگی؟" یہ سنتے ہی ایڈیٹر "ملاپ" نے کہا بھئی یہ بات کچھ میں نے اپنی طرف سے تو نہیں لکھی مولانا خود اپنے آپ کو ننگ اسلاف لکھتے ہیں اگر میں نے لکھ دیا تو کیا مضائقہ!

یہ جواب پاکر تمام دیوبندیوں نے کہا "جناب! یہ اختیار تو ہمارے حضرت شیخ کو ہے کہ وہ بربنا عجز و انکسار اپنے کو ننگ اسلاف لکھیں یا کچھ اور لیکن یہ حق کسی دوسرے کو نہیں پہنچتا کہ

اگر بر سبیل تواضع حضرت نے جو کچھ اپنے کو لکھا ہو وہی دوسرا بھی انہیں لکھے "

اللہ رے خود ساختہ قانون کا نیرنگ
جو بات کہیں فخر وہی بات کہیں ننگ

یہ قانون مولانا نانوتوی کے بارے میں تو یاد رہا کہ مولانا نے عجز و انکسار کے تحت اپنے کو ننگ اسلاف لکھا ہے لہٰذا یہ ان کا اپنا حق ہے جس کو کوئی دوسرا استعمال نہیں کر سکتا لیکن جب بارگاہ رسالت کی باری آئی تو قانون کے دامن کی دھجیاں اڑا دی گئیں اور آج ہر چھوٹا بڑا دیوبند رسول کردگار کو اپنے جیسا بشر کہنے کے لئے انما انا بشر مثلکم کا نعرہ بلند کر رہا ہے آخر یہاں پہنچ کر کیوں عقل کا دیوالہ نکل گیا۔ جو قانون مولانا نانوتوی کے لئے اختیار کیا گیا وہی قانون یہاں کیوں نہیں اختیار کیا جاتا کہ پیغمبر خدا کا حق تھا کہ انہوں نے کفار مکہ کی تالیف قلوب کے لئے تواضعا یہ بات فرمائی تھی نہ کہ عام مسلمانوں کو یہ اختیار دیا گیا کہ وہ رسول خدا کے خطابات کو چھوڑ کر اپنے جیسا بشر کہتے پھریں۔ آج اتباع صحابہ و پیروی اسلاف کے بلند بانگ نعرے ہیں کیا کسی میں یہ دم خم ہے جو یہ بتا سکے کہ سیدنا ابو بکر' سیدنا فاروق اعظم' سیدنا عثمان غنی' سیدنا علی مرتضی رضی اللہ تعالیٰ عنہم یا کسی اور صحابی نے آقائے دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنے جیسا بشر کہا ہو' اور صرف بشر ہی نہیں بلکہ بڑا بھائی کہہ کر رشتہ و ناطہ بھی جوڑ لیا ہو' جس کے لئے "کل مومنین اخوۃ" کو بطور سند پیش کیا جاتا ہے اگر بڑا بھائی کہنے کے لئے اتنی سی بات کافی ہے کہ ہر مومن آپس میں بھائی ہے تو ایک زینہ اور آگے بڑھ جایئے جس طرح رسول خدا پر مومن کا اطلاق کیا جاتا ہے تو پروردگار عالم نے بھی اپنے اسماء صفات میں مومن فرمایا ہے "المومن المھیمن العزیز الجبار المتکبر "جب اللہ تبارک وتعالیٰ بھی مومن ہے تو اب علمائے دیوبند کو یہ کہنا چاہیے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ بڑا بھائی ہے اور رسول خدا منجھلے بھائی اور دیوبندی چھوٹے بھائی۔ معاذ اللہ ثم معاذ اللہ۔

ایک ضروری عرضداشت

اختتام گفتگو پر یہ مناسب معلوم ہوا کہ چند ضروری باتیں ناظرین کی خدمت میں پیش کردی جائیں تاکہ کتاب سے متعلق قارئین کسی غلط فہمی میں مبتلا نہ ہوسکیں۔

(۱) "خون کے آنسو" کی ترتیب کا مقصد نہ تو کسی کا تعاقب ہے اور نہ ہی چھیڑ چھاڑ بلکہ اس باب میں جتنی بھی کتابیں لکھی گئیں ان کے متعلق علماء دیوبند اور ان کے متبعین کا یہ کہنا تھا کہ اس میں تو گالی گلوج ہے اور ایک فرقہ کی جنبہ داری کے ساتھ دوسرے گروہ سے دھینگا مشتی کا کھلا ہوا مظاہرہ۔ چنانچہ وہ اس پروپیگنڈہ میں اتنے کامیاب ہوئے کہ علماء اہل سنت کی تقریر و تحریر سے متعلق ملک کے گوشہ گوشہ سے یہ آواز اٹھانے لگی کہ ارے صاحب! یہ لوگ تو فسادی اور جھگڑالو ہیں اور جہاں کہیں بھی انہوں نے یہ سمجھا کہ فلاں کی تقریر موثر ہوگی یا فلاں کتاب ذہن و فکر پر اثرانداز ہوگی تو فوراً کانا پھوسی شروع کردی کہ ان کی تقریر میں نہیں جانا چاہیے وہ تو حفظ الایمان اور تقویۃ الایمان کی عبارت پڑھ کر سناتے ہیں اور فلاں فلاں کتابیں نہیں دیکھنی چاہئیں۔ چونکہ ان کتابوں میں علماء دیوبند کی عبارت پر تنقید و تبصرہ ہے اور ساتھ ہی ان کو برا بھلا کہا گیا ہے آج کی مسموم و زہریلی فضا نے ہمارے خلاف جو ایک طوفان اٹھار کھا ہے اب آپ کو حسب ذیل سطروں میں اسی کا جواب تلاش کرنا ہے۔

(۲) آج علماء اہل سنت کی تقاریر کے خلاف یہ کہا جاتا ہے کہ یہ لوگ تو علمائے دیوبند کی عبارات پڑھ کر سناتے ہیں۔ یہ وہ آواز ہے جس سے خود ان کے بطلان کا پتہ چلتا ہے۔ آج ہم پوری دنیائے دیوبندیت کو چیلنج کرتے ہیں کہ وہ کالی کوٹھری ہو یا کھلا ہوا میدان ہماری کتابوں کی ایک ایک سطر پڑھ کر اپنوں وغیروں سبھی کو سنائیں اس لئے کہ ہمیں اپنے مشن پر کلیۃً اعتماد و بھروسہ ہے کہ جو کچھ بھی لکھا ہے وہ قرآن و سنت کی روشنی میں لکھا گیا اسلاف کے اقوال وافعال کی تائید جس کی سند قرآن وحدیث تک پہنچتی ہے اس لئے بلا جھجک اور بغیر روک ٹوک کے انہیں کھل کر اجازت ہے کہ ہمارے مسلم رہنماؤں میں سے جس کی کتاب بھی اپنے اجلاس میں پڑھ کر سنانا چاہیں وہ جی کھول کر سنائیں۔ اگر بات ہم نے حق کہی

ہے اور وہ اس کی غلط تاویل کر رہے ہیں یا ان الفاظ کو غلط معنی پہنا رہے ہیں تو دنیا اتنی اندھی نہیں کہ حق کو یکسر چھوڑ کر ان کی غلط تاویلات میں الجھ جائے گی ہم کو اپنی عبارات کی حقانیت و صداقت اور ان کے واضح اور روشن ہونے پر اتنا ہی یقین حاصل ہے جتنا کہ کل کی صبح آفتاب کے طلوع ہونے پر۔

بلکہ ہم اس بارے میں مسرت و شادمانی محسوس کرتے ہیں کہ پنڈال کسی اور کا ہو اور بات ہماری کہی جائے اخراجات کسی اور کے ہوں اور مشن ہمارا پیش کیا جائے۔ لہٰذا ایسی توقع ہم علماء دیوبند سے بھی رکھتے ہیں اگر اجلاس میں حفظ الایمان اور تقویۃ الایمان وغیرہ کی عبارت پیش کی جائے یا ہماری کتابوں میں اس کا تذکرہ کیا جائے تو انہیں چیں بہ جبیں ہونے کے بجائے خوش ہونا چاہیے کہ اخراجات کسی اور کے ہیں اور پیغام ہمارا پہنچایا جارہا ہے لیکن جب ان کے خلاف آواز اٹھائی جاتی ہے تو اسی سے علماء دیوبند کا بطلان از خود روشن ہو جاتا ہے کہ وہ اس حقیقت کو بہت اچھی طرح جانتے ہیں کہ ہماری عبارتیں کال کوٹھری میں پڑھی جا سکتی ہیں مگر کھلے میدان میں پیش نہیں کی جا سکتیں۔

(۳) علماء دیوبند نے جہاں ہمارے خلاف یہ پروپیگنڈہ کیا ہے کہ ہم ان کی عبارات تر تنقید و تبصرہ کرتے ہیں اس کے علاوہ ان کا ایک حربہ یہ بھی ہے کہ قوم کو چند فروعی مسائل میں الجھا کر اپنی کفریات پر پردہ ڈالنے کی کوشش کی ہے جہاں موقع ملا میلاد و قیام پر چوٹ کس دی۔ عرس و نیاز پر شرک و بدعت کا فتویٰ صادر کر دیا تاکہ قوم ان کی کفریات پر مطلع نہ ہو سکے اور وہ یہ سمجھے کہ علماء دیوبند اور علماء اہل سنت کا اختلاف میلاد و قیام جیسے مسائل پر ہے۔ لہٰذا آج کی سب سے اہم ذمہ داری یہ ہے کہ بلاخوف لومۃ لائم ان کی کفریات کو بے نقاب کیا جائے۔ اپنی تقریر و تحریر میں جہاں فروعی مسائل کو کتاب و سنت سے ثابت کیا جائے وہیں اس امر کی وضاحت بھی کر دی جائے کہ ہمارا اختلاف محض میلاد و قیام کی حد تک نہیں ہے بلکہ علمائے دیوبند اہانت رسول جیسے غارت گر ایمان جرائم کے مجرم ہیں۔ واضح رہے کہ اگر ہمارے فعال علماء نے اس کی طرف سے غفلت برتی تو ایک دن ایسا آئے گا کہ قوم عرس و نیاز کے مسائل پر تو دلیل طلب کرے گی مگر علماء دیوبند کی وہ گندی کفری عبارات جو اختلافات کی

سنگ بنیاد ہیں ان کے بارے میں یہ کہہ کر دامن کھینچ لے گی کہ ان عبارات سے متعلق تو ہمارا کوئی اختلاف ہی نہیں ہے۔

خدا نہ کردہ میری اس تحریر کا مقصد یہ نہیں کہ ان اختلافات کو میں اور وسیع کرنا چاہتا ہوں بلکہ اس اظہار حقیقت کا پس منظر یہ ہے کہ علماء دیو بند اپنی کفری عبارات سے توبہ کر کے اس کی اشاعت بند کر دیں تو ہم بھی اپنا طرز سخن اور انداز تحریر بدل دیں۔

(۴) اس سلسلہ میں آج بعض اپنے ہی اداروں کی طرف سے یہ آواز اٹھائی جاتی ہے کہ یہ باتیں بہت پرانی ہو گئیں سانپ گزر گیا اب اس کی لکیر پر لاٹھی مارنے سے کیا فائدہ؟ مجھے کہنے دیجئے اور میری جسارت کو نظر انداز کیجئے کہ ایسے ادارے یا ایسے افراد وہ خود فریب خوردہ ہیں یا دیدہ دانستہ دوسروں کو فریب میں مبتلا کرنا چاہتے ہیں میں اس مقام پر قارئین کی ہلکی سی توجہ چاہتا ہوں کہ اگر بر سبیل تنزل یہ بات تسلیم ہی کر لی جائے کہ بات بہت پرانی ہو چکی ہے لہٰذا اب اس کی طرف سے زبان و قلم کا رخ موڑ دیا جائے تو اگر پرانے پن کی دلیل اتنی ہی بھاری بھر کم ہے تو ایسی رنگین و جدت پسند طبیعتوں کا اس کے سوا ہمارے پاس کوئی علاج نہیں کہ ان سے یہ دست بستہ عرض کیا جائے کہ بندہ پرور یہ ماحول اگر آپ کے حق میں سازگار نہیں تو کوئی اور راہ لیجئے جہاں آئے دن نت نئے مسائل سر اٹھاتے ہوں جس سے آپ کی رنگین مزاجی کو قرار مل سکے ورنہ اندیشہ ہے کہیں کل آپ نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ قرآن کی تفسیر پرانی ہو چکی ہے اور احادیث کے شروح و حواشی پر صدیاں بیت گئی ہیں لہٰذا آج کے مذاق کے مطابق نئی تفسیر ہونی چاہیے اور کتاب احادیث پر نئے انداز و نئے ڈیزائن کے شروح و حواشی ہوں تب تو اسلام بازیچہ اطفال بن کر رہ جائے گا اور مسلمات سے ایمان اٹھ جائے گا علاوہ ازیں یہ کہنا ہی غلط ہے کہ باتیں پرانی ہو گئیں لہٰذا اب ان کا ذکر نہ کیا جائے بندہ پرور! اگر آپ کی عمر چالیس برس کی ہو چکی ہے اور پندرہ برس کی عمر سے آج تک ان اختلافات کو سنتے چلے آئے ہیں تو یہ باتیں آپ کے حق میں پرانی ہو گئی ہیں لیکن آنے والی نسل جواب ہوش گوش کے میدان میں آرہی ہے جس سے ابھی تک اس کے کان آشنا نہیں اس کے حق میں تو یہ باتیں پرانی نہیں ہیں۔

ہاں اگر حفظ الایمان' تقویۃ الایمان 'تحذیر الناس' براہین قاطعہ کے مصنفین اپنے پیچھے کوئی لشکر نہ چھوڑ گئے ہوتے اور یہ کتابیں انہیں کی قبر میں دفن ہو گئی ہوتیں اور یہ لوگ اپنا عقیدہ اپنے ساتھ لے کر چلے گئے ہوتے تو یہ بات گوارا کر لی جاتی جب ان کے عقائد کے پرچار کرنے والے ہی نہیں تو ایسے عقائد کے بال کی کھال نکالنے سے کیا فائدہ؟ لیکن جب ہم یہ دیکھ رہے ہیں کہ ان کے اذناب و متبعین کا ایک گروہ ہے جو قدم قدم پر شرک و بدعت کا خیر نصب کئے بیٹھا ہے اور پریس کی پوری طاقت ان کتابوں کی اشاعت میں خرچ ہو رہی ہے پھر ایسے حالات میں ہم یہ کیسے تسلیم کر لیں کہ باتیں پرانی ہو گئیں۔ لہٰذا اب ان سے صرف نظر کیا جائے ہم کسی مصیبت یا تنگ نظری کے تحت ایسی باتیں نہیں کہہ رہے ہیں بلکہ اس حقیقت سے ہمارے متقدمین و متاخرین کا طرز عمل شاہد عدل ہے چنانچہ تاریخ اسلام کا مطالعہ کیجئے تو معلوم ہوگا کہ اسلام ہی کے نام پر نہ جانے کتنے گمراہ اور باطل فرقوں نے سر اٹھایا اور ان کی جتنی عمر رہی اسی اعتبار سے ان کا رد و ابطال کیا گیا مثلاً جبریہ 'قدریہ 'معتزلی وغیرہ یہ اپنے اپنے وقت کے گمراہ فرقے ہیں۔ جب یہ گمراہ فرقے اسلامی معتقدات کے خلاف برسر پیکار نظر آئے تو علماء اسلام کی ساری طاقت ان کی طرف مبذول ہو گئی یہاں تک کہ اب ان فرقوں کے اقوال بطور نقل چلے آرہے ہیں کہ کسی دور میں ایسے فرقوں نے جنم لیا تھا جن کے اقوال ایسے اور ایسے تھے اور اسی ذیل میں ان کے جوابات درج کئے جاتے ہیں تاکہ درس نظامی کا فارغ التحصیل تعارفی حیثیت سے ان سے آشنا رہے۔ لیکن اب ان فرقوں کے خلاف کوئی محاذ جنگ نہیں ہے چونکہ اب ان فرقوں کا کوئی نشریاتی پروگرام نہیں 'نہ ان کا کوئی ہیڈ کوارٹر ہے اور نہ ہی برانچ یہ اپنے وقت کی پیداوار تھے اور کچھ دنوں بعد خود ہی اپنی موت کے گھاٹ اتر گئے اس لئے آپ دیکھئے کہ آج علماء کی تقریر اور تحریر کے نشانے پر یہ فرقے رہ ہی نہیں گئے لیکن فتنہ وہابیہ ایسا نہیں ہے یہ روز بروز اپنی جڑیں مضبوط کرتا جارہا ہے اور ہمارے خلاف اس کے نئے نئے اڈے بنتے جارہے ہیں۔

لہٰذا یہ کہہ کر ان مسائل سے دامن چھڑانا کہ بات پرانی ہو چکی ہے عقل و قیاس سے بعید ہے اس فریب خوردگی اور خوش فہمی پر اس کے سوا اور کیا کہا جائے کہ کچھ اپنے ہی ہماری راہ میں کنواں کھود رہے ہیں دشمن اپنی پوری ہوشمندی و دانائی سے اپنی راہ ہموار کرتا جارہا ہے

اور بعض اپنے اس تماشا گاہ عالم میں اپنوں ہی کا دامن تھامے تماشائیوں کو دعوت نظارہ دے رہے ہیں۔

(۵) واضح رہے جس طرح ہمیں کھلے ہوئے دشمن کے چہرے سے نقاب الٹنا ہے اور ان کی گھناؤنی اور مکروہ صورت سے لوگوں کے دل میں گھن پیدا کرنا ہے بالکل ایسے ہی دوست نما دشمنوں کی بھی نقاب کشائی کرنا ہے ہم یہ جانتے ہیں کہ ہمیں اس راہ میں تیر ملامت کا نشانہ بننا پڑے گا اور اپنوں ہی کے ہاتھ تلخ گھونٹ پینا ہوگا۔

اللہ کا شکر ہے کہ قلم اٹھانے سے پہلے ہم اس کیلئے تیار ہو چکے ہیں' ہمیں دقیانوس کہا جائے یا لکیر کا فقیر ہم پر ان جملوں کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔ ہمیں اپنے بزرگوں سے یہی دولت ملی ہے جس کے ہم امین اور وارث ہیں۔ سیدنا امام احمد رضا فاضل بریلوی' امام المنطق والفلسفہ حضرت علامہ فضل حق خیر آبادی' سید العارفین حضرت مولانا فضل رسول بدایونی' حجۃ الاسلام حضرت مولانا حامد رضا خاں صاحب بریلوی' صدر الشریعۃ حضرت مولانا امجد علی صاحب مصنف بہار شریعت' صدر الافاضل حضرت مولانا محمد نعیم الدین صاحب مفسر قرآن رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی تاریخ ہماری نگاہوں کے سامنے ہے اور ان کے تصلب فی الدین کو ہم ان کی زندگی کا طغرائے امتیاز سمجھتے ہیں اس راہ میں انہیں گھر سے بے گھر ہونا پڑا' اپنے بیگانے ہوئے اپنوں اور غیروں کی طعن و تشنیع سنی مگر جادہ استقامت سے ان کا قدم ایک انچ بھی پیچھے نہ ہٹ سکا' بفضلہٖ تعالیٰ آج بھی ان کے متبعین کی ایک اچھی خاصی جماعت موجود ہے۔ آقائے نعمت حضور مفتی اعظم استاد محترم و مرشد برحق مجاہد ملت مولانا حبیب الرحمان صاحب استاذ الاساتذہ حضرت مولانا سید غلام جیلانی صاحب میرٹھی' استاذ العلماء حضرت مولانا حافظ عبدالعزیز صاحب' سلطان المناظرین حضرت مولانا رفاقت حسین صاحب' برہان ملت حضرت مولانا سید برہان الحق صاحب' صدر العلماء حضرت مولانا سید مصباح الحسن صاحب پھپھوند شریف' سید العلماء حضرت مولانا سید آل مصطفیٰ صاحب' ناشر العلوم حضرت مولانا مفتی عبدالرشید خاں صاحب ادام اللہ فیوضہم و برکاتہم العالیہ جیسے اپنے اکابر و مشائخ جو اپنے بزرگوں کی زندگی کے آئینہ دار ہیں رب کریم ان کے ظل عاطفت کو ہم پر دراز فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم۔

بات بہت بڑھ گئی مقصود نگارش یہ ہے کہ ہمیں حالات کا صحیح جائزہ لینا چاہیے کہ ہمارے مشن کو کمزور بنانے میں کیسے کیسے لوگوں کا ہاتھ ہے۔

(٦) آج فروعی مسائل سے متعلق علماء دیوبند کا یہ بھی غلط انداز ہے کہ ہر بات میں ہم سے قرآن و سنت کا مطالبہ کیا جاتا ہے۔ قرآن و سنت کے اساس و بنیاد ہونے سے کسی کو انکار نہیں اس کی عظمت سر آنکھوں پر' یہ دونوں ہماری زندگی کے وہ متاع عزیز ہیں جس پر ہمیں بجا طور پر فخر حاصل ہے مگر پیارے کہنا یہ ہے کہ جو بات بھی کہو قرینے اور سلیقے سے کہو۔ اگر فاتحہ دلائی جائے تو یہ کہتے ہو کہ اس کے ثبوت میں قرآن کی آیت پڑھو۔ اگر ہم بزرگوں کی قبر پر ایصال ثواب کی غرض سے چلے جائیں تو بڑے ہی بھولے بن کر یہ کہتے ہو کہ اگر قرآن کی آیت نہیں تو پھر بخاری شریف ہی کی حدیث دکھلا دو۔ آپ کے مطالبے پر سر تسلیم خم ہے۔ مگر کچھ ہماری بھی سن لیجئے۔

آپ کے حضرت شیخ مولانا ٹانڈوی کی لاٹھی کو لوگ بطور تبرک رکھتے تھے آپ کے مولانا تھانوی کے پاؤں دھو کر پانی پینے کو لوگ ذریعہ نجات سمجھتے تھے وغیرہ وغیرہ۔ تو اگر آپ قرآن کی آیت اور بخاری کی حدیث سے اس کا ثبوت نہ دے سکیں تو کم از کم مشکوٰۃ شریف جو درس نظامی میں حدیث کی پہلی کتاب سمجھی جاتی ہے اسی سے ہی اس کا ثبوت دے دیجئے۔

آخر ش کیا قرآن و حدیث محض میلاد و قیام ہی کے ثبوت کے لئے ہیں پھر یہ کیا طرفہ تماشا کہ آپ حضرات اپنی درس گاہوں میں تو اپنے طلباء کو یہ درس دیتے ہیں کہ اصول شریعت چار ہیں۔ ادلہ اربعہ قرآن' سنت' اجماع' قیاس سے کام لیا جائے گا۔

طلاق و نکاح' بیع و شرا' روزہ و نماز' حج و زکوٰۃ وغیرہ وغیرہ جیسے مسائل میں قرآن و سنت کے علاوہ اجماع و قیاس سے بھی دلیل قائم کی جاتی ہے مگر عرس و نیاز' میلاد و قیام کے لئے صرف قرآن و حدیث سے دلیل چاہیے۔

اور اس پر کٹ حجتی اور ہٹ دھرمی کا یہ عالم کہ اگر آپ کے کسی بزرگ و پیشوا نے میلاد و قیام کیا ہو تو آپ اس کی نت نئی تاویل کرتے ہیں کہ کہیں ہمارے بزرگ پر شرک و بدعت کی چھاپ نہ پڑ جائے۔ جیسا کہ پچھلے صفحات میں حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی کا تذکرہ کیا ہے کہ موصوف محفل میلاد شریف منعقد کرتے اور کھڑے ہو کر سلام پڑھنے میں لذت محسوس

کرتے۔

لیکن اب جناب حاجی صاحب قبلہ کے میلاد و قیام پر عامر عثمانی کی تلاویلات ملاحظہ کیجئے۔

تجلی دیوبند اگست ۶۲ء صفحہ ۴۰

"تیسری وجہ یہ تھی کہ حضرت حاجی صاحب کے تمام عقائد و تصورات سب کے سامنے تھے ان میں ان کے اہل علم اور ارادت مندوں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بارے مشرکانہ اور غالی وداہی عناصر کی شمولیت نہیں پائی بلکہ یہی دیکھا کہ توحید ان کے دل و دماغ میں رچی بسی ہے لہٰذا یہ قیاس کرنے میں کوئی چیز مانع نہیں ہوئی کہ سال بہ سال میلاد منعقد کرنے کے پیچھے حب رسول کا سیدھا سادہ ذہن کارفرما ہے اور قیام کی تہہ میں ایک معصوم سے تصور تعظیم کے سوا کوئی غلو آمیز عقیدہ موجود نہیں۔"

نوٹ: ناظرین سے گزارش ہے کہ وہ مندرجہ بالا تحریر کو بار بار پڑھیں اور یہ اندازہ کریں کہ اپنے کو بچانے کے لئے کیسے کیسے تراشیدہ و خراشیدہ الفاظ ڈھونڈے گئے ہیں۔ حاجی صاحب اگر میلاد و قیام فرمائیں تو اس میں "حب رسول" کا سیدھا سادہ ذہن کارفرما ہے اور قیام کی تہہ میں ایک معصوم سا تصور تعظیم ہے حالانکہ یہ وہی حاجی صاحب ہیں جو خود عامر صاحب کی نظر میں عالم نہیں ہیں۔ ایک غیر عالم اگر میلاد و قیام کرتا ہے تو اس کی تاویل کی جاتی ہے کہ "توحید ان کے دل و دماغ میں رچی بسی ہے" اور اکابر علماء اہل سنت جن کے علم و فضل کو اپنے و غیر سبھی تسلیم کرتے ہوں اگر وہ میلاد اور قیام کرلیں تو کھلے گمراہ، کٹر بدعتی، پکے مشرک نہ جانے وہ کون سا آلہ ہے عامر صاحب کے پاس جس سے وہ لوگوں کے دلوں کا بھید جان لیتے ہیں کہ کس کے قلب و جگر میں توحید رچی بسی ہے اور کس کا سینہ اس سے خالی ہے۔

"تجلی" کے اسی شمار میں آگے چل کر عامر صاحب رقمطراز ہیں اس کو پڑھئے اور جناب کے طرز استدلال کی داد دیجئے صفحہ ۴۲

"اسی طرح آپ متعدد مثالیں سوچ سکتے ہیں جن سے معلوم ہوگا کہ اسمائے صفت میں غالب احوال کے اعتبار سے بنتے ہیں غالب بھی نہ سہی تو کم از کم یہ تو طے شدہ

ہے کہ کسی بھی اسم صفت کا اطلاق اسی وقت ہوتا ہے جب اس صفت کا ظہور نمایاں طور پر اگر کسی انسان کو فاسق یا عاصی و خاطی کہنے کے لئے صرف اتنی ہی بات کافی ہوتی کہ کبھی نہ کبھی اس سے فسق یا خطایا معصیت کا صدور ہو گیا ہے تو دنیا میں کوئی شخص بھی انبیاء کے سواان مکروہ اسمائے صفت سے نہ بچ سکتا کیونکہ انبیاء کے سوا کوئی بھی معصوم نہیں۔"

اس سے ثابت ہوا کہ محض میلاد و قیام کی بدعت کو سادگی کے ساتھ اختیار کرنے کی وجہ سے حضرت حاجی صاحب کو "بدعتی" نہیں کہا جاسکتا۔"

نوٹ: قربان جائیے آپ کے طرز استدلال پر حاجی صاحب "فیصلہ ہفت مسئلہ" میں خود تحریر فرماتے ہیں کہ ہر سال محفل مولود شریف منعقد کرتا ہوں اور کھڑے ہو کر سلام پڑھنے میں لذت محسوس کرتا ہوں لیکن عامر صاحب فرماتے ہیں کہ اگر کسی سے کبھی کبھار کوئی فعل صادر ہو جائے تو اس کی بنا پر حکم نہیں لگایا جاتا بلکہ غالب احوال کی بنا پر جیسے کسی کو فاسق کہنے کے لئے اتنی سی بات کافی نہیں ہے کہ کبھی اس سے فسق کا صدور ہو گیا یعنی تاوقتیکہ اس فسق پر اصرار نہ ہو اس وقت تک اسے فاسق نہیں کہا جائے گا۔

عامر صاحب! بالفرض اگر نفاذ احکام سے متعلق یہی دستور قانون ہے جیسا کہ بہ گمان خویش آپ نے سپرد قلم کیا ہے تو اسی قانون کے آئینے میں حاجی صاحب کی بھی تصویر ملاحظہ کیجئے۔ یعنی تاوقتیکہ فعل پر اصرار نہ ہو اس پر حکم نہ لگایا جائے گا تو حاجی صاحب قبلہ نے یہ تو نہیں فرمایا کہ عمر کے کسی حصہ میں بھول کر سہواً میں نے میلاد شریف کی محفل منعقد کرلی تھی اور سلام بھی کھڑے ہو کر پڑھ لیا تھا بلکہ وہ اپنے فعل کے اصرار والتزام کی صراحت فرماتے ہیں نہ تو کبھی کبھار ہے اور نہ بھول چوک ہے بلکہ دیدہ و دانستہ باعث خیر و برکت سمجھ کر ہر سال پھر پڑھ لیجئے۔ ہر سال جانے ان کے اس فعل کی ابتدا اور عمر کے اعتبار سے یہ محفل ان کے گھر میں پچاس مرتبہ منعقد ہوئی ہو گی یا اس سے کم و بیش اب آپ ہی فرمائیے اگر انہوں نے اپنی عمر میں پچاس مرتبہ محفل مولود شریف منعقد کی تو اس کو اتفاقیہ، کبھی کبھار، بائی چانس کہا جائے گا یا اس فعل کا اصرار والتزام اور کوئی روزانہ تو محفل میلاد شریف منعقد کرتا نہیں بلکہ عام دستور یہی ہے کہ خیر و برکت کے حصول کے لئے سال میں ایک دو

مرتبہ ہی لوگ حسب توفیق اپنے اپنے گھروں میں محفل میلاد شریف منعقد کرتے ہیں اور یہی لوگ آپ کی اصطلاح میں مولودی اور بدعتی کہے جاتے ہیں۔

اب کہیے حاجی صاحب کے بارے میں کیا ارشاد ہے؟ یہ کیسے آپ نے لکھ دیا کہ ہم ان کو بدعتی نہیں کہیں گے۔ آخر یہ دین میں ٹھیکیداری نہیں تو اور کیا ہے؟

جس کو آپ اپنا سمجھیں ارتکاب بدعت کے باوجود اس کو بدعتی نہ کہیں اور جن بزرگوں کے خلاف آپ نے محاذ جنگ قائم کر رکھا ہے ان کے ہر فعل پر شرک و بدعت کی چھاپ لگانے میں کوئی تامل نہیں۔

علاوہ ازیں حاجی صاحب محض میلاد و قیام کے پابند نہ تھے بلکہ نیاز فاتحہ 'عرس' سوئم' چالیسواں' برسی جیسے تمام مراسم کے نہ صرف قائل بلکہ عملاً پابند تھے "فیصلہ ہفت مسئلہ" تو آپ نے پڑھی ہوگی' اس کا نام ہی فیصلہ ہفت مسئلہ ہے اب یہ نہ کہیے گا کہ حاجی صاحب محض میلاد و قیام کی بدعت کا ارتکاب فرماتے تھے بلکہ اس کے علاوہ اور بھی بہت سے مراسم ہیں جو آپ کی نظر میں بدعت اور معصیت ہیں وہ سب ان کے معمولات میں داخل ہیں۔

لہٰذا آپ یہ باور کرانے کی کوشش تو کیجیے ہی نہیں کہ آپ کو دیوبند یا جماعت اسلامی کے خزانے سے کوئی ایسا آلہ مل گیا ہے جس کے ذریعہ سے آپ لوگوں کی نیت اور ارادے کا پتہ لگا لیتے ہیں کہ کون سادہ لوح ہو کر میلاد و قیام کر رہا ہے اور کون غیر سادہ لوح ہو کر۔

ممکن ہے مولانا امام الدین رام نگری جن سے آپ اس وقت مخاطب ہیں وہ آپ کی اس دھونس میں آکر مرعوب ہو جائیں' حالانکہ وہ آپ سے زیادہ تجربہ کار ہیں لیکن ان پر آپ کا جادو چل جائے قرین قیاس نہیں آپ نے اپنے دلائل کے تانے بانے میں یہی کوشش کی ہے کہ انہیں الجھالیا جائے۔

اس کو تو آپ دونوں سمجھیں مگر ملک کا وہ طبقہ جس کو آپ بدعتی کہتے ہیں وہ آپ کے حاجی صاحب کی طرح اتنا سادہ لوح نہیں ہے کہ میلاد و قیام محض اپنی سادگی کے تحت کر لیتا ہے بلکہ یہ ایک پڑھا لکھا طبقہ ہے جو اپنے عقائد پر براہان و بینہ کی ایسی شمع روشن کئے ہے کہ لاکھوں بار طوفان اٹھے مگر وہ شمع بجھ نہ سکی اور انشاء اللہ تعالیٰ صبح قیامت تک یہ روشن رہے گی اس لئے یہ خیال تو آپ اپنے دل سے نکال لیجئے کہ وہ آپ کی اس قسم کی لایعنی باتوں سے

مرعوب ہو جائے گا اور اس کا یقین کرے گا کہ صحیح معنوں آپ کو کوئی ایسا آلہ مل گیا ہے جس سے آپ دلوں کا بھید معلوم کر لیتے ہیں اور اگر استدلال کا یہی طریقہ اختیار کیا جائے جو آپ کا وطیرہ ہے تو پھر دوسروں کو بھی کہنے دیجئے کہ ماہنامہ "تجلی" کی اشاعت میں قوم کی اصلاح و فلاح کا کوئی جذبہ کار فرما نہیں ہے بلکہ اپنی نمائش اور تجارتی فروغ کی ایک لگن ہے جو آپ کے دل و دماغ پر مسلط ہے۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ آپ اپنے اداریہ کے لئے جنگ و جدال کا نیا نیا عنوان تلاش کرتے رہتے ہیں آپ اپنی انگلیوں پر خود ہی گن لیجئے کہ اس تھوڑے سے وقفہ میں آپ نے کتنوں سے پنجہ آزمائی کی ہے۔

ایک دور آپ کا وہ گزرا ہے جب کہ آپ اپنے ہی استاذ مولوی حسین احمد صاحب ٹانڈوی کے مقابل لنگوٹ باندھے کھڑے تھے یہ جانتے ہوئے کہ یہ دیوبند کی بڑی شخصیت ہے اگر ان سے مٹھ بھیڑ ہو گئی تو کام چل ہی جائے گا پھر جب آپ نے ان کا پیچھا چھوڑا تو آپ نے مولوی منظور نعمانی کو دعوت جنگ دی۔ جب انہوں نے منہ نہ لگایا تو مدیر فاران ماہر القادری کو ھل من مبارز کہہ کر پکارا۔ کچھ دنوں ان سے نوک جھونک رہی تو آپ نے اپنے رفیق قلم مولوی امام الدین رام نگری کو جھنجھوڑا جن سے آج تک سلسلہ جنگ جاری ہے۔

ابھی آپ اسی محاذ پر تھے کہ اس سے زیادہ عمدہ محاذ جنگ مل گیا یعنی مدیر برہان مولانا سعید احمد اکبر آبادی سے آپ لپٹ گئے اور اداریہ کے اختتام پر بڑی نیاز مندی سے آپ یہ کہہ کر گزرے ہیں کہ۔

"ہم خود کو مجبور پاتے ہیں کہ ان کے تیسے اداریے پر بھی اگلے ماہ زبان نقد دراز کریں۔"

یہ جملہ آپ نے صرف اس لئے لکھ دیا کہ لوگوں کو آپ کے اگلے اداریے کا انتظار رہے اسی کا نام ہے جذبہ نمائش اور تجارتی کاروبار کے فروغ دینے کا وہ طریقہ جس کو آپ دین و ملت کا مفاد قرار دیتے ہیں۔

اب آپ ہی فرمایئے وہ کون ہے جو آپ کی زبان درازی سے بچ کر نکل گیا ہو آپ تو اسی تاک گھات میں رہتے ہیں کہ ہر ماہ نقشہ جنگ بدستور ہے تاکہ ناظرین تجلی کا ذہن و فکر مسائل پر اعتدال پسندی سے غور کرنے کے بجائے اکھاڑ پچھاڑ کا عادی بن چکا ہے جو یہ مار او مار اکا نعرہ بلند کر کے کسی بھی مضمون کو پڑھنے کے خوگر ہیں ان کے دستر خوان پر آپ ایسے ہی تیز نمک

مرچ کا سالن رکھتے ہیں۔

اور ساتھ ہی قوم کے ساتھ یہ ڈھیل بازی کہ ہمارا جذبہ دینی ہمیں مجبور کرتا ہے کہ ہم کسی برائی کو دیکھیں اور خاموش نہ رہ جائیں اگر واقعی یہی ہے تو رسالہ کی اشاعت سے پہلے آپ کا جذبہ کہاں سویا ہوا تھا' جس جس گلی میں آپ کو خیمہ ہائے باطل نظر آتے وہاں وہاں کی خاک آپ چھانتے نظر آتے' مگر یہ کیا ہوا کہ قلم پکڑتے ہی آپ چن چن کر ایک ایک کا گریبان پکڑ کر الجھ گئے۔

کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے

لہٰذا آپ اپنی لچر دلیلوں کی داد اسی طبقہ سے چاہیں جو دعوٰی اور دلیل کی اساسی و کلیدی حیثیت نہیں جانتا' آپ اس حلقے میں دھول کی رسی بانٹنے کی کوشش نہ کیجئے جو بعونہ تعالیٰ آپ جیسوں کو دیکھتے ہی یہ سنا دیتا ہے۔

بہر رنگے کہ خواہی جامہ می پوش

من انداز قدت رامی شناسم

ورنہ کیا تماشہ ہے کہ ہم میلاد و قیام کریں تو معصیت کیش اور بدعتی ہو جائیں اور آپ کے روحانی لکڑ دادا حاجی امداد اللہ اسی بدعت کا ارتکاب فرمائیں تو کٹر موحد ہو جائیں جناب عامر صاحب اس قسم کا تضاد کچھ آپ ہی کی تحریر میں نہیں ہے بلکہ یہ آپ کو بطور وراثت ملی ہے۔

لیجئے لگے ہاتھ ایک پرانی کہانی سن لیجئے اور بات ختم کر دی جائے یہ اس وقت کی بات ہے جب کہ آپ اور مولوی امام الدین رام نگری ایک ہی پلیٹ فارم پر تھے اور دوسرے پلیٹ فارم پر آپ کے استاذ مولانا نانڈوی نے آپ حضرات سے ایک مطالبہ کیا تھا۔

تجلی فروری مارچ ۵۷، صفحہ ۴۷

"رام نگری صاحب اور مودودی صاحب اور ان کے متبعین کا فرض ہے کہ اگر ان کا عقیدہ خوارج و معتزلہ کا نہیں ہے اور وہ واقع میں اہل سنت و جماعت کے عقیدے پر ہیں تو علانیہ طور پر بغیر کسی قسم کی جھجک کے اعلان فرمائیں اور ان عبارات کو خطبات سے نکال کر مناسب عبارات درج فرمائیں جیسا کہ اہل حق کا فریضہ ہے اور

ہمیشہ بڑے بڑے ائمہ حق اس پر عمل پیرا رہے ہیں ان کو اپنی غلطیوں سے رجوع کرنے میں کبھی نفسانیت اور انانیت مانع نہیں ہوئی اور یہ اسلاف کرام کی حق پرستی تھی۔" (ایمان عمل صفحہ ۸۲)

نوٹ: یہ تو وہ مطالبہ ہے جو مولوی حسین احمد صاحب نے جماعت اسلامی اور اس کے متبعین سے کیا تھا اب مولوی امام الدین رام نگری کا وہ مطالبہ پڑھئے جو انہوں نے جماعت اسلامی کی طرف سے مولوی حسین احمد سے کیا تھا۔

تجلی فروری مارچ ۵۷، صفحہ ۷۴-۷۵

"رہا حضرت مولانا مدنی کے مطالبے کا دوسرا حصہ تو حضرت محترم نے اس پر غور نہیں فرمایا کہ وہ کتنا ناقص ہے حضرت محترم اور ان کے ہمنوا اور دوسرے علماء واکابر دیوبند جماعت اسلامی کے پورے لٹریچر کو دفتر ضلالت و بے دینی قرار دیتے ہیں اس لئے جماعت اسلامی جب تک اپنے ذخیرہ کتب کو دریا برد نہ کر دے۔ حضرت مولانا مدنی جماعت اسلامی کو ایمان و اسلام کا سرٹیفکیٹ کیسے دے سکتے ہیں لہٰذا حضرت محترم کے مطالبے کا یہ حصہ تو خود انہیں کے عقیدے و مسلک کے اعتبار سے غلط ہے اس لئے اس کے پورا کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا البتہ اس موقع پر ہمیں خود حضرت مولانا مدنی سے ایک سوال کرنا ہے بریلوی مسلک کے علماء واکابر نے تمام اکابر دیوبند کی تصانیف کو ضلالت و بددینی و کفریات کا مجموعہ قرار دیا ہے۔ (چند سطر بعد) حضرت مولانا مدنی ارشاد فرمائیں کہ انہوں نے بڑے بڑے ائمہ حق کی پیروی میں کہاں تک اہل حق کا فریضہ انجام دیا ہے؟ اور اکابر دیوبند کی غلطیوں سے رجوع کرنے میں کہاں تک خلوص وللہیت سے کام لیا ہے۔"

نوٹ: جادو وہ ہے جو سر چڑھ کر بولے۔ ابھی ابھی ناتا نگر کے سفر میں مولانا الحاج قاری محمد عثمان صاحب اعظمی سے یہ معلوم ہوا کہ بنگلور کے غیر مقلدین نے کوئی کتاب شائع کی ہے جس میں علمائے اختلاف کی خبر لیتے ہوئے حفظ الایمان کی عبارت پر کفر کا فتویٰ دیا ہے معاملہ سنی اور وہابی کا نہیں تھا بلکہ مقلد اور حنفی کا تھا لہٰذا اس نشانے کی زد میں حفظ الایمان کی عبارت بھی آگئی اگر یہ کتاب دستیاب ہو گئی تو "خون کے آنسو" جلد سوم میں اس کا حوالہ ہدیہ

ناظرین کیا جائے گا۔

میرا اپنا ارادہ یہی تھا کہ "خون کے آنسو" دو حصوں پر ختم کر دی جائے لیکن گجرات کے دورہ میں حضرت محدث اعظم ہند علیہ الرحمۃ نے ارشاد فرمایا کہ اس کے تین حصے ہوں اور آخری حصے میں علماء دیوبند کی پرانی کتابوں پر تبصرہ کیا جائے چنانچہ حضرت علیہ الرحمۃ کے ارشاد کے مطابق جو بعض کتابیں میرے پاس نہ تھیں ان سب کو حاصل کر لیا ہے اور جلد سوم کا کام بھی کسی حد تک ہو چکا ہے انشاء اللہ تعالیٰ حفظ الایمان' تقویۃ الایمان' صراط مستقیم' تحذیر الناس' براہین قاطعہ' الامداد' اشد العذاب' سیف یمانی' الشہاب الثاقب' المہند وغیرہ جیسی کتابوں پر نئے انداز کا تبصرہ کیا جائے گا اور ان کی تمام تاویلات پر ایسی حجت و دلیل قائم کی جائے گی جس سے ان کا نا قابل قبول ہونا آفتاب سے زیادہ روشن ہو جائے گا۔

اب جس کے پاس "خون کے آنسو" کے مکمل ہر سہ حصے ہوں گے وہ علماء دیوبند کی کتابوں سے بے نیاز ہو جائے گا انہیں تینوں حصوں میں ان کے تمام عقائد سمیٹ دیے جائیں گے۔

جلد سوم کے آخری حصے میں علماء دیوبند کے عقائد کی ایک بہت لمبی لسٹ ہو گی جس میں ان کے تمام اقوال کو مع حوالہ کے درج کر دیا جائے گا تاکہ کسی بھی عجلت کے موقع پر اس سے کام لیا جا سکے۔

اب اخیر میں گزارش ہے کہ پروردگار عالم ہم سب کو اپنے پیارے رسول کا وفادار بنائے اور ان کی عزت و حرمت پر مر مٹنے کی توفیق دے۔

اے رب! جس طرح ہم اپنے معاملات میں دوست اور دشمن کی شناخت رکھتے ہیں ایسے ہی سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دوست اور دشمن کے پرکھنے اور پہچاننے کی صلاحیت عطا فرما۔

اے اللہ! ہم ان میں سے نہیں ہیں جو تیری الوہیت کا گن بھی گاتے ہیں اور معاذ اللہ تجھی کو جھوٹا بھی کہتے ہیں۔

اے رب! ہم اس گروہ سے اظہار بیزاری کرتے ہیں جو تیرے رسول کو پیغمبر بھی کہتے ہیں اور معاذ اللہ گاؤں کا چودھری اور چمار سے زیادہ ذلیل و ذرہ ناچیز سے کمتر بھی۔

اے رب! ہمارا ایمان ہے کہ جس طرح تو اپنی شان الوہیت میں بے مثل و بے نظیر ہے۔ ایسے ہی جان رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نہ صرف انسانوں بلکہ پیغمبروں اور رسولوں میں سے سب سے ممتاز و یگانہ ہیں۔

اے رب! ہمیں اسی نکھرے ہوئے عقیدے پر چلا اور اسی پر موت بھی عطا فرما۔ آمین ثم آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم۔

بفضلہٖ تعالیٰ جلد دوم ختم ہوئی